حضرت سیدنا خواجہ محبوب اللہ قدس سرہ

کی تالیف زادِ آخرت کے حصۂ دوم کی شرح

ضیاءِ زادِ آخرت

۲۰۲۵ء

شارح

سید بادشاہ محی الدین نعمت قادری

فہرستِ مضامین

کتاب الزکات 7-92

کتاب المناسک 125-218

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ العلی العظیم الذی یعلم ما فی الاخفاء الظھور وصل اللہ و سلم علی شافع و مشفع یوم النشور وعلی آلہ الذین ھم ا ھل الضیاء والنور۔

اللہ کے فضل و احسان اور حضور سرور دوعالم علیہ و آلہ الصلاۃ والسلام کے فیضانِ نظر سے اور سیدنا شیخنا سندنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا خواجہ محبوب اللہ رضی اللہ عنہ کی توجہات کی بدولت زاد آخرت کی تشریح میں کچھ رقم کرنے کی توفیق بھی ملی اور دو سال سے زیادہ عرصہ کی کاوش کے بعد یہ کاوش کتابی شکل میں آج قارئین کیلئے رو نما بھی ہو رہی ہے۔اس بندہء بے مایہ پر اس کے پروردگار کے اتنے احسانات ہیں کہ بقول**وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا** ان کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔انہی احسانات نے اس ناتواں کو توانا اور اس کے عیوب کو ہنر میں تبدیل کر دیا ہے۔اب نیاز مندی کا تقاضہ یہی ہے کہ ان انعامات کا شکر ادا کیا جائے **واما بنعمۃ ربک فحدث**۔پھر اس اظہار تشکر سے یہ امید بھی بندھ جاتی ہے کہ خداوند کریم اپنی نعمتوں کی بارش میں مزید اضافہ بھی فرمائیں گے**لئن شکرتم لازیدنکم**۔ساتھ ہی یہ خوف بھی دامنگیر رہتا ہے کہ کہیں ریاکاری، دنیا طلبی اور نفس پرستی کی بادِ خزاں کا دخول ان انعام کے گلزار میں نہ ہو جائے اسلئے بارگاہ ایزدی سے دعا بھی ہیکہ وہ اپنے محبوبین کے اس ادنیٰ غلام کی کاوشوں کو رائیگاں نہیں ہونے دیں گے، اخلاص کی

باد بہاری سے اس گلزار کے فضا کو معطر رکھیں گے، اپنی اور اپنے محبوبین کی نصرت سے نوازیں گے **هو الذی ایدک بنصره وبالمومنین۔**

زاد آخرت جو سیدنا خواجہ محبوب اللہ علیہ الرحمہ ولرضوان کی تالیف لطیف ہے کسی تعارف کی محتاج تو نہیں ہے لیکن اس تالیف سے متعلق چند امور پیش کرنا مناسب ہوگا تاکہ قارئین کو اس کے خصائص سے آگہی ہو اوراسکی شرح لکھنے کے وجوہات اور شرح کا طرز سمجھ میں آئے۔ سیدنا خواجہ محبوب اللہ قدس سرہ کو بارگاہ غوثیت سے بذریعہ کشف تبدیلئ مذہب کا حکم ہوا تو آپ نے اس کی تعمیل میں حنبلی مذہب کی پیروی اختیار فرمائی ۔اسی حکم کی پیروی میں آپ کے مریدین واہل سلسلہ نے بھی حنبلی مذہب اختیار کیا۔ حضرت نے اپنے متبعین کی اس سلسلہ میں رہنمائی کی خاطر حنبلی فقہ میں بہ زبان اردو زاد آخرت تالیف فرمائی۔ ظاہر ہیکہ حضرت کا مقصد مختصر مگر جامع انداز میں ضروری مسائل کا احاطہ کرنا تھا تاکہ جو اس مذہب کے نئے نئے پیرو کار ہیں ان کو یہ کتاب اساس فراہم کرے۔ اسی غرض سے آپ نے زاد آخرت میں اصح روایات ہی کو بیان فرمایااور امام احمد علیہ الرحمہ سے مروی دیگر روایات کی تفصیل میں جانامنساب نہیں سمجھا اور نہ ہی اکثر مقامات پر مسائل کی علتیں بیان فرمائی اور نہ یہ بتلایا کہ ان مسائل کا مدار کن آیات قرآنیہ، کن احادیث وآثار پر ہے اور کہاں مسائل اجتہادیہ مستنبط ہورہے ہیں۔ اگر ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جاتا تو تالیف نہ صرف ضخیم ہو جاتی ہے بلکہ دقاقت سے بھی آراستہ ہو جاتی جس کی وجہ سے یہ تالیف حنبلی مذہب کے ان نئے متبعین کے سطحِ ادراک سے بالاتر ہو جاتی۔ تکلموا الناس علی قدر عقولھم کے پیش نظر حضرت نے نہ صرف سلیس زبان اختیار فرمائی بلکہ

اندازِ تفہیمِ مسائل بھی آسان اختیار فرمایا۔ عربی کتبِ فقہ میں جو جامعیت پائی جاتی ہے اس کو بھی فوت ہونے نہ دیا حالانکہ اہل علم اس بات سے خوب آشنا ہیں کہ عربی زبان کی جامعیت کے آگے اردو زبان اپنی تہی دامنی کا اکثر اظہار کرتی ہے۔ حضرت کے اعجاز نما قلم نے اردو زبان کو بے آبرو ہونے سے بچالیا۔ زاد آخرت کی جامعیت کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو اس کی عبارت کی صدف کشائی اور گہر افشانی سے آشنا ہو۔

زاد آخرت کا عربی کتب سے تقابلی مطالعہ کرنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے اس تالیف کی بنیاد علامہ بہوتی کی تالیفات جیسے روض المربع، شرح منتھی الارادات اور کشاف القناع پر رکھی ہو گی۔ حضرت بہت کم ہی کسی دیگر کتاب کی طرف رجوع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ البتہ ان کتب سے مسائل اخذ کرنے کا انداز تلخیصانہ ہے۔

مرور زمانہ کیساتھ اردو زبان کے لب و لہجہ میں بھی تبدیلی آنے لگی جسکی وجہ سے زاد آخرت سے استفادہ کرنا ہمارے دور میں مشکل ہو سکتا تھا تو حضرت مولانا سید ابو عبد اللہ الحسین شہنشاہ قادری الحسینی علیہ الرحمہ نے زاد آخرت کی تسہیل و توضیح کی۔ آج جو زاد آخرت دستیاب ہے وہ دراصل تسہیلِ زاد آخرت ہے۔ ہر چند کہ حضرت شہنشاہ نے اپنے طریقۂ تسہیل کی خود وضاحت نہیں فرمائی مگر مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ نے زاد آخرت کے ان مسائل کی ابواب بندی قوسین میں کی جن پر سیدنا محبوب اللہ علیہ الرحمہ نے خود باب قائم نہیں فرمائے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے تقدیری الفاظ کو بھی قوسین میں لکھا جو روانئ تحریر میں ساقط ہو رہے تھے۔ غالباً حضرت شہنشاہ کا اصل مقصد زاد آخرت کی اصل شکل تبدیل کئے

بغیر اس تالیف کو حتیٰ الوسع عام فہم بنانا تھا جزاہ اللہ خیرا۔ اسلئے آپ نے نہ ہی مسائل کی مزید تفہیم کی اور نہ ان کی علتوں کو بیان کیا۔

ہندوستان میں حنبلی مذہب کے عربی کتب کی عدم نشر واشاعت اور حیدرآباد میں موجود حنبلی مذہب کے پیروکاروں کی عربی سے ناواقفیت اس کا تقاضہ کرتے تھے کی زاد آخرت میں بیان شدہ مسائل کی مزید وضاحت پیش کی جائے، ان مجمل عبارتوں کی تفصیل بیان ہو، اس کی گہر افشانی سے لوگ آشنا ہوں۔ اس فکر کو پروان چڑھانے کیلئے اس شرح کو ہدیئہ قارئین کیا جارہاہے۔ شرح کا مدار علامہ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی کی کشاف القناع اور شرح منتھی الارادت پر ہے۔ اس شرح میں بیان ہونے والا اکثر حصہ یا تو ان دو کتب میں موجود عبارتوں کا مفہوم ہے یا ترجمہ ہے۔ ان کتب کے علاوہ المغنی، الکافی، ابن قاسم کی حاشیۃ روض المربع، الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ، عبد اللہ بن عبد العزیز الجبرین کی شرح عمدۃ الفقہ سے مدد لی گئی ہے۔ اختلافی مسائل بیان کرنے کیلئے الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف اور تصحیح الفروع سے بھی استفادہ کیا گیاہے۔ دیگر جزئیات کی توضیح کیلئے جن کتب سے استفادہ کیا گیاہے ان کا حوالہ بھی معاعبارت کیساتھ دیا گیا۔

زاد آخرت کے قدیم نسخہ سے نقل کرنے میں جو کتابت کی غلطیاں تھیں انہیں بھی واضح کیا گیا ہے حالانکہ ان کی تصحیح کیلئے زاد آخرت کے اصل نسخہ تک رسائی نہیں تھی لیکن عربی کتب کا مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا گیا کہ یہ کتابت ہی کی غلطیاں ہیں۔ ان میں سے چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن کو پڑھ کر قارئین خود اس بات کی تصدیق کریں گے کہ یہ کتابت ہی کی غلطیاں ہیں:

۱۔کتاب الجہاد، باب ذمی کی توقیر میں عبارت یوں ہے:تہنیت اور تعزیت اور علامت اور انکی عید میں شرکت سب منع ہے۔یہاں صحیح لفظ علامت نہیں بلکہ عیادت ہے۔

۲۔کتاب الزکات،زکات انعام کا بیان :اونٹ اور گائے اور بکری ان تینوں کو انعام کہتے ہیں خبتی ہوں یا اعرابی۔یہاں صحیح عبارت بختی ہوں یا عرابی ہے۔

۳۔کتاب الزکات، نصاب شتر کے باب میں "بنت محاص" لکھا گیا ہے جبکہ صحیح اصطلاح بنت مخاض ہے۔

۴۔کتاب الزکات، نصاب گاو کے باب میں "سنہ" لکھا گیا ہے جبکہ صحیح اصطلاح مسنہ ہے۔

اس شرح میں قرآن و حدیث کا حوالے بھی پیش کئے گئے ہیں اور ان نصوص سے وجہ استدلال بھی واضح کیا گیا ہے۔مسائل کی توضیح و تشریح بیان کرنے کے علاوہ مسائل کے ذیلی مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے۔حضرت شہنشاہ کی بیان کردہ تسہیل کو اکثر مقامات پر حذف کرنا ناگزیر ثابت ہوا اسلئے کہ متن کی تشریح سے تسہیل کی حاجت باقی نہیں رہی۔چند مقامات پر حضرت شہنشاہ کی ابواب بندی کو حذف کرکے نئی ابواب بندی بھی کی گئی ہے۔حتیٰ الوسع یہ کوشش کی گئی ہیکہ تشریح مختصر ہو۔متن زاد آخرت کے طرز کلام کو تشریح میں جاری رکھنے کی بھی کوشش کی گئی ہے تاکہ تحریر کا تسلسل نہ ٹوٹے۔

اس شرح کا بنیادی مقصد علم دین کی خدمت ہے اور شارح کا نام خادمین محبوب اللہ علیہ الرحمہ والرضوان میں درج کروانا ہے۔اگر کچھ خامیاں یا نقائص یا کوتاہیاں قارئین کو اس شرح میں نظر آئیں تو شارح

کو ضرور مطلع فرمائیں۔ آپ کا یہ عمل شارح پر احسان کرنے سے کم نہیں ہو گا۔**والحمد لله وصل الله وسلم علی رسول الله وعلی آله الذین هم اولیاء الله۔**

خادم بارگاہ محبوبی

سید بادشاہ محی الدین نعمت قادری

کتاب الزکاۃ

زکات پانچ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔اس کی فرضیت قرآن مجید، سنت مطہرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔نیز سابقہ امتوں میں بھی زکات کی فرضیت کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے:وجعلناهم ائمة يهدون بامرنا و اوحينا ايهم فعل الخيرات واقام الصلاة وايتاء الزكاة وكانوا لنا عابدين(سورة الانبياء 73)یعنی ہم نے ان کو پیشوا بنایا،وہ ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کے پاس وحی سے حکم بھیجانیک کام کرنے کا،نماز قائم کرنے کا اور زکات ادا کرنے کااور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔زکات کی فرضیت کس مقام پر وارد ہوئی اس بارے میں اختلاف ہے۔صاحب المغنی اور صاحب المحرر نے کہا کہ یہ مدینہ میں فرض ہوئی تھی۔شرف الدین الدمیاطی نے کہا کہ یہ ہجرت کے دوسرے سال میں فرض ہوئی تھی۔تاریخ ابن جریر الطبری میں ہے کہ یہ ہجرت کے چوتھے سال میں فرض ہوئی تھی۔ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حدیث استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اس کی فرضیت مکہ میں وارد ہو چکی تھی۔الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ میں بھی آیات قرآنی سے استدلال پیش کیا گیاہے کہ مکہ میں زکات فرض ہوچکی تھی۔اکثر علماء کا مذہب یہ ہیکہ اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی تھی۔زکاۃ زکا یزکو سے مشتق ہے اس کے معنی لغت میں اصلاح اور زیادتی کے ہیں یعنی زکات دو معنوں میں مستعمل ہے۔اس کا پہلا معنیٰ نشو نما،بڑھوتری اور اضافہ ہے۔جیسا کہ مولیٰ علی علیہ السلام کا قول ہے: العلم يزكو بالانفاق یعنی علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔زکات کا دوسرا معنیٰ اصلاح ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:ولٰكن الله يزكى من يشاء(سورة النور:21)یعنی لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک و صاف کردیتا ہے اور اصطلاح شرع میں زکاۃ وہ حق ہے یعنی زکاۃ کا لینے والا اپنا حق لیتا ہے جو دینے والے کے پاس امانت تھا جس کو مال معین میں سے یعنی زکاۃ چند اموال میں ہی واجب ہوتی ہے، ہر مال میں واجب نہیں ہوتی ہے خاص وقت

پر یعنی تکمیل حول اور حبوب و ثمار میں درستگی نمودار ہونے پر اس کے شرائط سے **مستحقوں کو دینا واجب ہے** یہاں واجب بمعنی فرض ہے۔ یہ حضرت مصنف نے زکات کی جامع مانع تعریف بیان فرمائی ہے **کیونکہ زکاۃ کے دینے سے مال** بڑھتاہے **اور درست اور پاک ہوتا ہے**۔ یہ زکات کی اصطلاحی تعریف اور اسکے لغوی معنیٰ کے درمیان ربط بیان ہوا ہے کہ عربی میں جسطرح نفقہ کی کثرت ہوتویوں کہاجاتاہے: زَكَّتْ النَّفَقَةُ اسی طرح زکات وہ رکن اسلام ہے کہ جس کے ادا کرنے سے مال میں بڑھوتری اور اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ صدقہ ادا کرنے پر مال میں بڑھوتری ہونے کا وعدہ قرآن کریم میں کئی آیتوں سے ثابت ہے۔ رہامال کی صلاح ہونا تو دوسروں کے حق کو اپنے مال سے علیٰحدہ کرنا اسکی صلاح اور درستگی ہے اور اپنے مال میں غیروں کا مال داخل کرنا فساد ہے۔ زکات ادا کرنے سے بخل سے بھی پاکی حاصل ہوتی ہے۔ اسطرح زکات انفرادی، اجتماعی اور اخلاقی مفاسد کے خاتمہ کا سبب بنتی ہے۔ نیز خود مالِ زکات کو بھی عرف عام میں زکات کہاجاتاہے مثلاً: یہ کہنا کہ فلاں نے اپنے مال کی زکات ادا کر دی۔

مال زکاۃ

زکاۃ پانچ چیزوں میں واجب ہے اول نقدین یعنی سونا اور چاندی نقد لغت میں دینے کو کہتے ہیں۔ سونااور چاندی کو نقدین اسلئے کہتے ہیں کہ یہ دونوں کی ادائیگی کے بعد ہی کوئی شخص کسی چیز کا یا اسکی منفعت کا مالک بنتاہے۔ **دوسرا سامان تجارت۔ تیسرا چرنے والے انعام یعنی اونٹ گائے بکری۔ چوتھا جو چیز زمین میں پیدا ہو۔ پانچواں شہد**

شرائط زکاۃ زکاۃ کی پانچ شرطیں ہیں: اسلام، حریت، ثبات ملک، نصاب، اتمام حول۔ بلوغت اور عقل زکات کے شرائط نہیں ہیں۔ **ہر ایک کی یہ تفصیل ہے:**

اسلام

زکات مسلمان پر واجب ہے، کافر پر نہیں خواہ وہ کافر اصلی ہو یا مرتد۔ اگر مرتد پھر مسلمان ہو جائے تو گزشتہ ایام کفر کی زکاۃ دینا ضروری نہیں۔ البتہ اگر اتمام حول کے بعد وہ مرتد ہو تو اس کے مال سے زکات لی جائے گی۔ کافر اصلی(چاہے وہ حربی ہو ذمی) جب مسلمان ہو جائے تو حالتِ کفر میں گزرے سالوں کی زکاۃ دینا اس پر لازم نہیں ہے۔ زکات تو زکات دینے والے کی طہارت کا سبب بنتی ہے اور حالتِ کفر میں طہارت ممکن نہیں ہے۔

حریت

غلام پر زکاۃ واجب نہیں غلام یا باندھی خود مملوک ہوتے ہیں اور وہ کسی چیز کے مالک نہیں بن سکتے ہیں اس لئے ان پر زکاۃ واجب نہیں ہے اور مکاتب بھی غلام ہے مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کے آقا نے مقررہ مال کی ادائیگی پر اس کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا ہو۔ اسے عقد کتابت کہتے ہیں اس کے بعد آقا کے پاس اس غلام سے خدمت لینے کا جواز نہیں رہتا ہے تا آنکہ غلام کسب کے ذریعہ مقررہ مقدار مال ادا کر دے۔ اسطرح وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس کی ملکیت ناتمام ہے کہ وہ وہ سے مراد غلام ہے ہر طرح اس مال پر تصرف نہیں کر سکتا اور جس طرح حر کو مکان اور لباس درکار ہے اس سے زیادہ اس کو آزادی کی ضرورت ہے۔ ہاں جو غلام مبعض ہو مبعض وہ غلام ہے جس کا بعض آزاد ہو اور بعض غلام ہو۔ مثلاً مکاتب نے اگر مقررہ رقمِ آزادی کا بعض حصہ ادا کر دیا تو اب اسکا ادا کردہ رقم کے بقدر حصہ آزاد ہو گا تو اس کو بقدر ملک زکات دینا لازم ہے، مثلاً اگر آدھا آزاد ہو اور چار سو درہم کا مالک تو دو سو درہم اس کی ملک میں ۔دس میں سے پانچ درہم زکات دے۔

ثبوت ملک

ملک کا پورا ہونا یا ثابت ہونا یہ ہیکہ مال مالک کے ہاتھ میں موجود ہو اور اس کا کسی غیر سے تعلق نہ ہو اور وہ اپنے مال میں اپنے اختیار کے مطابق خرچ کر سکے **یعنی اس مال پر ملک ثابت ہو جائے جس کو ملک تام اور استقرار ملک بھی کہتے ہیں** یا یہ ملک ناقص کی پہلی مثال ہے: **مکاتب پر جو دین کتابت** ہوتا ہے اس میں آقا پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ اس میں ملک تام نہیں ہے۔ وہ مقررہ رقم جسکی ادائیگی پر مکاتب آزاد ہو جاتا ہے دین کتابت کہلاتی ہے **اس پر** یعنی دین کتابت پر **میاں کی ملک ثابت نہیں جب تک کہ اس کی ہمدست نہ ہو کیونکہ دین کتابت خود مکاتب کے ذمہ پر لازم نہیں اگر وہ نہ ادا کرے اور غلام ہی بنا رہے تو اس پر حرنہ ہوگا اسی لئے اس کا حوالہ اور ضمانت درست نہیں** یعنی مکاتب اگر دین کتابت ادا نہ کر پائے تو اس ادا نہ کر پانے کی وجہ سے اس پر کوئی ہرجانہ نہ ہوگا برخلاف اس مال کے کہ جس میں خسارے پر ہرجانہ آتا ہے **ایسا ہی مضارب** مضاربت دو فریقوں کے درمیان ایسے معاہدے کو کہتے ہیں جس میں ایک فریق اپنے مال پر تصرف، تجارت کرنے کی اجازت دوسرے فریق کو اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ دونوں منافع میں شریک ہوں گے۔ کام کرنے والے تاجر کو مضارب کہتے ہیں اس کے حصے یعنی منافع میں **تقسیم سے پہلے زکاۃ لازم نہیں اسی سبب سے کہ وہ پوری ملک نہیں** راس المال کا مالک صاحبِ مال ہے یہاں نفع راس المال کا تابع ہے لہٰذا صاحبِ مال راس المال اور نفع میں اپنے حصے کا مالک ہوا اور اس پر ان دونوں کی زکات لازم ہے جبکہ مضارب تبعاً اپنے حصے کا مالک نہیں بنتا ہے لہٰذا جب مال تقسیم ہو جائے گا تب رب المال زکات ادا کرے گا اور مضارب پر اس کے حصے میں سال کی ابتداء ہوگی۔ مثلاً عمرو نے زید کیساتھ عقد مضاربت کی اور زید کو اس شرط پر دس لاکھ روپئے دئے کہ زید اس سے تجارت کرے گا اور ان دونوں میں نفع آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔ ایک سال بعد نفع ہوا اور مال بیس لاکھ ہو گیا۔ عمرو پر اصلِ مال یعنی دس

لاکھ اور اس کے حصے کے منافع پانچ لاکھ کی زکاۃ لازم ہو گی۔ زید کو تقسیم کے بعد جو پانچ لاکھ روپئے ملیں گے اس میں سال شروع ہو گا اور ایک سال بعد اس میں زکاۃ واجب ہو گی۔ عمرو پر زید کے حصے کی زکات لازم نہیں ہو گی کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے اور کسی پر دوسرے کی زکات لازم نہیں ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایک سال کی تجارت کے بعد منافع حاصل بھی نہ ہو اور اصلِ مال میں ہی کمی آجائے تو مضارب کے پاس کچھ نہ رہے گا۔ **کیونکہ فائدہ اصل مال کی نگہداشت ہے اگر فائدے کی مقدار اصل مال میں نقصان آجائے تو اس کے پاس کچھ نہ رہے گا۔ اگر چرنے والے انعام کا فائدہ یا** اسی طرح دیگر املاک کا فائدہ کسی **معین شخص پر وقف** ہو مثلاً انعام سائمہ کا فائدہ زید کیلئے وقف ہو تو یہ **ملک تمام ہے اور اس کی زکاۃ لازم** ہے۔ البتہ ان املاک میں زکاۃ نہیں آئے گی جو غیر معین افراد جیسے مدرسہ، مسجد، مساکین کیلئے وقف ہوں کیونکہ اس میں کسی معین شخص کی ملک ثابت نہیں ہوتی ہے۔

مسئلہ (بچہ، مجنون اور جنین کے مال میں زکات)

اگر لڑکا یا دیوانہ ہو تو اس کے مال میں بھی زکاۃ واجب ہے۔ عقل اور بلوغ وجوب زکات کی شرط نہیں۔ رسول ارکم صل اللہ علیہ والہ وسلم نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کع جب یمن روانہ فرمایا تھا تو یوں فرمایا تھا: أَعْلِمْهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ ان کو یہ سکھاؤ کہ ان پر زکات لازم ہے کہ تم ان کے اغنیاء سے زکات لو اور ان کے فقراء میں بانٹ دو۔ لفظ اغنیاء میں بچے اور دیوانے شامل ہیں جیسا کہ فقراء میں بھی شامل ہیں۔ بچہ اور دیوانے کی طرف سے ان کا ولی زکاۃ ان کے مال میں سے ادا کرے گا اور ولی کی ہی نیت زکاۃ کی ادائیگی کیلئے کافی ہو گی **جنین کے کسی جو مال وراثت وصیت میں اٹھا رکھے ہو اس میں زکاۃ نہیں۔ کیونکہ جب تک وہ حمل ہے اس مال کا ملک نہیں ہو سکتا۔ جب زندہ پیدا ہو تو اس وقت سے اس کی ملک میں محسوب ہو گا۔** لیکن ایک جہت سے جنین کی ملک کا بھی

اعتبار ہوتا ہے کہ جنین باقی ورثاء کی وراثت کو روکتا ہے لہٰذا **ابن حمدان نے کہا اس پر بھی زکاۃ لازم ہے۔** نجم الدین احمد بن حمدان (متوفی 695ھ) ایک حنبلی فقیہ اور قاہرہ کے نائب قاضی تھے۔

زکاۃ کا نصاب

جس مقدار میں زکاۃ دینا لازم ہوتا ہے اس کو نصاب کہتے ہیں یعنی جب مال ایک مقررہ مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے گا تو اسمیں زکات واجب ہوگی۔ معلوم ہوا کہ نصاب شریعت کی طرف سے مالداری کی مقررہ حد ہے۔ عموما اس حد کو پہنچنے پر مال سال کے آخر تک باقی رہتا ہے **پانچوں قسم کے مال میں ہر اک کا مقدار مقرر ہے جو بیان ہوگا مگر دفینے میں نصاب شرط نہیں جو کچھ نکلے اس میں سے پانچواں حصہ دینا لازم ہے۔ نقدین کے سوا دوسری چیزوں میں اگر نصاب سے ذرا سا بھی کم ہو تو زکاۃ لازم نہیں۔ نقدین میں رتی دو رتی کم ہو تو مضائقہ نہیں** کیونکہ یہ ضبط سے خارج ہے۔ **ایسا ہی اگر سال پورا ہونے میں پہر دو پہر کم ہو تو پروا نہیں۔**

مسئلہ (قرضدار کے مال میں زکات)

جس پر قرض ہو اس قدر کہ نصاب کو کم کردے اس پر زکاۃ نہیں یعنی صرف قرضدار ہونا مانع وجوب زکات نہیں ہے بلکہ جس پر قرض ہو وہ قرض کے بقدر مال کو نصاب سے نکال دے۔ اگر بقیہ مال نصاب سے کم ہو جائے تو زکات لازم نہیں ہوگی چاہے قرض اتنا ہو کہ قرض کا مال خرچ کرنے پر وہ کنگال ہو جائے یا قرض اتنا ہو کہ صرف نصاب کو کم کردے اور اس کے پاس نصاب کے علاوہ کوئی اور مال بھی نہ ہو جس سے زکات کی ادائیگی ہو سکے یا اسکے پاس کوئی مال ہو جس سے قرض کی ادائیگی تو ممکن ہو مگر وہ مال اس کی ضروریات میں سے ہو جیسے رہائش کا گھر، علم کی کتابیں، پہننے کے کپڑے، خادم

وغیرہ ان تمام صورتوں میں قرض جب نصاب کی مقدار کو کم کردے گا تو زکات لازم نہیں ہو گی **اگر چہ وہ قرض ہم جنس مال نہ ہو** یعنی قرض نہ صرف ہم جنس مال میں مانع زکات ہے بلکہ دیگر اجناسِ مال میں بھی مانع زکات ہے جب کہ قرض اتنا زیادہ ہو کہ ہم جنس مال اس سے مستغرق ہونے کے بعد دیگر اجناس مال بھی مستغرق ہو جائیں یا نصاب سے کم ہو جائیں۔لیکن جب قرض اتنا ہو کہ صرف ہم جنس مال اس سے مستغرق ہو یا صرف نصاب سے کم ہو تو دیگر اجناس کی زکات ادا کرنا لازم ہو گا جبکہ ان کا نصاب پورا ہو **مثلاً اس کے پاس بکریاں نصاب ہوں اور روپۓ اس پر قرض یا بالعکس** بکریاں اور روپۓ الگ الگ اجناس ہیں۔جس پر روپۓ قرض ہوں تو اس کو چاہئے کہ پہلے دیکھے کہ کیا روپیوں کا قرض نصاب سے نکالنے سے نقدین کا نصاب کم یا مستغرق ہوتا ہے۔اگر ایسا ہو تو اس پر نقدین کی زکات لازم نہیں ہو گی۔پھر نقدین کو مستغرق کرنے کے بعد بھی کچھ قرض بچ جائے اور بکریوں کے نصاب کو بھی مستغرق کردے تو بکریوں کی زکات بھی لازم نہیں ہو گی۔**اس مثال سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اموال باطنی جیسا کہ نقدین اور قیمت مال تجارت اور اموال ظاہری جیسا مویشی اور زراعت دونوں کا یہاں ایک ہی حکم ہے دین کی مقدار مال سے طرح کرنے کے بعد جس قدر نصاب باقی رہے اس کی زکاۃ دے اور جو دین زیادہ یا برابر ہو یا مال سے نصاب کو کم کردے تو کچھ نہیں۔** قرض کی حاجت قرض خواہ پر فقیر کی حاجت کیطرح یا اس سے شدید ہوتی ہے لہٰذا دوسروں کی حاجت کی خاطر قرض خواہ کی حاجت کو معطل کرنا قرین حکمت نہیں ہے۔اسلئے قرضدار کو یہ چاہئے کہ قرضدار کی حاجت کو فقراء و مساکین کی حاجت پر مقدم رکھے۔

مسئلہ (اللہ کا قرض مانع وجوبِ زکات) جس طرح بندے کا دین مانع وجوب ہے اس طرح خداوند عالم کا دین بھی حدیث شریف میں ہے: دین اللہ احق ان یقضی یعنی اللہ کا قرض اس کا زیادہ مستحق ہیکہ وہ ادا کیا جائے **جیسا زکاۃ**

اور کفارہ اور نذر اور حج اور اس کے مانند کیونکہ اس کو بھی ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کسی شخص کے ذمہ پر زکاۃ باقی ہو تو اس کو مال میں سے طرح کرے پھر اگر نصاب باقی رہے تو اس کی زکات دے ایسا ہی کفارہ اور اس کے سوا۔

اتمام حول (مال پر ایک سال گزرنا)

مال پر پورا برس گزرنا شرط ہے اس کا مطلب یہ ہیکہ مالک کے پاس مال پورا ایک قمری سال موجود رہے۔ جب کوئی شخص نصاب کے برابر مال کا مالک ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ وقت اور قمری تاریخ لکھ لے۔ جب اس مال پر ایک سال گزر جائے گا تب اس پر زکات واجب ہو گی۔ عوام میں یہ بات غلط مشہور ہو گئی ہیکہ زکات ماہِ رمضان میں ہی ادا کی جاتی ہے ۔زکات کی ادائیگی نصاب کے برابر مال پر ایک سال گزرنے پر منحصر ہے اگر ایک سال ماہِ رمضان میں مکمل ہو تو زکات ماہِ رمضان میں ادا کی جائے اور اگر دیگر کسی ماہ میں سال مکمل ہو تو اس ماہ میں ادا کی جائے۔ یہ یعنی مال پر سال گزرنے کے بعد زکات واجب ہونا زکاۃ دینے والے کیلئے آسانی کی خاطر ہے تا کہ اس مدت میں اپنے مال کو بڑھائے اس میں محتاجوں کو پہنچائے۔ زکات ان اموال میں واجب ہوتی ہے جن میں بڑھوتری کی صلاحیت ہوتی ہے مثلاً سائمہ جانوروں میں نسل میں اضافہ کی وجہ سے، تجارت کے سامان میں تجارت کی وجہ سے وغیرہ۔ مگر بڑھوری کا اعتبار کسی ضابطہ کے تحت نہیں ہے بلکہ اسمیں ایک سال گزرنے کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اگر کسی کے پاس مالِ نصاب ہو اور سال کے درمیان میں اسی مال کی جنس یا دوسری جنس کا مال حاصل ہو تو اس کی تین صورتیں ممکن ہیں: پہلی یہ ہیکہ مال میں زیادتی پہلے مال ہی کی بڑھوتری ہو۔ اس کو حضرت مصنف نے اگلے مسئلہ میں تفصیلی طور پر بیان کیا ہے۔ دوسری یہ کہ حاصل ہونے والا مال اور پہلے مال کے اجناس الگ الگ ہوں۔ مثلاً اسکے پاس نصاب کے بقدر سونا تھا مگر درمیان سال نصاب کے بقدر سائمہ

اونٹ حاصل ہوئے۔ اس صورت میں ہر مال کا الگ سال ہو گا۔ تیسری صورت یہ ہیکہ حاصل ہونے والا مال اسی جنس سے ہو مگر وہ ما قبل مال کی بڑھوتری نہ ہو۔ مثلاً کسی کے پاس دس تولے سونا تھا پھر سال کے درمیان میں دو تولے سونا حاصل ہوا۔ تو اب دو تولہ سونا کو ما قبل سونے کے ساتھ ملا کر ایک نصاب شمار کیا جائے گا لیکن ان میں سے ہر ایک کا سال اس کے حاصل ہونے والی تاریخ کے لحاظ سے ہو گا۔ **اور زمین کی پیداوار یعنی حبوب و ثمار میں سال گزرنا شرط نہیں اسی طرح معدن اور دفینے اور شہد میں** کیونکہ یہ اشیاء خود بڑھوتری ہیں لہذا ان میں سال تک بڑھوتری کیلئے انتظار کرنا ضروری نہیں ہے ان کی مقدار نصاب کے برابر ہوتے ہی زکات لازم ہے۔ **اگر وراثت یا ہبہ یا ان دونوں کے سوا کسی اور جہت سے مال ہاتھ آیا تو اس کی ملک میں آنے کے بعد سے سال کی ابتدا ہو گی۔ مورث اور دہبہ کا سال منقطع ہو گیا تو اس کو ملا کر شمار کرنا لازم نہیں** یعنی وارث اپنے مورث کے سال پر بناء نہیں کرے گا اسی طرح جہاں جہاں ملکِ جدید آئے گی وہاں وہاں نئ ملکیت کے بعد سال کی ابتداء ہو گی۔

مسئلہ (اثناء سال میں مال میں زیادتی پہلے مال ہی کی بڑھوتری کے طور پر ہونا)

یعنی نصاب کے مال میں اسی مال کے ہم جنس مال کی زیادتی سال کے درمیان ہونا جو اسی مال کی بڑھوتری کے سبب ہو تو اس زیادتی پر برس گزرنا شرط نہیں ہے مثلاً: **جانوروں کے جو بچے پیدا ہوں اور تجارت میں جو فائدہ حاصل ہو اس پر برس گزرنا شرط نہیں۔ اگرچہ اصل پر برس گزر گیا ہو اور وہ نصاب ہو تو ان کو بھی اصل کے ساتھ ملا کر شمار کریں مثلاً چالیس بکریاں ہوں اور ان کو سال کے درمیان بچے ہوئے وسب ملکر ایک سو ایک ہو گئے تو دو بکریاں دینا لازم ہوا اگرچہ یہاں بچوں پر پورا سال نہیں گزرا لیکن اصل کے تابع ہیں۔ ایسا ہی جس کے پپاس بیس مثقال سونا ہو اور اس نے تجارت شروع کی اور سال کے اندر اور بیس مثقال فائدہ حاصل ہوا تو اصل کا**

برس پوراہو جائے تو ایک مثقال دینالازم ہے اور جو اصل نصاب نہ ہو تو ان کو ملائے جب دونوں ملکر نصاب ہو جائیں تو اس وقت سے سال کی ابتداء سمجھے مثلاً پینتیس بکریوں کا مالک ہو پھر ان کو ایک کے بعد ایک کئی بچے ہوں تو جس وقت چالیس پورے ہو جائیں اس دن سے آغاز سال ہے۔ ایسا ہی جو اٹھارہ مثقال سونا رکھتا ہو اور اس سے تجارت شروع کی پھر آہستہ آہستہ اور چند مثقال فائدہ ہوا تو جس دن بیس مثقال پورے ہو جائیں تو اس وقت سے برس شروع ہوئے۔ نصاب کے بقدر مال کا پورے سال یعنی ابتداء تا انتہاء موجود ہونا زکات کے واجب ہونے کیلئے شرط ہے۔ اگر ابتداء سال میں نصاب موجود ہو اور درمیان میں کم ہو جائے تو سال منقطع ہو جائے گا مثلاً: اگر چالیس بکریوں میں سے ایک بکری مر جاوے پھر کوئی ان میں سے ایک بچہ جنے تو سال منقطع ہو گیا کیونکہ وہ انچالیس رہ گئے تھے پھر جو بچہ پیدا ہوا اس سے چالیس پورے ہوئے تو اب سال کی ابتداء اس وقت سے ہو گی اگر پہلے جنے اور پھر مر جاوے تو وہی ابتداء معتبر تھی کیونکہ درمیان میں نصاب کم نہیں ہوا۔ اس مسئلہ کا اصل یہ ہے کہ درمیان سال نصاب کم ہو جائے اور پھر سال پورا ہونے سے پہلے کامل تو اس پر زکاۃ نہیں اگرچہ تھوڑی دیر سے کم رہے گو کسی قدر کمی ہو۔

مسئلہ (اثناء سال میں مالِ زکات کو تمیز جنس سے بدل لینا)

اگر مال زکاۃ یعنی ایسا مال جو بقدر نصاب تھا اور اس پر سال کی ابتداء ہو چکی تھی کو اس کی تمیز جنس یعنی دوسری جنس کے عوض بدل لے مثلاً سونے کے بدلے جانور خرید لے یا بیچ دے اگرچہ یہ بیچنا خیار شرط کیساتھ ہو یا چالیس بکریوں کے بدلے تیس گائے خرید لے تو سال منقطع ہو گیا جیسا کہ ابھی بتلایا گیا نصاب کا پورا سال موجود رہنا شرط ہے جو یہاں نہیں

پائی گئی۔اسی طرح ہر وہ چیز جو اس کی ملک سے قبل اتمام حول نکل جائے اقالہ کے ذریعہ یا فسخ یا خیار عیب یا واہب کا ہبہ میں رجوع کرنے سے تو اسمیں زکات واجب نہیں ہو گی سوائے نقدین کے یعنی چاندی کو سونے سے بدل لے یا بالعکس تو وہی سال باقی ہے کیونکہ چاندی اور سونا گو ایک ہی جنس ہے نیز سونا، چاندی کو تکمیل نصاب کیلئے ایک دوسرے سے ملالیا بھی جاتا ہے اور ایک کی زکات میں دوسری شئے دی جاسکتی ہے تو یہ بھی دونوں کے ایک ہی جنس ہونے کی دلیل ہے ۔ایساہی اگر کوئی سامان تجارت نقد کے عوض خرید کیا یا بیچا تو یہ سال کا انقطاع نہیں ہو گا کیونکہ سامان تجارت کی قیمت نقدین سے ٹھہرا کر زکاۃ دیتے ہیں تو قیمت اور نقد ایک ہی چیز ہے۔اگر یہ حیلہ زکاۃ سے بھاگنے کیلئے ہو تو مفید نہیں یعنی نصاب کو کم کرنے کی خاطر ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لینا تاکہ زکات واجب نہ ہو تو ایسا کرنے سے زکات ساقط نہیں ہو گی کیونکہ زکاۃ حق فقراء ہے۔اس نے چاہا کہ حق غیر ساقط ہو جائے تو وہ کہاں ساقط ہوتا ہے اگر اسطرح زکات کم کرنے والا شخص یہ کہے کہ اس نے زکات سے بچنے ایسا کیا اور کوئی قرینہ اس کے قول کو جھوٹ ثابت کرے تو اس کا قول رد کیا جائے گا۔اگر کوئی قرینہ ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا جسطرح مرض الموت میں طلاق دینے سے عورت ترکہ سے محروم نہیں ہوتی قرینہ یہ بتلارہا ہے کہ شوہر نے بیوی کو محروم وراثت کرنا چاہا اس لئے مرض الموت میں طلاق دیا اگر اس کا ارادہ رشتۂ ازدواج ختم کرنا ہوتا تو وہ مرض الموت تک انتظار نہ کرتا ۔اگر اس مال کو اس جنس کے عوض بدل لے تو وہی اول سال سے شمار ہے اسی جنس سے مال بدل لینے سے سال منقطع نہیں ہو گا(وان بدل نصابا بجنسہ لم ینقطع الحول: الکافی) کیونکہ جنس مال اس کے پاس سال بھر رہا۔یعنی مال بدل لینے کے بعد سال مطلقا منقطع نہیں ہو گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ مال بدل لینے کے بعد مال زیادہ ہوا ہے یا کم ہوا ہے۔اب رہا یہ سوال کہ زکات پہلے والے مال کی دی جائے یا بعد والے کی تو یہ دیکھا جائے گا کہ مال بدل لینے کے بعد بڑھا ہے یا کم ہوا ہے

اور جو زائد ہو وہ اپنے اصل تابع مثلاً سو بکریاں دے کر دو سو لیں تو جب اس سو بکریوں کا سال تمام ہو تو دو بکریاں زکاۃ میں دینالازم ہے اگرچہ دوسرے کا سال پورا نہ ہو کیونکہ یہ سو اول سو کا تابع ہے اگر مال کم ہوا ہے تو جس قدر مال سال بھر موجود رہا صرف اس کی زکات دیناہو گا جو حصہ منقطع ہوا اس کا سال منقطع ہو گیا اگر دو سو بکریاں دے کر سو لیں تو اول سال پورا ہونے کے بعد ایک بکری دے دوسرے سو کا سال منقطع ہو گیا اور جو چالیس بکریاں دے کر بیس لیں تو نصاب ہی نہ رہا اور سال ناتمام فقہاء نے ہم جنس اشیاء کے تبادلہ میں بکریوں کی مثال دی اور سونا چاندی کے تبادلے کی مثال نہیں دی اسلئے کہ موزونات، مکیلات میں ہم جنس اشیاء کے تبادلہ میں زیادتی ربا ہوتی ہے۔

مسئلہ (قرض خواہ پر مالِ قرض کی زکات)

یہ مسئلہ ملکیت سے متعلق ہے اتمام حول سے متعلق نہیں ہے جس کا کوئی دین یا حق کسی پر نکلتا ہو اور جس کی ادائیگی ممکن ہو تو اس کے ہمدست ہونے کے بعد گزشتہ ایام کی زکاۃ دینالازم ہے اسلئے کہ قرض کا مال حقیقت میں قرض خواہ کی ملکیت ہوتا ہے لیکن جب وہ قرضدار کے پاس ہوتا ہے تب وہ مالک کے قبضہ میں نہیں ہوتا ہے اسلئے جب اس پر قبضہ حاصل ہو تب اس کی زکات ادا کرنالازم ہو گا۔وہ قرض جس کی ادائیگی ممکن نہ ہو کہ قرضدار غربت کی وجہ سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو یا قرض لینے کا انکار کر دے یا وہ قرض کی ادائیگی کیلئے کئی بار مدت طلب کرے مگر ادا نہ کرے تو اس قرض میں زکات کے واجب ہونے کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔پہلی: زکات واجب نہیں ہو گی، دوسری: اسمیں زکات اسی وقت واجب ہو گی جب قبضہ حاصل ہو۔المغنی اور الاقناع میں دوسری روایت کو اختیار کیا گیا ہے اسلئے حضرت مصنف نے قرض کی ان دو اقسام کا الگ ذکر نہیں کیا کہ یہ دونوں کا حکم ایک ہے۔دین مہر ہو یا ثمن مبلغ یہ کتابت کی

غلطی ہے صحیح عبارت "ثمن مبیع" ہے یا قرض ایسا ہی جو شئے مغصوب ہو یا مسروق یا گم شدہ پھر ہاتھ آجائے اگر نصاب ہو تو اس کی زکات دینا لازم ہو گا۔ مہر تو ذمہ پر قرض کی طرح ہوتا ہے اسی طرح مبیع کا ثمن بھی ہے۔ مغصوب شئے بھی قرض کی طرح ہے کیونکہ اس میں ابراء (یعنی حق معاف کرنا) اور حوالہ (یعنی حق یا ذمہ کو ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا) کے ذریعہ تصرف جائز ہوتا ہے۔ اور اگر وہ نصاب نہ ہو مگر اس کے پاس جو مال موجود ہے انہیں ملانے سے نصاب ہو جاتا ہے تو جس وقت سے نصاب پورا ہو جائے وہی ابتدائے سال ہے۔

مسئلہ (زکات واجب ہونے کے بعد ادائیگی ممکن نہ ہونا یا مال کا تلف ہو جانا)

زکاۃ واجب ہونے کیلئے یہ شرط نہیں کہ ان کا ادا کرنا ممکن ہو یعنی زکات کسی کے ذمہ واجب ہو مگر وہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو زکات ساقط نہیں ہو گی مثلاً قرض، گمشدہ چیز، مغصوب چیز میں زکات واجب ہوتی ہے لیکن ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح نصاب شہر سے دور ہو تو زکات واجب ہو جائے گی جبکہ سال پورا ہو جائے لیکن مالک کے پاس فی الحال یہ قدرت نہیں ہیکہ وہ زکات ادا بھی کرے لہٰذا نصاب کی تکمیل اور سال کا پورا ہونا زکات کے وجوب کیلئے شرائط ہیں اور امکانِ ادائیگی شرط نہیں ہے جیسا کہ دیگر ائمہ کے ہاں ہے جس طرح اور عبادتیں۔ دیکھو حائض اور بیمار پر روزہ واجب ہو جاتا ہے اور نماز بے ہوش اور سوئے ہوئے پر اگرچہ ادا کرنا ممکن نہیں ہے اسی طرح زکاۃ بھی اس مال میں جو غائب ہو یا دوسرے کے ذمہ قرض ہو مگر ادا کرنا اس وقت لازم ہو گا جب مال ہمدست ہو جائے اور یہ بھی زکات کے وجوب کیلئے شرط نہیں ہے کہ بعد واجب ہونے کے مال باقی رہے اگر بعد وجوب کے مال تلف ہو جائے تو زکاۃ ساقط نہ ہو گی خواہ اس کا قصور ہو یا نہ ہو کیونکہ زکات غیر کا حق ہے جس کو ادا کرنا اس کے ذمہ تھا مال اس کے قبضہ میں ہلاک ہوا تو اب اسی کو ہرجانہ دینا ہو گا جیسا کہ عاریۃً لی ہوئی چیز ہلاک ہونے پر ہرجانہ آتا ہے یا جس طرح

آدمی کا قرض تلف ہونے سے ساقط نہیں ہوتا۔ یا یہاں "یا" کہہ کر ایک صورتِ استثناء بیان کی ہے کہ کھیت یا پھل کاٹنے اور تورنے سے پہلے کسی آفت سے تلف ہو جائے تو اس کی زکاۃ ساقط ہے کیونکہ کاٹنے اور توڑنے سے پہلے زکات واجب نہیں ہوتی ہے جیسا کہ کتاب کے اگلے حصہ میں بیان ہو گا۔

مسئلہ (وجوب زکاۃ کے بعد قبلِ ادائیگی صاحبِ نصاب کا انتقال ہو جانا)

اگر کسی پر زکات واجب ہونے کے بعد قبلِ ادائیگی اس کا انتقال ہو جائے تو زکات اس پر اس کی موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہو گی بلکہ جس طرح آدمی کا دین میت کے ترکہ سے لیا جاتا ہے ایسا ہی زکاۃ جس کے ذمہ پر ہو اس کے ترکہ سے لینا لازم ہے۔ وارث میت کے مال سے زکات نکالے کیونکہ وہ مورث کا قائم مقام ہے اگر وارث صغیر ہو تو اسکا ولی نکالے کیونکہ یہ خدا کا دین ہے جس کے ذمہ خدا کا دین بھی ہو اور بندے کا بھی جو گواہوں سے ثابت ہو اور مال میں دونوں کی ادائی نہ ہو سکے تو بندے کا دین مقدم ہے اور جو گواہوں سے ثبوت نہ ہو تو ہر اک دین اس کے حصے کے مقدار ترکے سے تقسیم کیا جائے اگرچہ میت نے زکات ادا کرنے کی وصیت نہ کی ہو۔

زکات انعام کا بیان

اونٹ اور گائے اور بکری ان تینوں کو انعام کہتے ہیں۔ ان کو بہیمۃ الانعام بھی کہتے ہیں۔ ان کو بہیمہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ یہ کلام نہیں کرتے ہیں۔ نعم اونٹ کیلیئے استعمال ہوتا ہے لیکن جب انعام کہا جاتا ہے تو اسمیں اونٹ، گائے اور بکری داخل ہوتے ہیں۔ اونٹ **خبتی** ہوں یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ بختی یا بخاتی ہے یہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو عربی نہ ہو اور جس کے دو کوہان ہوں **یا اعرابی** یہ بھی تحریری غلطی ہے صحیح لفظ عرابی ہے یہ عربی اونٹ کو کہتے ہیں **اور گائے اہل ہو یا وحشی بھینس کا بھی اس میں شمار ہے اور بکری بھی اہلی ہو یا وحشی بھیڑ یا ہو دنبہ، ہرن بھی بکری میں محسوب** ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کا ذکر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس خط کی اقتداء میں لکھا جاتا ہے جو آپ نے حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔

شرائط (وجوبِ زکات انعام)

اس کے لئے دو شرطیں درکار ہیں یعنی ان دو شرطوں کی تکمیل ہو تو زکات واجب ہو گی **ایک یہ کہ** ان جانوروں کو ان کی **نسل** بڑھانے **اور** ان سے **دودھ** حاصل کرنے **اور موٹے ہونے کے لئے رکھتا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ سال میں اکثر ایام مباح گھانس اور پتے چرتے ہوں** اس طرح کے جانور کو سائمہ کہتے ہیں **اگر ان جانوروں** کو نسل، دودھ، موٹے ہونے کیلیئے نہیں رکھا بلکہ **ان کو سواری یا بار برداری کے لئے رکھا ہو** اگرچہ یہ جانور مباح گھاس پر چرتے ہوں **تو زکاۃ نہیں** کیونکہ مذکورہ دو شرائط وجوب میں سے ایک شرطِ وجوب یہاں نہیں پائی گئی۔ **خواہ اپنی سواری یا کرایہ سے دینے کو** اگر کام لینے کی نیت ہو تو اس کی نیت اس وقت **تک موثر نہ ہو گی جب تک** اس جانور سے کام نہ لیا جائے

اور جو جانور سال میں چھ مہینے یا کم چرتے رہتے ہوں یا چارہ خرید کے ان کو کھلاتا ہو یا مباح یا حرام چارہ جمع کر کے ان کے سامنے اس جانور کا مالک ڈالتا ہو یا اس کو غصب کرنے والا ڈالتا ہو تو ایسے جانوروں میں زکات واجب نہیں ہو گی کیونکہ ایسے جانوروں کو معلوفہ کہا جاتا ہے اور سائمہ نہیں کہا جاتا ہے اور زکات سائمہ پر ہی فرض ہوتی ہے۔ اعتبار سال کے اکثر حصے کا ہو گا کہ اکثر حصے میں وہ معلوفہ رہے یا سائمہ کیونکہ سائمہ جانور بھی بارش، شدید سردی، برف باری، خوف وغیرہ کی وجہ سے کچھ دنوں کیلیئے معلوفہ ہو جاتے ہیں ان جانوروں میں ہر ایک کا نصاب خاص ہے۔ یعنی اونٹ کا الگ نصاب ہے گائے کا الگ نصاب ہے اور بکری کا الگ نصاب ہے۔

نصاب شتر (اونٹ کا نصاب)

اونٹ سے شروعات اسلیئے کی گئی کہ شارع علیہ السلام نے بھی زکات انعام میں اسی سے ابتداء کی کہ اس کی اہمیت زیادہ ہے اور اسکی جسامت بڑی ہے اور قیمت زیادہ ہوتی ہے اور یہ عربوں کے اکثر اموال ہوتے تھے اقل نصاب اونٹ کا پانچ ہیں جس کے پاس چار اونٹ ہوں تو ان میں زکات نہیں ہو گی۔ عدد جس کے پاس پانچ اونٹ ہوں تو اُس کے سال گزرنے پر ایک بکری زکاۃ دینا واجب ہے بکری ایک سال یا اس سے زیادہ عمر کی ہو اور بھیڑ چھ ماہ یا اس سے زیادہ عمر کا ہو اور ان کا جنس مونث ہو مذکر دینے سے زکات ادا نہ ہو گی جیسا کہ الاقناع میں ہے: ولا یجزئ الذکر۔ پھر جب اونٹ دس ہوں تو دو بکریاں اور پندرہ میں تین اور بیس میں چار بطور زکات ادا کرنا لازم ہو گا۔ جب پچیس اونٹ ہو جائیں تو ان کی زکاۃ میں اونٹ ہی دینا چاہیئے پچیس میں پانچ بکریاں دینے کی روایت بھی ہے لیکن ابن منذر نے کہا کہ وہ درست نہیں ہے جس قدر زیادہ ہوں اس حساب سے پچیس میں ایک نبت محاص یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح اصطلاح بنت مخاض ہے مخاض حامل کو کہتے ہیں عادۃ جب یہ اونٹنی ایک سال کی ہو جائے گی تو اسکی ماں حاملہ ہو جاتی ہے

تیس میں ایک بنت مخاض اور ایک بکری، پینتیس میں ایک بنت مخاض اور دو بکریاں **اور چھتیس** سے انتالیس **میں ایک نبت لبون** بنت لبون اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دو سال کی عمر پوری کرکے تیسرے میں داخل ہوئی ہو **اور چالیس میں ایک** حقہ حقہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی عمر تین سال سے زیادہ ہو اس کی وجہ تسمیہ یہ ہیکہ جب وہ تین سال کی عمر پوری کرتی ہے تو اب وہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ اس پر سواری کی جائے **اور اکسٹھ میں ایک خدعہ پھر چھتر میں دونبت لبون اور اکانوے** سے ایک سو بیس **میں دو حصے** یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ "حقے" ہے **یہ اتفاقی مسئلہ ہے پھر ایک سو اکتیس میں تین نبت لبون پھر ہر چالیس میں ایک نبت لبون** یہ کتابت کی غلطی ہے ایک سو اکیس میں تین بنت لبون کی زکات ہوتی ہے **اور ہر پچاس میں ایک ایک حقہ تو اس حساب سے ایک سو تیس میں دونبت لبون اور ایک حقہ دینا ہو گا** ایک سو تیس میں چالیس دو بار اور پچاس ایک بار آئے گا اسطرح ہر چالیس کا ایک بنت لبوناور پچاس کا ایک حقہ ہو گا۔ ایک سو چالیس کے تین اجزاء ہوں گے اس طرح کہ اسمیں پچاس دو بار اور چالیس ایک بار آئے گا لہٰذا اسمیں دو حقے اور ایک بنت لبون ہو گا **اور ایک سو پچاس میں تین حقہ** ایک سو پچاس کے تین بار آئے گا اس طرح کہ ہر جزء پچاس کا ہو گا لہٰذا اس میں تین حقوں کی زکات ہو گی۔ **اور ایک سو ساٹ میں چار نبت لبوں** ایک سو ساٹھ میں چالیس چار بار آئے گا لہٰذا اسمیں چار بنت لبون ہوں گے **اور ایک سو ستر میں تین نبت لبوں اور ایک حقہ** ایک سو ستّر میں چالیس تین باراور ایک پچاس ہو گا لہٰذا اسمیں تین بنت لبون اور ایک حقہ ہو گا۔ **جب دو سو ہو جائیں تو چاہیۓ پانچ نبت لبون دیں یا چار حقے۔**

فائدہ **بنت مخاص وہ اونٹنی ہے جس کو ایک سال پورا ہو گیا ہو۔ ماخض حامل کو کہتے ہیں کیونکہ اس کی ماں اس وقت حاصل ہو جاتی ہے مگر اس کا حامل ہونا وجوب زکات کی شرط نہیں۔ فقط صفت بیان کرنا مقصود ہے۔ نبت لبون وہ اونٹنی ہے جس کی عمر پوری دو برس کی ہو کیونکہ ان کی ماں اکثر اس وقت میں بچہ جن کے دو والی رہتی**

ہے۔ حقہ وہ اونٹنی ہے جس کو تین برس پورے ہو گئے ہوں کیونکہ وہ اب نر سے جفت ہونے کی مستحق ہے اور خدعہ یعنی جذعہ وہ جس کی عمر پوری چار برس کی ہو کیونکہ وہ اس سن میں دانت توڑتی ہے۔ زکاۃ میں دینے کے لئے یہ سب سے اعلاسن ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

مسئلہ (نر یا مادہ سے زکاۃ کا ادا کرنا) :

اونٹوں کی زکاۃ میں اونٹوں میں مادہ ہی دینا لازم ہے۔ ایسا ہی گائے اور بکری میں یہاں لازم سے مراد یہ ہیکہ شریعت نے اصلا مادہ جانور زکات میں ادا کرنا واجب قرار دیا پھر چند مقامات پر نرمی کی اور نر بھی ادا کرنے کو جائز قرار دیا جیسا کہ حضرت مصنف فرمارہے ہیں مگر ایک سالہ گائے کے عوض ایک سالہ بیل بھی دینا درست ہے گائے کی زکات کا بیان آگے آرہاہے۔ اگر ایک سالہ اونٹنی نہ ہو تو اس کے بدلے میں دو سالہ یا تین سالہ یا چار سالہ اونٹ دینا جائز ہے یعنی مادہ جانور کی عدم موجودگی کو نر کی عمر میں زیادتی کر کے پورا کیا جائے۔ ایسا کرنا صرف اسی مقام پر جائز ہے اور اگر دو سالہ اونٹ بھی نہ ہو تو ایک سالہ اونٹنی خرید کر زکات میں دینا لازم ہو گا۔ اگر سب نر جانور ہوں کوئی اس میں مادہ نہ ہو تو زکاۃ میں بھی نر دینا جائز ہے۔ اونٹ ہو یا گائے یا بکری اسلئے کہ انسان کو وہ مال بطور زکات دینے کا مکلف نہیں بنایا گیا جو اس کے پاس موجود ہی نہ ہو۔ جب سارے جانور نر ہی موجود ہیں تو مادہ کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا خلاف مؤاسات ہو گا اور زکات تو مؤاسات یعنی غمخواری کا نام ہے۔ جس پر دو سالہ اونٹ دینا لازم ہو غالبا یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت یوں ہونی چاہئے: جس پر دو سالہ اونٹنی دینا لازم ہو اور وہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو ایک سالہ اونٹنی دے اور اس کے کمی کے عوض دو بکری یا بیس درہم اس کے ساتھ یا 3 سالہ اونٹنی دے اور زیادہ دو بکریاں بیس

در ہم **پھیر لے** یہاں پہلا قاعدہ یہ ہیکہ جس عمر کی اونٹنی زکات میں واجب ہوئی اس کی عدم موجودگی میں اس سے ایک سال کم عمر والی اونٹنی زکات میں ادا کی جائے اور عمر میں کمی کی تلافی دو بکریوں یا بیس درہم کی ادائیگی سے پوری کی جائے۔ اور اگر اس سے ایک سال کم عمر والی اونٹنی بھی موجود نہ ہو بلکہ دو سال کم عمر والی ہو مثلاً جذعہ واجب ہو اور جذعہ و حقہ دونوں موجود نہ ہوں تو بنت لبون ادا کی جائے اور دوگنی تلافی دی جائے۔ اگر بنت لبون بھی موجود نہ ہو تو بنت مخاض اور تین گنا تلافی دی جائے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہیکہ جس عمر کی اونٹنی کی ادائیگی واجب ہوئی اس کی عدم موجودگی میں اس سے ایک سال زیادہ عمر والی اونٹنی زکات میں ادا کی جائے اور وہی تلافی لی جائے تو کمی کی صورت دی جاتی ہے۔ **اگر ایک بکری کی کمی کو پورا کرنا اور زیادتی پھیر لینا اونٹوں کے سوا گائے بکری میں نہیں** کیونکہ نص صرف اونٹ میں وارد ہوا ہے لہذا اگر گائے اور بکری کے فریضہ کی عدم موجودگی میں اس سے کم عمر والے جانور کی ادائیگی کافی نہ ہوگی اسرا اگر اس سے زیادہ عمر والا جانور ادا کیا جائے تو یہ کافی ہوگا جس کی تفصیل حضرت مصنف نے آگے بیان فرمائے ہیں مگر تلافی لینے کا جواز نہیں ہوگا بلکہ اضافی عمر صدقۂ نافلہ ہوگا۔

نصاب گاو(گائے کا نصاب)

گائے کہہ کر گائے اور بیل دونوں مراد لیا ہے کیونکہ لفظ گائے یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے **اصل نصاب گائے کا تیس عدد ہیں** چاہے گائے پالتو ہو یا وحشی ہو **اس میں ایک تبیع یا تبیعہ** لازم ہے **اور چالیس میں ایک مسنہ** اسمیں دو سالہ بیل یعنی مسن جائز نہیں جیسا کہ حضرت مصنف نے آگے بیان فرمایا ہے **اور ساٹ میں دو تبیع۔ پھر ہر تیس میں ایک تبیع ور ہر چالیس میں ایک سنہ** یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ مسنہ ہے۔ **جس عدد میں چالیس یا تیس مکرر جمع ہوں تو اختیار ہے۔ مثلاً ایک سو بیس میں چار تیں اور تین چالیس جمع ہیں تو تیس کے حساب سے چار جمع دے یہ**

بھی کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت "چار تبیع دے" ہونی چاہئے یا چالیس کے لحاظ سے **تین مسطہ** یہ بھی کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ مسنہ ہے **تبیع ایک سالہ بیل ہے اور تبیعہ ایک سالہ گائے ہے** ان کو تبیع یا تبیعہ اسلئے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ماں کے پیچھے چلتے ہیں۔ **ایک سالہ گائے ہو یا بیل دونوں دینا جائز ہے** یعنی گائے کی زکات میں ایک سالہ مذکر اور مؤنث دونوں جائز ہیں۔ نیز ایک سالہ بیل کے عوض دو سالہ بیل کی ادائیگی بھی جائز ہے اگرچہ ایک سالہ بیل موجود ہو کیونکہ ایک سالہ بیل سے زیادہ فائدہ مند دو سالہ بیل ہے۔ **دو سالہ بیل جائز نہیں** یعنی چالیس میں صرف دو سالہ گائے جائز ہے اور دو سالہ بیل جائز نہیں ہے **اور دو سالہ گائے کے عوض دو بیل ایک سالہ بھی دینا جائز ہے** یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت یوں ہونی چاہئے: دو بیل ایک سالہ بھی دینا جائز نہیں ہے کیونکہ احادیث اور کتب فقہ میں اسی طرح وارد ہے یہاں قاعدہ یہ ہیکہ زکات میں صرف مؤنث جانور لئے جائیں بجز تبیع بقر کے یا بجز اس صورت کے کہ جس میں نصاب کے تمام جانور مذکر ہوں۔

نصاب گوسفند (بکری کا نصاب)

یہاں بھی بکرا، بکری، مینڈھا، مینڈھی سب مراد ہیں **اقل نصاب بکریوں کی چالیس عدد ہے** چالیس سے کم ہو وے و زکات نہیں ہوگی۔ **اس میں** یعنی چالیس میں **ایک بکری ایک سالہ** دینا لازم ہے۔ **یا بھیڑ چھ مہینے کی** یہ دونوں زکات میں ایسے ہی مساوی ہیں جیسا کہ یہ دونوں اضحیہ میں مساوی ہیں۔ چالیس سے ایک سو بیس تک ایک سالہ بکری ہے یا چھ ماہ کی بھیڑ ہے **اور ایک سو اکیس سے دو سو میں دو بکریاں اور دو سو ایک سے تین سو میں تین بکریاں۔ پھر یہاں سے** ہر سو کو ایک۔ ہر چار سو میں چار اور پانچ سو میں پانچ **اور علی ہذا القیاس جس قدر زیادہ ہو۔**

مسئلہ (زکات میں عیب دار جانور سے ادائی):

زکاۃ کے جانوروں میں بوڑھے اور عیب دار جو قربانی کے لائق نہ ہوں وہ جائز نہیں عیبدار جانوروں کا بیان اضحیہ میں تفصیلا آیاہے مگر اب ایسے ہی عیب دار ہوں تو مضایقہ نہیں یعنی نصاب کے سارے جانور ہی بوڑھے یا عیب دار ہوں تو انہی کو بطور زکات لیاجائے گا کیونکہ زکات مؤاسات ہے اور زکات ادا کرنے والے کو اس مال کی ادائیگی کا مکلف نہیں بنایاجاتاہے جو اس کے پاس موجود نہ ہو۔ حامل اور جو بچے کو پرورش کرتی ہو اور جو نر سے جفت ہو اور جو سب میں بہتر ہو اور جو میانہ سال ہو اس کو بھی متصدق نہ لے۔ اگر مالک کی رضامندی ہو تو مضائقہ نہیں چونکہ حاملہ سے ایک جانور کے پیدا ہونے کی امید ہوتی ہے اسی طرح بچہ کی پرورش کرنے والی اوراس کو دودھ پلانے والی سے فائدہ کی اور نر سے جفتی کرنے والی سے استقرار حمل کی امید ہوتی ہے اور سب سے بہتر جانور کو بیچنے میں زیادہ قیمت کے حصول کی امید ہوتی ہے لہذاان کو زکات میں لینے سے منع کیاگیا کہ اسمیں مالک کا حق وابستہ ہے لیکن جب مالک خود ہی ان کو زکات میں دینے پر راضی ہو تو پھر حق تلفی نہ ہوگی۔ اگر سب جانور بیمار ہوں یاسب چھوٹے ہوں تو بیمار یا چھوٹے ہی دے اسکی دلیل وہی ہے جو ابھی گزر گئی کہ زکات میں اس مال کی ادائیگی کامطالبہ نہیں ہوتاہے جو غیر موجود ہو مگر اونٹ اور گائے کی زکاۃ میں چھوٹا جانور نہ لے۔ بکری میں جائز ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے 25اونٹوں کی زکات اور 36اونٹوں کی زکات میں عمر کی زیادتی کرکے تفریق فرمائی ہے جبکہ بکریوں کی زکات میں ایسی تفریق نہیں فرمائی ہے۔ اگر چھوٹے اور بڑے ہو اور عیب دار اور بے عیب اور نر اور مادہ مل کر ہوں تو دونوں مال کی قیمت کے اندازے پر بڑے بے عیب مادہ تندرست لیناچاہئے مثلاً90 بے عیب جانوروں کی زکات کی قیمت بیس ہزارروپئے ہوتی ہے اور 90عیبدار جانورون کی زکات کی قیمت دس ہزارروپئے ہوتی ہے۔اگر 90 جانور ایسے ہوں جن میں 45 بے عیب اور 45

عیبدار ہوں تو ایسے مادہ بے عیب جانور نکالے جائیں گے جن کی قیمت پندرہ ہزار روپئے ہوتی ہے۔اور اگر 30 بے عیب اور60عیبدار ہوں تو ایسے مادہ بے عیب جانور نکالے جائیں گے جن کی قیمت13300 روپئے ہوتی ہے۔اگر60 بے عیب اور30عیبدار ہوں تو ایسے مادے بڑے بے عیب جانور نکالے جائیں گے جن کی قیمت16600 رووپئے ہوتی ہے۔۔اگر جانور دو قسم کے ہوں جیسا کہ بختی یہ وہ غیر عربی اونٹ ہے جس کو دو کوہان ہوتے ہیں۔یہاں عرابی کو کتابت کی غلطی کے تحت اعرابی لکھا گیا۔عراب عربی اونٹ کو کہتے ہیں اور اعرابی یا گائے اور بھینس یا بکری اور بھیڑ تو بطور سابق دونوں مال کی مقدار قیمت کے موافق ہی ان میں سے لے تو جائز ہے۔

مسئلہ خلطہ(شراکت)

خلطہ شرکت کو کہتے ہیں یعنی اپنے مویشیوں میں دوسرے کے مویشیوں کی شرکت ہونا۔اسکی وجہ سے مختلف افراد کے اموال ایک ہو جاتے ہیں اور اس کا اثر زکات کے وجوب اور سقوط پر ہوتا ہے۔ شرکت دو قسم کی ہوتی۔(۱) شرکت ملک اور(۲) شرکت اوصاف شرکت ملک یہ ہے کہ چالیس بکریاں مثلاً دو شخص ملکر خرید کئے ہوں یا ترکے میں ان کو ملے ہوں،اس کے سوا اور بھی طریق سے مثلاً:ہبہ،وصیت،جعالہ،صداق وغیرہ اس میں حصہ نہ کر لئے ہوں یعنی بظاہر وہ ایک ہی ریوڑ ہو اور اس کی تعیین نہ ہو کہ کونسا جانور کس کا ہے اور شرکت اوصاف یہ ہے کہ ہر کے جانور جدا جدا ہوں یعنی ان میں سے ہر ایک مالک کے جانوروں کے اوصاف جدا جدا ہوں جس کی وجہ سے وہ دوسرے کے جانوروں سے ممتاز ہوں مگر وہ جن چند امور میں شریک ہوں وہ اُمور یہ ہیں کہ ان کا مبیت اور مسرح اور محلب اور مرعی اور فحل ایک ہو اور سال بھر ایسا ہی رہیں۔

فائدہ

مبیت رات کو رہنے کی جگہ ہے اور محلب دودھ نچوڑنے کی اور مسرح وہ جگہ جہاں چراہ گاہ کو جانے کے لئے جانور جمع ہوتے ہیں اور مرعی چرنے کا وقت اور جگہ ہے اور فحل نر جانور کو کہتے ہیں یعنے ہر شخص کے جانوروں میں کوئی نر معین نہو کہ ان کے سوادوسرے سے جفت نہو اور شریک دو ہوں یازیادہ مگر یہ اشخاص اہل وجوب زکوٰۃ ہوں یعنے حر ہوں اور مسلمان ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہو کہ جس پر زکات واجب ہی نہیں ہوتی ہے مثلاً کافر، مکاتب، وہ جس پر اتنا قرض ہو کہ اسکے مال کو مستغرق کردے، اور جانور سب ملکر نصاب ہوں اگرچہ ہر ایک کا مال نصاب نہو مثلاً زید کے 20 بکریوں اور عمرو کے 20 بکریوں کا مبیت، مسرح، محلب، مرعی اور فحل ایک ہی ہے حالانکہ زید اور عمرو کی بکریاں اپنی دیگر صفات مثلاً رنگ وغیرہ کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں تو یہ مانا جائے گا کہ یہ ایک ہی نصاب ہے یعنی اب ان کے مویشیوں پر انفرادی طور پر حکم نہ لگے گا بلکہ زکات کے وجوب میں ان دونوں کا حکم ایک مال کا ہوگا کہ ان 40 بکریوں کا ایک نصاب ہے۔ دوسری صورت یہ کہ زید اور عمرو نے ایک ہی نسل، رنگ کی 40 بکریاں خریدیں پھر ان میں تفریق ایک سال تک نہ کی تو یہ مانا جائے گا کہ یہ ایک ہی نصاب ہے۔ اگر دو شریکوں میں سے ایک لائق زکوۃ نہو مثلاً شریکوں میں سے ایک مکاتب یا ذمی ہو تو ضبطی اور کچھ حاصل نہوا اس کے مال کو ملاکر نصاب پورا نہ کیا جائے گا بلکہ اس کو ایسے شریک کے مال سے ملاکر نصاب پورا کیا جائے گا جو اہل زکات ہو کیونکہ دوسرے کے مال سے اگر نصاب ہو تو یہی ہوگا اور جو سب مل کے بھی نصاب نہ ہو تو زکاۃ دینا بھی لازم نہیں۔ گھاٹ اور چرواہا ایک ہونا شرط نہیں ایسا منتھیٰ الارادات میں ہے جبکہ الکافی اور الاقناع میں ان دونوں کا بھی شرط ہونا مذکور ہے۔ اگر کئی قسم کے جانور ہوں جیسے بکری اور بھیڑ اور اہلی اور وحشی یا گائے اور بھینس تو نر مشترک ہونا ضروری نہیں

ہے۔ نر کا مشترک ہونا صرف ایک نوع کے سائمہ ہونے میں معتبر ہے۔ اسی طرح الاقناع میں ہیکہ چرواہے کا ایک ہونا صرف اتحاد نوع میں معتبر ہے۔

مسئلہ (مال میں شراکت پر زکات):

شرکت کے سبب سے متفرق مال ایک ہی گنا جاتا ہے اور ایک ہی مال کے طور پر زکوۃ لیتے ہیں اس میں کبھی سختی کبھی آسانی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً دو شخص شریک ہوں اور ہر ایک کی بیس بکریاں ہوں تو ایک بکری دینا ہو گا اس طرح کہ یہ دونوں بکری کی ادائیگی میں برابر کے شریک ہوں کیونکہ دونوں کی نصاب میں حصہ داری برابر ہے۔ اگر جدا ہوتے تو کچھ بھی دینا لازم نہ تھا۔ یہ سختی ہے اور جب تین شخص شریک ہوں اور ہر ایک کی چالیس بکریاں ہوں تو ایک سو میں بکریوں کی زکاۃ ایک بکری دینا ہو گا۔ اگر جدا رہتے تو تین بکریاں لازم تھیں۔ یہ آسانی ہے۔ اگر شریکوں میں کسی کے پاس بھی پورا انصاب نہو اور مجموع نصاب ہو جائے تو جس قدر زکوۃ میں دیا ہو اس کو ہر ایک اپنے حصہ کے موافق بانٹ لے مثلاً چالیس آدمیوں کے چالیس بکریاں ہوں اور ایک بکری زکات میں لیجائے تو ایک شخص بکری کا چالیسواں حصہ دے اور اگر دو شخص ہوں ایک کے انچالیس بکریاں اور ایک شخص کی ایک بکری تو ایک بکری تو وہ انچالیس حصہ دے اور یہ چالیسواں حصہ۔ ایسا ہی اگر ہر ایک کے پاس بقدر نصاب ہو یا ایک کے پاس بقدر نصاب اور سب شریک ہوں تو زکوۃ میں بھی سب شریک ہیں مثلاً ایک سو بیس بکریاں ہوں اور تین شریک ہوں اور ان میں سے اس حال میں ہر ایک کے چالیس ہوں تو دو بکریاں زکوۃ میں

دیئے جائیں گے تو ہر ایک شخص کو بکری کے دو تہائی دینالازم ہو گا یا اکتالیس بکریاں ہوں چالیس ایک اور ایک بکری ایک کی تو ہر ایک کو ایک بکری کا اکتالیسواں حصہ دیناچاہئے۔

مسئلہ(جدا جدا مقام کے جانور کی زکات):

اگر کسی شخص کے جانور جدا جدا مقام پر چرتے ہوں اور ان مقامات میں باہم مسافت قصری تو ہر جگہ کا جدا حکم ہے جس جگہ نصاب ہو اس کی زکوۃ دے اور جہاں نصاب نہو تو کچھ نہیں۔ دو یا زیادہ مقام کے جانوروں کو ملا کر نصاب پورا نہ کرے شہروں کے الگ ہونے سے ملک کا حکم بھی یہاں الگ ہو جاتا ہے جسطرح شراکت میں اجتماعِ مالِ جماعت سے مال کا حکم ایک ہو جاتا ہے اسی طرح ایک شخص کے مال کے افتراق سے مال کا حکم الگ ہو جاتا ہے۔ اگر جانوروں کے سوا کوئی مال اس کا کئی جگہ متفرق ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔ سب کو ملا کر زکوۃ دینا پڑے گا۔ زکوٰہ سے بچنے کے لئے ملے ہوئے جانوروں کو جدا جدا کر دینا یا جدا جدا جو ہوں تو اُن کو ملا دینا حرام ہے۔

زکات حبوب و ثمار:

ہر قسم کے اناج میں زکاۃ ہے جیسا گیہوں اور جوار چاول لوبیا اور مونگ اور مسور اور چنے اور اس کے سوا۔ اناج کے سوا دوسرے تخموں میں بھی زکوۃ ہے، جیسا کڑڑ اور السی لوبیا اور تخم خربوزہ اور تربوز اور دھنیا اور زیرہ اور اس کے مانند۔ غرض جس چیز کو ماپتے اور اُٹھار کھتے ہوں یعنی ذخیرہ اندوزی کرتے ہوں اور اس میں نفع ہو تو اس کا عشر لازم ہے یہ ذہن نشین رہے کہ یہاں ماپنے والی اشیاء سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کو حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ سلم کے دور میں ماپ کر بیچا جاتا تھا لہٰذا یہ مغالطہ نہ رہے کہ مذکورہ اشیاء تو ہمارے دور میں وزن کر کے بیچی جاتی ہیں۔ نیز نفع ہونا

علیٰحدہ شرط نہیں ہے مقصود کلام یہ ہیکہ وہ اشیاء جن کی ذخیرہ اندوزی کی جاتی ہے انہی پر زکات لازم ہو گی کیونکہ ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ نفع کا امکان ہوتا ہے اور وہ اشیاء جن کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی جاتی ہے ان سے نفع کا امکان نہیں ہوتا ہے صالح اور عبد اللہ امام کے فرزندوں نے اپنے والد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ایسا ہی وہ پھل یا پتے یا جس کو ناپ کر جمع رکھتے ہوں جیسا کہ کھجور اور کشمش اور بادام اور پستے اور اسماق اور فندق اور پتے جیسے سدر اور خطمی اور آسن کے یہ تحریری غلطی ہے صحیح لفظ آس ہے یہ پتے ہونے کے باوجود ان کو ماپتے اور ذخیرہ کرتے ہیں اسلئے ان میں زکات آتی ہے ۔ان چیزوں میں زکوۃ نہیں: عناب اور زیتون اور اخروٹ اور بیر اور توت اور انار اور شفتالو۔ ایسا ہی ککڑی اور کھیرا اور کدو اور شلجم اور پیاز اور بھاجی اور ترکاری اور ببول اور ریحان کیونکہ عادۃً ان کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی جاتی ہے۔ ہاں اگر ان چیزوں کو بھی اوراس پر سال گزرے تو زکاۃ لازم ہے۔ اس کو ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

نصاب حبوب و ثمار:

اس کا نصاب حبوب میں چھلکے اور بھوسے سے صاف کئے بعد اور پھلوں میں سکھانے کے بعد پانچ وسق ہیں تصفیہ اور تجفیف کے بعد ہی حبوب و ثمار حالت کمال کو پہنچتے ہیں اور ذخیرہ اندوزی کے قابل ہوتے ہیں کیونکہ یہ بھی زکوۃ ہے تو اس کا بھی نصاب ہونا ضروری ہے اور خود حدیث شریف سے ثابت ہے۔ پانچ وسق کے تین سو صاع ہوتے ہیں اور اردبوں سے سوا چھ اردب اور رطل عراقی ایک ہزار چھ سو رطل ایک صاع=2212 گرام اور پانچ وسق=663.6 کلو گرام۔

شرط زکاۃ(وقتِ وجوب)

یہ شرط ہے کہ زکوۃ واجب ہونے کے وقت آدمی اس نصاب کا مالک ہو۔ وجوب کا وقت زراعت میں یہ ہے کہ اس کے دانے سخت ہو جائیں اور پھلوں میں جب اس کی درستی نمودار ہو کیونکہ وہ اس وقت کھانے کے لائق ہو جاتے ہیں گویا اب وہ خشک کے مشابہہ ہیں تو معلوم ہوا کہ درستی نمودار ہونے کے بعد جو شخص اس کا مالک ہو اس پر زکات نہیں ہے۔ تو کھیت کاٹنے والے کی اُجرت میں جو اناج ملے یا جو ہر طرف سے چن کر جمع کرے اس پر نہیں کیونکہ یہ درستی نمودار ہونے کے بعد اس کے مالک ہوتے ہیں ایسا ہی جو مباح چیز جنگل یا پہاڑ میں سے چن کر لائے پہاڑی جو اور اسبغول، ان تمام صورتوں میں درستی نمودار ہونے کے بعد ملکیت آئی ہے اگرچہ اس کے زمین میں پیدا ہوا ہو مثلاً کسی اور نے اس شخص کی زمین میں حبوب بوئے ہوں کیونکہ وہ زمین کے مالک ہونے سے اس کا مالک نہیں ہوتا جب تک اس کو ہمدست نہ کرے اگر حاصل کرنے کے بعد وقتِ وجوب آجائے تو زکات واجب ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ مابعد تیار ہو جانے کھیت اور پھلوں کے اس نے خرید کیا ہو یا وارث ہوا ہو یا اس کے مانند کوئی اور طرح سے مثلاً صداق، عوض خلع، اجارہ، عوض صلح کے طور پر وہ ان حبوب و ثمار کا مالک ہوا تو ان میں زکات نہیں ہوگی بوجہ مذکورہ کہ ملکیت بعد وقتِ وجوب آئی ہے۔ اگر وہ ایسی چیز ہو جسے آدمی بوتے ہوں اور اپنے ہو مثلاً گیہوں اپنی کسی زمین میں جو اپنی ملک ہو یا مباح زمین ہو گر جائیں اور اُگیں تو ان میں بھی زکاۃ ہے گویا جو شخص درستی نمودار ہونے کے وقت حبوب و ثمار کا مالک تھا اگرچہ اس نے ان حبوب و ثمار کی زراعت نہیں کی تھی تو اس پر ان کی زکات واجب ہوگی۔ اپنے ہاتھ سے بونا شرط نہیں ہے۔

مسئلہ (سال میں دوبار پھل کا آنا)

اگر ایک سال میں دوبار یازیادہ زراعت کریں تو درختوں کو پھل آئیں توسب کو ملاکر نصاب پورا کرنا چاہئے ایک جگہ ہو یا کئی جگہ جنس ایک ہو فرض کیجئے زید نے حیدرآباد میں زراعت کی اور ربیع الاول میں اسے ڈھائی وسق گندم حاص ہوا پھر اسی سال سنگاریڈی میں جمادی الاول میں گندم کے ڈیڑھ وسق حاصل ہوئے۔ پھر اسی سال رجب میں حیدرآباد ہی میں گندم کی دوسری نوع کے ڈیڑھ وسق حاصل ہوئے۔ ان تمام کو ملاکر نصاب پوراہوااور زید پر ساڑھے پانچ وسق گندم کی زکات واجب ہوگی۔ اگر جنس جدا ہو تو نہیں جیسا جو کو گیہوں کے ساتھ اور کھجور کو کشمکش کے ساتھ۔

مسئلہ (پانی دینے کے طریقہ کی وجہ سے مقدارِ زکات میں تفاوت)

جس زمین کو بغیر خرچ کے پانی دیا گیا ہو اس میں دسواں حصہ ہی یعنی اسمیں دس فیصد زکات ہے برسات سے ہو یا کسی نالی سے اگر چہ وہ کسی تالاب کا نالہ ہو جس کو مزارع خرید کیا ہو یا اس زراعت اور درختوں کو پانی دینے کی حاجت ہی نہ ہو اگر اس کو پانی دینے میں خرچ لگا ہو تو بیسواں حصہ ہے یعنی پانچ فیصد ہے خواہ آدمی ڈول سے پانی دے یا بیل یا اونٹ سے کھینچے۔ اگر آدھا پانی دینا خرچ کے ساتھ اور آدھا بغیر خرچ کے نو عشر کے تین ربع دینا چاہئے عشر کے تین ربع ساڑھے سات فیصد ہوتے ہیں اور جو کبھی ایسا کبھی ویسا ہو یعنی کبھی خرچ کیساتھ اور کبھی بغیر خرچ کیساتھ پانی دیا لیکن ایک طریقہ کا استعمال دوسرے سے زیادہ کیا تو جس سے نفع زیادہ حاصل ہوا اکثر پر کل کا حکم نافذ ہوتا ہے اسلئے جس طریقہ سے زیادہ پانی دیا اس کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ہر وقت عدد اور مقدار یاد رکھنا مشکل ہے تو اکثر کا اعتبار چاہئے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس سے نفع زیادہ حاصل ہوا یا یہ معلوم نہ ہو کہ خرچ کیساتھ زیادہ

پانی دیا گیا یا بغیر خرچ کے تو پورا عشر اپنے ذمے سے نکلنے کا یقین ہو یعنی اس میں دسواں حصہ ہی واجب ہو گا کیونکہ شک کی صورت میں یقین پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہاں پانچ فیصد اور ساڑھے سات فیصد زکات واجب ہونے میں شک ہے جبکہ دس فیصد زکات واجب ہونا یقینی ہے کیونکہ یہ اصل ہے تو اصل کی طرف رجوع کر کے یقین پر عمل کیا جائے گا اور اگر اس کے مثلاً دو کھیت یا دو باغ ہوں کہ ان میں سے ایک کو خرچ کے ساتھ پانی دیا جاتا ہے اور دوسرے کو بلا خرچ تو نصاب پورا کرنے کے لئے دونوں کو ملالیں یعنی دونوں باغوں کے جو حبوب و ثمار ایک جنس کے ہوں ان کو ملا کر نصاب کی تکمیل کی جائے اور ہر ایک کا دسواں اور بیسواں حصہ اس کے حساب سے ادا کرے یعنی ملانے کے بعد جس فصل میں اکثر حصہ بغیر خرچ کا ہو تو دس فیصد اور اگر اکثر حصہ خرچ کا ہو تو پانچ فیصد زکات ادا کی جائے۔ اگر اس میں نزاع ہو کہ خرچ سے پانی دیا ہے یا بلا خرچ تو مالک کا قول مانا جائے یعنی اگر مالک یہ دعویٰ کرے کہ خرچ کیساتھ پانی دیا گیا اور ساعی اس کا انکار کرے تو مالک کا قول مانا جائے گا۔ قاعدہ تو یہ تھا کی مدعی پر بینہ ہے اور انکار کرنے والے پر قسم ہے لیکن صدقات میں قسم نہیں لی جاتی ہے کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے۔

مسئلہ (تصفیہ و تجفیف)

زکاۃ میں وہ اناج دے جو چھلکے اور بھوسے سے صاف کیا گیا ہو اور وہ پھل جو سوکھ گئے ہو کیونکہ یہ ان کی حالتِ کمال ہے اور اب ان کو ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ نموداری کے بعد کمال سے پہلے اس کو کاٹ لیا ہو اس سبب سے کہ درخت ضعیف اور اس کے وزن کے تحمل نہوں یا دوسرے پھل اور زراعت کی درستی مقصود یعنی پھلوں میں درستی نمودار ہونے کی ابتداء ہوئی تھی مگر کمال کو پہنچنے سے پہلے پھلوں کو کسی مصلحت کے تحت درخت سے توڑ لیا گیا اور ایسا کرنے میں نیت زکات سے بچنے کی بھی نہ تھی تو یہ جائز ہے لیکن کمال کو پہنچنے پر نصاب پورا ہو تو ہی زکات واجب

ہو گی اور پھر انہی میں سے زکات ادا کی جائے گی۔ نہ کہ ان کو توڑ لینے کی ہی ضرورت ہو کہ وہ کھجور یا انگور مثلاً سکھانے کے قابل ہوں درستی نمودار ہونے سے پہلے توڑنا اس مقصد کے تحت ہو کہ ان کو توڑنے کے بعد ہی درستی نمودار ہوتی ہے جیسا کہ رطب سے تمر اور انگور سے کشمش حاصل کرنا لہذا ان کو درستی نمودار ہونے سے پہلے ہی توڑنا واجب ہے ورنہ سارے پھل ضائع ہو جائیں گے۔ اگر مالک صاف نہ کیا ہوا اناج یا تازہ پھل درستی نمودار ہونے سے پہلے زکوۃ میں دے مثلاً تمر کے بجائے رطب دے یا کشمش کے بجائے انگور دے تو فرض ادا نہ ہو گا بلکہ صدقہ نفل ہو جائے گا۔ اگر زکوۃ لینے والا جسے ساعی کہتے ہیں وہ اسی طرح بغیر درستی والے لے لے تو یہ غلط ہو گا اور اگر اُس کو صاف کرے اور سکھانے کے بعد مقدار واجب کے برابر نکلے تو کافی ہے اور جو کم ہو تو نقصان مالک سے لے اور زیادہ ہو تو زیادتی پھیر دے اگر اس جنس کو پھیر دے اور اگر ساعی مصفا اناج اور خشک پھل طلب کرے تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ساعی کے پاس وہ تلف ہو جائے تو اس کا بدل مالک کو پھیر سکتا ہے۔

مسئلہ (تلف شدہ پھل کی زکات)

یہ تو معلوم ہو چکا کہ زکاۃ اس وقت واجب ہوتی ہے کہ دانے سخت اور پھل گدرے ہوں کیونکہ اس وقت کھانا یا سکھا کے رکھ چھوڑنا ہو سکتا ہے مگر جب کاٹ کر ڈھیر لگا دے تو اُس وقت زکاۃ ذمے پر ثابت ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے نہیں گویا ڈھیر لگانا عرف عام میں درستی اور حبوب میں سختی نمودار ہونے پر دال ہے۔ اگر ڈھیر لگانے سے پہلے سب پیداوار کے قصور مالک کے تلف ہو جائے تو زکاۃ ساقط کیونکہ ذمے پر ثابت نہ تھے یعنی کہ ابھی وقت وجوب آیا ہی نہ تھا۔ اگر بعض تلف ہو تو دیکھنا چاہئے اگر وجوب سے پہلے یعنی قبل نمو داری ہو تو تلف شدہ کی زکاۃ ساقط

ہے کیونکہ تلف ہونے سے پہلے وقتِ وجوب نہیں آیا تھا بلکہ تلف ہونے کے بعد آیا تھا۔ اب بوقتِ وجوب جو باقی ہوا اگر وہ بقدر نصاب ہے تو اس کی زکاۃ دے اور اگر وہ بقدر نصاب نہیں تو نہیں اور جو بعد وجوب ہو تو تلف شدہ اور باقی سب کی زکاۃ لازم ہے کیونکہ اسمیں زکات واجب ہونے کے بعد وہ تلف ہوا۔ اگر درستی نمودار ہونے کے بعد ڈھیر لگانے سے پہلے اس کو بیچ ڈالے یا ہبہ کر دے یا اس کے قصور سے تلف ہو تو زکاۃ ساقط نہو گی تلف ہونے کی صورت میں مالک سے اور بیچنے کی صورت میں بائع سے اور ہبہ کی صورت میں واہب سے زکات ساقط نہ ہو گی اور مشتری، موھوب لہ پر زکات واجب نہ ہو گی کیونکہ وہ وقتِ وجوب مالک نہ تھے اور جو نموداری سے پہلے ہی بیچ ڈالے تو زکاۃ نہیں۔ ہاں زکاۃ سے بچنے کے لئے یہ حیلہ ہو تو مفید نہیں یعنی زکات ساقط نہ ہو گی بلکہ وہ گناہگار بھی ہو گا۔

مسئلہ (خراب چیزوں کی زکات)

زکاۃ میں خراب چیز دینا حرام ہے اور صحیح نہیں یعنی پوری فصل تو عمدہ ہو اور محض زکات میں خراب حصے جمع کر کے دے تو ایسا کرنا حرام ہے۔ ایسا ہی دوسرے صدقات واجبہ ہیں اگر اچھی اور بری مل کر ہوں تو ہر ایک کی زکاۃ جدا جدا دے یعنی عمدہ فصل میں سے اس کے بقدر اور خراب میں سے اس کے بقدر نکالے۔

مسئلہ: زراعت اور درخت جس کے ہوں اس پر عشر ہے یعنی زکات اسی پر واجب ہے کیونکہ یہ زکاتِ مال ہے اور جو اس مال کا مالک ہو گا زکات اسی پر ہو گی مالک زمین پر نہیں خواہ زمین اجرت سے لیا ہو یا عاریت سے اگر غاصب کسی کی زمین پر زراعت کرے تو زکات غاصب پر ہو گی۔

مسئلہ : عشر اور خراج دونوں زمین خراجی میں جمع ہو سکتے ہیں خراج زمین کے رقبہ میں آئے گا اور عشر زمین کی پیداوار میں آئے گا اگر اس کا مالک کوئی مسلمان شخص ہو مثلاً ایک ذمی کی زمین کو کرایہ پر لے کر ایک مسلمان نے زراعت کی۔ذمی کی اس زمین کے رقبہ میں خراج آئے گا اور پیداوار اگر نصاب کے برابر ہو تو اسمیں عشر آئے گا چونکہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں اسلئے ان کا لگ الگ حکم آئے گا حالانکہ یہ دونوں ایک ہی زمین سے متعلق ہیں۔ان دونوں کا اجتماع اسلئے درست ہے کہ خراج کا سبب زمین سے فائدہ اٹھانے کا امکان ہوتا ہے اور عشر کا سبب پانی کا موجود ہونا ہے جس طرح **بیچنے والے کی اُجرت اور زکاۃ تجارت** دو الگ الگ چیزیں ہیں اور اپنے اپنے مستحقین میں ان کو تقسیم کیا جاتا ہے۔

خراجی زمین کی قسمیں:

فائدہ: زمین خراجی تین قسم کی ہے۔ایک وہ جو صلح سے ہاتھ آئی اور مسلمانوں میں یعنی غانمین میں تقسیم نہیں پائی۔ جیسا مصر اور شام اور عراق یہ سب مسلمانوں کی اراضی ہیں اسکا خراج مقرر کرکے ہر سال لیا جائے گا اور اگر یہ کسی مسلمان کے ہاتھ آئے تو اس کا خراج ساقط نہیں ہوگا خراجی زمین کے غلہ سے خراج لیا جانے کے بعد بقیہ غلہ میں دیکھا جائے گا کہ اگر وہ مسلمان کے ہاتھ ہو اور وہ مقدار نصاب کے برابر ہو تو اسمیں سے زکات بھی لی جائے گی۔ **دوسری وہ زمین جو اس بات پر صلح ہوئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ملک میں رہی اور وہ خراج مقرر کرکے کافروں کے ہاتھ میں رہنے دیں** یہ زمین صلح کرنے والوں کی ملک ہے اسکا بیچنا، ہبہ کرنا، رھن کرنا ان کیلئے جائز ہے۔اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو خراج ساقط ہو جائے گا۔ **تیسری وہ زمین جس کو کافر ہمارے ڈر سے چھوڑ کر نکل گئے ہوں** یہ زمین اپنے نفس ظہور کی وجہ سے موقوفہ ہے اس کا حکم فئے کا ہے اور یہ تمام مسلمانوں کی ہے۔ **جس کے ہاتھ میں زمین خراجی ہو**

اور اس کے سوا اس کے پاس دوسرا مال نہو یعنی خراج کے سوا اتنا مال نہ ہو کہ جو نصاب کے برابر ہو تو مقدار خراج میں اس کی زکاۃ نہیں۔ زکات قرض کیوجہ سے ساقط ہو جاتی ہے یہاں خراج دین کی طرح ہے یعنی خراج لینے کے بعد اگر پیداوار نصاب کے برابر ہو گی تو زکات لی جائے گی ورنہ نہیں۔ اگر پیداوار میں وہ اشیاء ہوں جن میں زکات نہیں آتی ہے مثلاً ترکاریاں اور ان سے خراج کی تکمیل ممکن ہو تو اس سے خراج لیا جائے گا اور باقی پیداوار میں حسب شرائط مذکورہ زکات لی جائے گی۔ اموال عشر اور زمین خراجی کے لئے ضامن لینا جائز نہیں اور وہ یہ ہیکہ عشری خراجی زمین والے سے کہا جائے کہ ایک معین مقدار بطور اجرت ادا کرو مثلاً اس سے کہا جائے کہ تم پر سات وسق ادا کرنا لازم ہے اگر بعد میں معلوم ہو کہ تمہارا خراج سات سے زیادہ ہے وہ اضافی حصہ تمہارا ہو گا اور اگر سات سے کم نکلے تو وہ تم پر قرض ہو گا۔ اسطرح اگر بعد میں وہ سات سے زیادہ ہوا تو سات کی حد لگانا خراج یا عشر کو کم کرنا ہوا اور اگر بعد میں وہ سات سے کم ہوا تو یہ اس پر ایسی چیز لازم کرنا ہوا جو اس پر لازم نہ تھی۔ ایسا کرنا باطل ہے۔ اس کو قبالات کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبالات ربا ہیں۔ معشرات میں جس کی زکاۃ ادا کی ہو۔ پھر دوسرے بار اس میں زکاۃ نہیں کیونکہ اب اس میں زیادتی ممکن نہیں اور زکات تو ہر سال اسی مال میں سے لی جاتی ہے جسمیں زیادتی یا بڑھوتری ہونے کی گنجائش ہوتی ہے۔

زکاۃ شھد:

شہد میں بھی عشر ہے کیونکہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے زمانے میں شہد میں عشر لیتے تھے۔ شہد عادۃً ماکولات میں سے ہے اور یہ درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی پھولوں کے رس سے اسے بناتی ہے تو گویا یہ درخت پر پیدا ہوا اور اسے ماپتے اور ذخیرہ کرتے ہیں۔ اس کے ملک یعنی مملوکہ زمین میں پیدا ہو یا زمین موات میں یعنی بنجر یا

غیر آباد زمین مثلاً پہاڑ کی چوٹی میں عشری زمین ہو یا خراجی اس کا نصاب ایک سو ساٹھ رطل عراقی ہے الموسوعہ الفقھیہ الکویتیہ میں ہیکہ یہ 62 کلو گرام کے برابر ہوتا ہےونصابه 160رطل عراقيا وهو مايساوی 62 كيلو جراما۔ جو چیز آسمان سے درختوں پر گرتے ہی جیسا من اور ترنجبین یہ تحریری غلطی ہے صحیح لفظ ترنجبیل ہے۔ من، ترنجیل، شیر خشک، لاذن وغیرہ شبنم ہے جو درختوں پر آتی ہے اس کو بھیڑ بکری کھاتے ہیں۔ چونکہ یہ درختوں پر پیدا ہونے والی رطوبتیں ہیں اس لئے ان کا ذکر شہد کیساتھ کیا اس میں زکاۃ نہیں۔ کیونکہ اس کے وجوب میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ یہاں اصل حکم عدم وجوب ہے گویا یہ ان تمام مباح پھلوں کی طرح ہے جو پہاڑوں پر ہوتے ہیں۔

مسئلہ رکاز:

رکاز وہ دفینہ ہے جو زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے زمین میں رکھا ہو یا ان کافروں کا جو اس کو پانے سے پہلے گزرے ہوں اور اس کے اندر یا باہر فقط کفر کی علامت ہو۔ نقدین ہو یا اور کوئی چیز مثلاً لوہا یا سیسہ اس میں نصاب شرط نہیں تھوڑا ہو یا بہت بر خلاف معدنیات یا زمینی پیداوار کے کہ ان کے حصول کیلئے کلفت درکار ہے لہٰذا ان میں نصاب مقرر ہے اس کا پانچواں حصہ دینا لازم ہے اور باقی پانے والے کا ہے۔ اہلیت زکاۃ شرط نہیں دفینہ کو پانے والا مسلمان ہو یا کافر ہو چھوٹا ہو یا بڑا، آزاد ہو یا غلام عاقل ہو یا مجنون اور قرض بھی اس زکاۃ کا مانع نہیں ہر حال میں خمس دینا چاہیئے اسمیں سال گزرنا بھی شرط نہیں ہے کیونکہ در حقیقت یہ فئے ہے اور اس خمس کو فی مطلق کی جگہ پر صرف کرنا چاہیئے۔ اگر اس پر مسلمان کی علامت ہو یا کوئی علامت نہو تو وہ لقطہ ہے۔ اس کا حکم اس کے باب میں دیکھیں۔ اگر کسی نے دوسرے کو دیوار گرانے یا کنواں کھودنے کے لئے اُجرت سے مقرر کیا ہو اور وہاں

دفینہ نکلے تو اسی مزدور کا ہے کیونکہ دفینے کو پانے والا ہی دفینے کا مالک ہوتا ہے۔ یہی صحیح روایت ہے اور جو دفینہ نکالنے کے لئے ہی مزدور کہا ہو تو اب وہ رکاز مزدور کو مقرر کرنے والے مالک کا ہوگا۔

زکاۃ معدن:

معدن وہ چیزیں ہیں جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں نہ جنس زمین میں نہ جنس نبات معدنیات میں جنس زمین یعنی مٹی، ریت وغیرہ شامل نہیں ہیں بلکہ سونا، چاندی یا اسکے سوادیگر اشیاء شامل ہیں جنکا ذکر حضرت مصنف آگے کرنے والے ہیں۔ اگر اہل وجوب زکات میں سے کوئی اپنی یا دوسرے کی زمین یا موات سے سونے یا چاندی کا کان نکلے اور بعد گلانے اور صاف کرنے کے مقدار نصاب ہو یعنی نکلنے والی چیز کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو چالیسواں حصہ لازم ہے۔ اگر نقدین کے سوا کوئی دوسری چیز جیسا لوہا، تانبا، پیتل، شیشہ، جواہر بلور، ہرتال، سرمہ، گندک، تازہ نمک، گیروزفت اور اس کی قیمت نصاب ہو اور وہ شخص لایق وجوب ہو یعنی اگر معدنیات کا مخرّج کافر ہو یا مکاتب ہو یا اتنا قرضدار ہو کہ جو نصاب کو مستغرق ہو تو اس میں زکات واجب نہیں ہوگی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اناج اور شہد اور دفینہ اور معدن میں سال گزرنا شرط نہیں ہے۔

زکاۃ نقدین:

سونے اور چاندی کے سکّے بطور ثمن دورِ نبوی صل اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور کئی صدیوں بعد بھی استعمال ہوتے تھے ان کو نقدین یا اثمان کہا جاتا ہے۔ البتہ آج کے دور میں کاغذ کے نوٹ اور برقیاتی فلوس بطور ثمن مستعمل ہے۔ اکثر فقہاء کے نزدیک ان کا حکم بھی سونا چاندی کی طرح ہے، سونا جب بیس مثقال ہو مثقال سونے کے سکّے کو کہتے ہیں اس کا وزن

حنابلہ کے نزدیک 4.25 گرام ہے۔ لہٰذا20 مثقال 85 گرام کے برابر ہوتے ہیں اور چاندی دو سو درہم ہو درہم چاندی کے سکّے کو کہتے ہیں اسکا وزن 2.95 گرام ہوتا ہے۔ دو سو درہم 595 گرام کے برابر ہوتے ہیں اسی طرح شرح عمدہ میں ہے تو اس میں چالیسواں حصہ زکاۃ واجب ہے۔ بیس مثقال اور دو سو درہم نصاب ہے ان دونوں میں جس کی قیمت کم ہو وہ کاغذ کے نوٹ اور برقیاتی کرنسی کا نصاب ہے۔ سال گزرنے کے بعد اس کے شرائط سے سونے میں آدھا مثقال اور چاندی میں پانچ درہم دینا لازم ہے مگر اس کو اختیار ہے سونے کی زکاۃ چاندی میں سے دے یا چاندی سونے میں سے مثلاً آدھی مثقال کی قیمت کی چاندی دے یا پانچ درہم کی قیمت کا سونا کیوں کہ ان کے مقاصد اور زکاۃ ایک ہے جس طرح ایک جنس کے جانور جو نوع میں جدا ہوں جیسا گائے اور بھینس اگرچہ نقدین میں سے ایک نقد ہو اور ایک دین۔

مسئلہ وزن:

زکاۃ میں درہم اسلامی معتبر ہے جس کا وزن چھ دانگ ہوتا ہے یا ضرنوب کے بارا دانے دس درہم اور سات مثقال کا وزن برابر ہوتا ہے تو مثقال ایک درہم اور تین سبع درہم ہے اور درہم ایک نصف اور ایک خمس مثقال کا تو اس حساب سے سونے کا نصاب اٹھائیس درہم اور چار سبع ہیں اور دینار کے حساب سے پچیس دینار اور دو سبع اور ایک سبع دینار کا اس دینار سے جس کا وزن ایک درہم اور ثمن ہے۔

مسئلہ (نصاب پورا کرنے کے لئے سونے اور چاندی کا ملا دینا) سونے کو چاندی کے ساتھ نصاب پورا کرنے کو ملایا چاہیے یعنے جس کے پاس مثلاً دس مثقال سونا اور سو درہم چاندی ہو تو یہ آدھا اور وہ

آدھا ملکر پورا نصاب ہو گیااسی طرح سونے اور چاندی سے بھی نصاب پورانہ ہو تو کاغذی نوٹ ملا کر پورا کیا جائے۔ اب پاؤ مثقال سونا اور اڑہائی درہم دے یا سونے کی قیمت کی چاندی یا بالعکس اور جو سامان تجارت ہو تو اس کی قیمت سونے یا چاندی کی ساتھ یا ان دونوں کو ساتھ ملا کر نصاب پورا کرے۔مثلاً جس کے پاس دس مثقال سونا ہے اور سامان بھی دس مثقال سونے کی قیمت کا یا سو درہم اور سامان بھی سو درہم کا تو پورا نصاب ہے۔ یا پانچ مثقال سونا اور سامان بھی اسی قیمت کااور سو درہم یا دس مثقال سونا اور پچاس درہم اور سامان بھی پچاس درہم کا روپئے اور اشرفیوں میں کھوٹ ہو تو مخلوط شیئ کو جدا کر کے خالص چاندی اور سونے کا وزن معتبر ہے۔ اگر خالص مقدار نصاب ہے تو زکاۃ دے نہیں تو نہیں یہی طریقہ 18 قیراط سونے کی زکات کا ہے اسکا حساب الگ کرے اور جب اسمیں موجود خالص سونے کی مقدار نصاب کے برابر ہو تو زکات دے ورنہ نہیں۔ اگر سونے اور چاندی میں بعضے اعلا اور بعضے ادنی ہو تو اعلا کو اعلا کے ساتھ اور ادنا کو ادنا کے ساتھ جمع کر کے ہر ایک کا حصہ موافق حساب جدا نکالے اعلی کی زکات میں اعلی دے، ادنی نہ دے اور ادنیٰ میں ادنیٰ دے کیونکہ یہ مؤاسات ہے اور اگر مال میں مختلف انواع کے ہوں تو ایک کی زکات اس کے حصے کے بقدر دے۔ ایسا ہی سکہ دار اور بے سکے کو افضل یہ ہے کہ سب کی زکاۃ اعلا میں سے دے کیونکہ یہ فقراء کیلئے زیادہ فائدہ مند ہے اگر اعلا کی زکاۃ ادنا میں سے دے اور زیادتی بھی تو جائز ہے۔اور اگر صحیح کی زکات میں ردی دے تو ردی کو صحیح کے بقدر بڑھادے تو درست ہے تاکہ صحیح کی زکات اسکی قیمت کے حساب سے ادا ہو۔

مسئلہ زیور:

جو زیور حرام ہے مثلاً مرد کا طوق، مرد کا کنگن، مرد کے سونے کی انگوٹھی۔ اور جو شخص ایسا زیور بنائے جو اس پر حرام ہو اس میں اگر نصاب ہو تو زکاۃ واجب ہے۔ ایسا ہی زیور کے سوا چاندی سونے کے دوسرے چیزوں میں مطلقا۔ کیونکہ ان کا استعمال مرد اور عورتوں کو حرام ہے جیسا کھانے اور پینے کے ظروف اور دوات اور قلم اور سرمہ دانی اور سلائی کنگھی اور آئینہ اور قندیل اور تخت اور کرسی اور جانوروں کا زیور اور رکاب اور لگام اور اس کے سوا اس پر زکات واجب ہے۔

زیور مباح

مرد اور خنثی کو جس قدر زیور جائز ہے وہ یہ ہے انگوٹھی چاندی کی، اگرچہ ایک مثقال سے زیادہ ہو۔ ایک مثقال =4.25 گرام۔ اصل یہ ہیکہ مرد کو زیور پہننا حرام ہے لیکن شارع علیہ السلام نے انگوٹھی پہنی ہے اسلئے یہ جائز ہے افضل یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنے تا کہ ہاتھ سے کئے جانے والے کاموں میں یہ رکاوٹ نہ بنے اور اس کا نگین ہتھیلی کی طرف رہے کیونکہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ خواہ نگینہ چاندی کا ہو یا اور کس چیز کا۔ ایک شب شہادت یا وسطی میں پہنا مکروہ ہے۔ ایسا ہی اس پر قرآن کی آیت یا کوئی اور ذکر کندہ کرنا یا لوہے اور تانبے اور شیش کے انگوٹھی پہننا دھاتوں کی انگوٹھی مرد اور عورت دونوں کیلئے مکروہ ہے کیونکہ یہ اہل نار کا زیور ہے عقیق کی انگوٹھی پہننا اکثر کے نزدیک مستحب اور بعضوں کے نزدیک جائز ہے۔ اگر کئی انگوٹھیاں ہوں تو جو عادت سے زیادہ ہو اس میں زکاۃ ہے۔ ہاں اپنے لڑکے یا غلام کے واسطے بنا رکھا ہو تو نہیں۔ قبیعہ سیف بھی جائز

ہے یہ تلوار کے قبضہ کو کہتے ہیں۔ حضور اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبیعہ چاندی کا تھا۔ میدان جہاد میں اس سے کفار کے دلوں میں رعب اور ہیبت طاری ہوتی ہے سونے کا بھی ہو تو مضایقہ نہیں حضرت عمر کی تلوار پر سونے کا سبیکہ تھا۔ ایساہی چاندی لگاہوا کمر بند اور زرا اور خود یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ خوذہ ہے جو اس ہیلمیٹ کیلئے استعمال ہوتا ہے جو جنگ میں پہنا جاتا ہے اور حمایل سیف یہ حمالۃ کی جمع ہے اس کا معنی میان ہے۔ ان چیزوں کا استعمال مرد عادۃ جنگ میں کرتے ہیں۔ گویاان کا حکم انگوٹھی کی طرح ہے اور جس چیز کی ضرورت ہو جیسے کسی صحابی کی ناک کسی لڑائی میں جدا ہوگئی توانھوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگائی وہ بدبو خراب ہوگئی تو حضرت نے سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی اور کئی صحابیوں نے اپنے دانت سونے کے تار سے باندھے تھے اس کے سوا مردوں کو درست نہیں۔ عورتوں کو ہر طرح کا زیور جائز ہے۔ اگرچہ زیادہ ہو تو یعنی اگرچہ ایک ہزار مثقال سے بھی زیادہ ہو۔ولو زاد علی الف مثقال(الاقناع)-اس مباح زیور میں خواہ مرد کا یا عورت کا زکاۃ واجب نہیں خواہ اپنے پہننے کو رکھے یا عاریت دینے کے لئے کیونکہ یہاں مال کو بڑھانا اور فائدہ کمانا مقصود نہیں اور زکات توان اموال میں آتی ہے جن میں مال بڑھانا اور فائدہ کمانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ تو مباح چیز کا استعمال ہے۔ جس طرح پہننے کے کپڑے اور خدمت کرنے والے غلام اور سواری اور باربرداری کے جانوروں میں زکاۃ نہیں کہ ان میں نمو یعنی مال بڑھانا مقصد نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ مرد عورتوں کا زیور عورتوں کو عاریت دینے کے لئے اپنے پاس رکھتا ہو یا عورت مرد کا زیور اسی غرض سے رکھتی ہو تو اسمیں زکات نہیں۔ جواہر اور موتی پہننای مرد اور عورت دونوں کو جائز ہے اور ان میں زکات واجب نہیں ہے کیونکہ یہ استعمال کرنے کیلئے ہیں جیسا کہ پہننے کے کپڑے استعمال کیلئے ہیں اگر یہ کرایہ پر دینے یا تجارت کیلئے ہوں توان کی قیمت ٹھہرا کر زکات دی جائے۔

مسئلہ: اگر زیور تیار رکھنا زکاۃ سے بچنے کے لئے ہو یا کرایہ کو دینے کے واسطے یا اپنے کام کے وقت بیچ کر خرچ میں لانے کی غرض سے یا اس کا استعمال حرام ہو جس کا بیان ہو چکا تو زکاۃ دینا ضروری ہے کیونکہ اپنے استعمال یا عاریۃً دینے کے زیور میں زکات کا ساقط ہونا اس میں نمو، نہ ہونے کی وجہ سے تھا لیکن جب اس میں نمو کی صورتیں آئیں تو زکات بھی واجب ہو گئی۔ **اگر زیور تجارت کے لئے ہو اور اس کی قیمت مضاف ہو زکاۃ واجب ہے** اسمیں زیور کی قیمت سے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ وزن سے۔ اسی طرح الاقناع میں ہے:وان کان الحلی للتجارۃ فالاعتبار فی الاخراج بقیمتہ لانہ مال تجارۃ۔ **جس طرح دوسرا سامان تجارت** مثلاً کسی شخص کے پاس پانچ لاکھ روپیوں کا زیور سال بھر رہا اور وہ اسمیں تجارت کرتا رہا تو اسمیں پانچ لاکھ کا چالیسویں حصہ بطور زکات دینا واجب ہو گا۔ یہ قیمت سے نصاب کا اعتبار کرنا ہے۔ **اگر زیور میں صنعت مباح ہو جس سے قیمت زیادہ ہو جائے** اور اسمیں زکات عدم استعمال یا عدم اعارہ کی وجہ سے واجب ہو **تو نصاب ہونے میں وزن معتبر ہے**۔ صناعت کی عمدگی سے **اگر قیمت زیادہ ہو تو پرواہ نہیں اور زکات دینے میں قیمت کا اندازہ لازم ہے** مثلاً سو درہم وزن کی چیز ہے اور سو درہم اس کے صنعت ہیں **تو اس میں زکاۃ نہیں کیونکہ یہ وزن سے آدھا نصاب ہے** کیونکہ نصاب میں وزن کا اعتبار کیا گیا نہ کہ قیمت کا۔ اور اگر اس کا وزن دوسو درہم ہو تو اسمیں زکات ہے اگرچہ اس کی قیمت کم ہو اسی طرح المغنی میں ہے:وان بلغ مائتین وزنا ففیہ الزکاۃ وان نقص فی القیمۃ۔ **اور جو دوسو درہم وزن ہو اور دوسو درہم کی صنعت تو وزن سے پورا نصاب اور قیمت سے دوہرا تو دس درہم ہی دینا ہو گا** اسلئے کہ زکات دینے میں قیمت کا اندازہ لازم ہے یہاں قیمت 400 درہم ہوئی اور اسکا اعتبار کرتے ہوئے اسکا چالیسواں حصہ دس درہم زکات واجب ہو گی **کیونکہ تجارت میں قیمت کا اعتبار ہے اور نقدین میں وزن کا۔**

مسئلہ (مسجد کو ملمع کرنا)

مسجد کو سونایا چاندی لگانا اس کا پانی چڑھانا یا کتاب کو یا دیوار چھت کو یا کہیں حرام ہے کیونکہ اسمیں فقراء کی دلشکنی ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہو گا المغنی میں ہیکہ اس کو دور کر کے مسجد کے دیگر مصارف میں استعمال کرنا چاہئے مگر جب نکالنے سے کچھ نکل سکے نہیں تو کچھ حاصل نہیں الاقناع میں ہیکہ اگر کوئی سونے یا چاندی کو مسجد میں کسی چیز پر پالش کے طور پر استعمال کرے پھر آگ کے ذریعہ بھی اس کو علیٰحدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اس کو ویسے ہی رہنے دینا چاہئے اور اس میں زکات بھی نہیں ہے۔وان استهلک النقد فيما موه به فلم يجتمع منه شيء بالعرض على النار فله استدامته ولا زكاة فيه۔جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے دمشق کی جامع مسجد میں موجود سونے کے چڑھاوے کو اکٹھا کرنا چاہا تا کہ اسے مناسب طور پر استعمال کیا جا سکے۔ لیکن ان کو کہا گیا کہ اس سے کچھ جمع نہیں ہو گا تو اس کو انہوں نے چھوڑ دیا۔

زکاۃ عروض:

عروض عرض کی جمع ہے یہاں عروض کے دو لغوی معانی بتلائے جارہے ہیں سامان کو عروض اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بیچنے اور خریدنے میں پیش کیا جاتا ہے عربی میں کسی کو چیز پیش کرنے کیلئے یوں کہا جاتا ہے:عرض الشيء بفلان۔یہ پہلا معنیٰ ہے یا یہ کہ عارضی چیز ہے، آتی اور چلی جاتی ہے یہ دوسرا معنیٰ ہے، تجارت کا سامان وہ ہے کہ اس کو فائدہ حاصل کرنے کے لئے بیچتا اور خریدتا ہو مثلاً کپڑے، جوتے، سواری، کتابیں وغیرہ حتیٰ کہ اگر سونے، چاندی کی تجارت کرتا ہو تو وہ سامان میں شمار ہوں گے جب برس گزر جائے یعنی یہ وقتِ وجوب ہے تو اس کی قیمت ٹھہرائے اگر

قیمت نصاب ہو توزکاۃ دے اور اس سے کم ہو تو نہیں نفسِ سامان کا نصاب نہیں ہے بلکہ سوناچاندی کے نصاب کے برابر اگر سامان کی قیمت ہو جائے تو نصاب پوراہو جائے گا گو یا قیمت کا اعتبار وجوب کیلئے ہے۔ اگر سال کے اندر اس کی قیمت نصاب سے کم ہو جائے پھر سال تمام ہونے سے پہلے نصاب پوراہو گیاتو پہلا سال منقطع ہو گیا۔ پھر نصاب پوراہونے کے وقت سے سال کی ابتداء ٹھہرائے مثلاً زید 21 رمضان کو دولاکھ روپیوں کی قیمت کے سامان تجارت کا مالک بناپھر شوال میں اس کو نقصان ہوااور سامان تجارت گھٹ کر 10 ہزار روپیوں کا ہو گیاتو اب سال منقطع ہو گیا کیونکہ سامان کی قیمت نصاب سے کم ہو گئی۔ پھر زید کو دوبارہ فائدہ ہوا اور وہ 10 ذی الحجہ کو دوبارہ دولاکھ روپیوں کے سامانِ تجارت کامالک بنااور اس سامان میں پھر نقصان نہ ہوا اور اگلے سال تک دولاکھ روپیوں کا سامان موجود رہاتو اگلے سال 10 ذی الحجہ کو اس پر زکات واجب ہو گی جس طرح نقدین اور انعام کی زکاۃ میں یعنی جسطرح سوناچاندی اور چوپایوں میں مال کا سال بھر موجود رہناوجوب زکات کیلئے ضروری ہے اسی طرح یہاں بھی سامان کا سال بھر بلاانقطاع موجود رہنا ضروری ہے سامان تجارت کی قیمت کا اندازہ نقدین میں سے اس چیز سے کرے جو نصاب ہو سکتا ہے یعنی جس کا نصاب کم ہو مثلاً سونے کے نصاب کی قیمت تین لاکھ روپئے ہے اور چاندی کے نصاب کی قیمت 60 ہزار روپئے ہے تو سامان تجارت کی قیمت جب 60 ہزار روپیوں کے برابر ہو گی تب سال کی ابتداء ہو گی کیونکہ اس میں فقیروں کا فائدہ ہے اگرچہ آپ اس طرح نہ خرید کیا ہو یعنی اگر سامان اشرفیوں کے بدلے خرید کیا ہو اور سونے کے نصاب سے وہ کم ہو اور چاندی کے نصاب کا برابر تو چاندی کی زکاۃ دینالازم ہے۔ اور جو روپیوں کی عوض کیا ہو اور نصاب نہ ہو مگر سونے سے نصاب ہے تو سونے کی زکاۃ دے اور جو روپے اور اشرفیوں کے سوا دوسری چیز کے بدلے خرید کیا ہو تو قیمت سونے سے بھی ٹھہرائے اور چاندی سے بھی۔ پھر ان دونوں میں سے جو نصاب ہو تو اسی کے

حساب زکاۃ ادا کرے۔ کیونکہ کسی جا سونا چاندی زیادہ گراں ہوتا ہے کہیں کم۔ صرافوں کے مال کا بھی یہی حکم ہے۔ صراف وہ ہے جو فائدے سے سونے چاندی کا لین دین کرتا ہے۔ اگر اس کے پاس تجارت کا سونا بقدر نصاب نہ ہو مگر چاندی کی قیمت سے نصاب ہو تو زکاۃ دے۔ اس چاندی سونے کا حکم سامان کا ہے اور نقدین کا حکم نہیں ہے یعنی جب سامان کا نصاب پورا ہو گا تب سال کی ابتداء ہو گی اگرچہ نفس سونا یا چاندی ایک ہی باقی نہ رہا اسلئے کہ تجارت میں سامان تبدیل ہوتا رہتا ہے اور اگر سامان تبدیل ہی نہ ہو تو تجارت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

مسئلہ (سامان میں صناعتِ محرمہ سے زکات پر اثر)

پچھلے صفحہ میں یہ بتلایا گیا تھا کہ اگر سونے چاندی میں صناعتِ مباحہ ہو تو اس کی زکات کی ادائیگی اور نصاب کے اعتبار کرنے کا طریقہ کیا ہے یہاں سونے چاندی میں صناعت محرمہ ہونے کی صورت میں اعتبار کرنے کا طریقہ بتلایا جارہا ہے اگر چاندی یا سونے کا کوئی برتن ہو تو نصاب اور ادائیگیٔ زکات میں اس کی قیمت کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ صنعت حرام ہے اس کی صنعت کو تلف کرنا واجب ہے کیونکہ جس کا استعمال حرام ہے اس کی صنعت بھی حرام ہے۔ جب یہ حرام ٹھہری تو اس کی قیمت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہو گا لیکن اس کی زکات ضرور واجب ہو گی کیونکہ وہ ایسا مال ہے جس میں نمو ہے۔ اسمیں لفظ وزن کا اعتبار ہے۔ اگر وہ وزن میں نصاب ہو یا وزن کے حساب سے قیمت اس کی نصاب تو زکاۃ دے اور جو وزن اور صناعیت دونوں ملکر قیمت نصاب ہو تو کچھ نہیں مثلاً کسی کے پاس دس گرام سونے کی پیالی ہو جس میں عمدہ کاریگری کی وجہ سے اس کی قیمت دس گرام سونے کی قیمت سے زیادہ ہو تو اس اضافی قیمت کا اعتبار نہیں ہو گا اور صرف دس گرام سونے کا اعتبار ہو گا۔ برتن کے سوا چاندی اور سونے کی اور چیزوں کا بھی یہی حکم ہے یعنی سونے چاندی سے بنی دوسری چیزیں جن کا استعمال حرام ہے جیسا کہ رکاب، لگام، قندیل وغیرہ کہ ان میں بھی صرف وزن کا

اعتبار ہو گا۔ ایسا ہی چاندی سونے کے سوا دوسری کسی چیز میں۔ اگر کسی حرام صفت کے سبب قیمت بڑھ گئی ہو تو معتبر نہیں مثلاً گانے والے لونڈے۔ اگر گانے کی صفت نہ ہو تو سو روپے کی تھی اور اب دو سو کی ہے تو وہی سو روپے شمار ہوں گے۔ طنبور کی قیمت وہی تراشے ہوئے لکڑی کی قیمت ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ خصی ہونے سے جانور کے قیمت زیادہ ہو جائے تو اس کا اعتبار ہے کیونکہ یہ منع نہیں ہے۔

شرط وجوب (سامان تجارت)

سامان تجارت میں زکاۃ اس وقت واجب ہے جب اسمیں دو شرائط کی تکمیل ہو پہلی یہ ہے کہ وہ اپنے فعل سے اس چیز کا مالک ہوا ہو۔ جیسا کہ بیع اور نکاح اور خلع اور قبول اور ہبہ اور وصیت ان تمام بیوع میں قبول کے بعد ملکیت حاصل ہوتی ہے گویا قبول اس کا فعل ہے پھر چاہے قبول قولی ہو یا فعلی۔مال جب معاوضہ کے ذریعہ تبدیل کرتا ہے تو معاوضہ دینا اسکا عمل ہے۔اسی طرح لکڑی کاٹ کر اجرت لینے میں اسکا عمل ہے۔ ہبہ قبول کرنے میں، وصیت کا مال قبول کرنے میں معاوضہ تو نہیں مگر اس کا فعل ضرور ہے۔اور دوسری شرط یہ ہیکہ مالک ہونے کے وقت تجارت کی نیت بھی ہو اسلئے کہ تجارت بھی ایک عمل ہے اور اسمیں نیت ضروری ہے مگر ابتداء ملکیت حاصل ہوتے وقت نیت تجارت کی کرنے کے بعد ہر وقت نیت کرتے رہنا ضروری نہیں ملکیت حاصل ہوتے وقت جو نیت کی تھی وہ کافی ہے۔ اس کا حکم ساتھ رہے تو بس ہے یعنے جب نیت تجارت سے کوئی سامان خرید کیا تو وہ تجارت کے لئے مقرر ہو گیا۔ پھر اس کو آہستہ آہستہ بیچتے یا بدلتے رہنے میں ہر وقت نیت درکار نہیں۔ وہی پہلے نیت کا حکم سب کے ساتھ متعلق ہے۔ اگر بغیر اپنے فعل کے مالک ہوا ہو جیسا ترکہ اور لقطہ میں اعلان کا سال گزرنے کے بعد جو مال ملکیت میں آتا ہے یا اپنے

فعل کے ساتھ مالک ہوا مگر مالک ہونے کے وقت تجارت کی نیت نہ تھی تو دونوں حال میں زکاۃ نہیں۔ پہلی صورت میں اپنے فعل کے بغیر مالک ہوا اور بعد مالک ہونے کی نیت تجارت معتبر نہیں یعنی اس صورت میں تجارت کی صرف نیت کرنا تجارت کے ثبوت کیلئے کافی نہیں ہو گا کیونکہ سامان اصل میں اپنے کام اور استعمال کے لئے ہے اور سامان سے تجارت کرنا عارضی امر ہے تو فقط نیت کرنے سے وہ مال تجارت کا نہیں ہوتا جب تک اس کو نیت تجارت سے بیچے یا بدل لے۔ تو اب اس عوض کا اپنے فعل سے نیت کے ساتھ مالک ہو گیا۔ اگر پہننے کا مباح زیور اپنے استعمال کے لئے رکھتا ہو تو اسمیں زکات نہیں آتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا پھر اس زیور سے تجارت کی نیت کی تو زکاۃ لازم ہے کیونکہ سونے چاندی میں اصل زکاۃ ہے۔ جب تجارت کی نیت کی تو اس کو اپنے اصل کی طرف پھیر دیا اب اس زیور میں وزن کی تقویم کیساتھ صناعت کی تقویم بھی لازم ہو گی اور ہر چیز کو اصل کی طرف پھیر دینے میں فقط نیت کافی ہے فعل ضروری نہیں نیت ایک ضعیف سبب ہے۔ نیت اصل کی طرف منتقل کر سکتی ہے لیکن اصل سے دوسری طرف منتقل نہیں کر سکتی ہے۔ ایسا ہی جس کے پاس سامان تجارت ہو اور وہ اس کو اپنے کام کے لئے رکھنے کی نیت کرلے تو اب وہ مال تجارت کا نہ رہے گا کیونکہ اصل میں سامان اپنے کام کے لئے ہے۔ جس طرح گذرا تو نیت کے ساتھ ہے اصل کی طرف پھر جائے گا۔ جس طرح مسافر نیت کے ساتھ ہی مقیم ہو جاتا ہے اور فقط نیت سے مسافر نہیں ہو جاتا جب تک کہ اپنی بستی سے پرے نہ ہو جائے۔

مسئلہ (مال نصاب کی تبدیلی کا حکم) اگر تاجر ایسی چیزیں خریدے جو بظاہر مختلف ہوں مگر ان کا نصاب ایک ہو اس طرح کہ نصاب نقد یا سامان بقدر نصاب دیگر دوسرا سامان خرید کرے یعنی تاجر نقد کے بدلے سامان یا سامان کے

بدلے سامان خریدے توپہلے مال کے مالک ہونے سے ہی ابتدائے سال ہے زکات قیمت کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور یہاں قیمت سامان میں پوشیدہ ہے اور نقد میں ظاہر ہے۔یہ ایساہی ہے جیسے نقدر قم کوایک سے دوسرے گھر منتقل کیا جائے کیونکہ تجارت اس لئے مقرر ہے کہ ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لے خواہ سامان کو نقد سے یا ایک سامان کو دوسرے اگراس تبدیل سے سال منقطع ہو جایا کرے تومال تجارت میں زکات ہی نہ رہے گی اگر اس نصاب کے عوض جانور خرید کرے یا بچے تو اول کا سال منقطع ہو جائے گا۔ بعد سے شمار کرے کیونکہ ان دونوں کا نصاب اور زکاۃ باہم مختلف ہیں نقدین اور قیمت سامان دونوں کا نصاب ایک ہے اور زکاۃ بھی وہی چالیسواں حصہ اور جانوروں کا حساب جدا ہے اور زکاۃ بھی جدا۔ اگر گھر کے چرنے والے جانوروں کے بدلے دوسرے چرنے والے جانور تجارت کی غرض سے خرید کئے توسال اول ہے سے حساب ہو گا کیونکہ چرائی بہ سبب زکاۃ ہے۔جو شخص چرنے والے جانور تجارت کی نیت سے خریدے۔ اگراس کی قیمت نصاب ہے توزکاۃ تجارت ادا کرے اور اگر قیمت نصاب نہ ہو مگر انعام کا نصاب ہو تو وہی مثلاً چالیس بکریاں مول لیں اور اس کے دوسو درہم بیس مثقال قیمت ہے تو وہی پانچ درہم یا آدھا مثقال دے اور اس سے کم قیمت ہے تو وہی ایک بکری۔ اس سے معلوم تجارت چرائے پر مقدم ہے۔

مسئلہ (نیل اورزعفران کی زکوۃ) :

جو شخص ایسی چیز خریدے جس سے رنگتے ہیں یا دباغت کرتے ہیں اور اس کا اثر باقی رہتا ہے تو وہ سامان تجارت ہے سال پورے ہونے پر اس کی تقویم کی جائے گی کیونکہ رنگریز کپڑوں پر قائم رہنے والے رنگ کے بدلے ثمن لے رہا

ہے تو اسمیں تجارت کا معنی آتا ہے لہذا اس میں زکاۃ ہے جیسا نیل اور زعفران اور مازو۔ ایسا ہی وہ چیزیں جن کو دباغ دباغت کی خاطر خرید تا ہے مثلاً عفص، قرظ اور وہ چیزیں جن سے تدھین کرتے ہیں مثلاً تیل اور نمک ان میں بھی زکات ہے کیونکہ ان کا اثر چمڑے پر باقی رہتا ہے اور اس کے بدلے دباغ ثمن لیتا ہے کاریگر کے آلات اور دوکانداری کا سامان اور عطار کے شیشے اور اس کے مانند ان چیزوں میں زکاۃ نہیں کیونکہ ان اشیاء کی تجارت نہیں کی گئی۔ ہاں اگر شیشے اور اس کے مانند ان اشیاء کے ساتھ ملا کر بیچتا ہو تو دینا ہوگا۔

مسئلہ (کرایہ کیلئے دیئے گئے گھر کی زکوۃ) :

اگر زمین یا مکان یا جانور یا کار یا موٹر سیکل کرایہ کے حاصل کرنے کو رکھا ہو تو اس زمین یا مکان یا جانور یا کار یا موٹر سیکل کی قیمت ٹھہرا کر زکاۃ دینا لازم نہیں کیونکہ یہ مال تجارت نہیں ہے گھر میں یا جانور میں زکات اس وقت آئے گی جب اس کی تجارت کی نیت ہو۔ ہاں کرایہ سے جو روپیہ جمع ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو وہ نقدین کی زکاۃ ہے۔ انھیں شرطوں سے، اگرچہ وہ شخص زکاۃ سے بچنے کے لئے بہت سی زمینیں خرید کر رکھا ہو۔ اکثر کا یہی قول ہے۔ بعضوں نے کہا اور حیلوں کی طرح یہ حیلہ بھی مفید نہیں۔

زکات فطر کا بیان

فطر روزہ کھولنے کے معنے ہیں۔ یہ اضافت ہے یعنی زکات فطر میں سبب کی طرف اضافت ہے یعنے وہ زکاۃ جس کا سبب فطر ہے۔ جب رمضان کا مہینہ پورا ہو جاتا ہے تو یہ زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ فطرہ خلقت کو کہتے ہیں۔ زکات فطر کا مطلب یہ ہیکہ یہ بدن کی زکاۃ ہے اور مال کی زکاۃ کی طرح فرض رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صدقۂ فطر کو روزہ دار کی لغویات اور فحش گوئی سے پاک کرنے والا قرار دیا ہے۔

شرائط زکات فطر:

یہ زکاۃ ہر مسلمان پر واجب ہے یہاں واجب بمعنیٰ فرض ہے۔ مکلف ہو یا لڑکا یعنی مسلمانوں کے کم عمر فرزندان اور دختران، آزاد ہو یا غلام، عورت ہو یا مرد، شہر کا رہنے والا ہو یا جنگل کا حضرت مصنف نے اہل بادیہ کا ترجمہ جنگل کا رہنے والا سے کیا ہے۔ اہل بادیہ سے مراد وہ افراد ہوتے ہیں جو ایک مقام سے دوسرے مقام رحلت کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان کی معیشت انکے مویشیوں پر منحصر ہوتی ہے لہٰذا جہاں چراگاہ مل جاتی ہے وہ وہیں سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسطرح وہ مسافر کی طرح کا حکم رکھتے ہیں۔ ان پر نماز جمعہ اور نماز عیدین بھی فرض نہیں ہوتی ہے۔ غالباً اسی لئے فقہاء تابعین میں زہری، ربیعہ، لیث علیہم الرحمہ کے نزدیک اہل بادیہ پر زکات فطر واجب نہیں ہے لیکن علماء حنابلہ کے نزدیک یہ ان پر بھی واجب ہے۔ غلام مکاتب ہو تو اسی پر واجب ہے کیونکہ مکاتب کا نفقہ اسی کے ذمہ ہوتا ہے تو اس کا فطرہ بھی اسی پر ہوگا نیز مکاتب پر اپنی بیوی اور اپنے ان اقرباء کا بھی فطرہ لازم ہوتا ہے جن کا نفقہ اس پر لازم ہوتا ہے مثلاً اس کا وہ بیٹا جو کتابت میں اس کا تابع ہو۔ وتلزم المکاتب فطرة زوجته وفطرة قریبه ممن تلزمه مؤنته کولده التابع له

فی الکتابۃ (الاقناع)**اور غیر مکاتب** کا فطرہ اسکے **مالک پر یتیم کی طرف سے اس کا ولی اس کے مال سے ادا کرے** جیسا کہ اس کا ولی اس کے مال سے اس کی دیگر ضروریات کیلئے خرچ کرتا ہے۔وجوب زکات فطر کیلئے نصاب کا مالک ہونا شرط نہیں بلکہ زکات فطر کی ادائیگی پر قدرت لازم ہے **جس کے پاس عید کی رات میں یا دن میں اس کے اور اس کے عیال کے کھانے پینے سے ایک صاع بچ رہے حاجات ضروری کے سوا** زکات فطر کے واجب ہونے کیلئے نصاب کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے۔ولا یشترط لوجوبھا الغنی بنصاب(الکافی)۔**اسلئے کہ یہ ایسا مالی حق ہے جو مال کی زیادتی سے نہیں بڑھتا ہے** جیسا کہ کفارہ میں ہوتا ہے۔لانھا حق مالی لا یزید بزیادۃ المال کالکفارۃ(الکافی)-**اس کی حاجت ہو یا ان کی جن کا نفقہ اس پر لازم ہے کیونکہ پہلے اپنی ذات سے، پھر عیال پھر** فقراجب حاجات اصلیہ کو چھوڑ کر ایک ہی صاع موجود ہو تو صرف اپنی طرف سے زکات فطر دے اور اگر بعض صاع بچتا ہو اس کو صرف اپنی زکات فطر کی ادائیگی میں صرف کرے۔اگر ایک صاع سے کچھ زیادہ بچتا ہو تو اپنی طرف سے ایک صاع دے اور بقیہ اپنی اہل کی طرف سے دے۔وان لم یفضل الا بعض صاع لزمہ اخراجہ عن نفسہ فان فضل صاع و بعض صاع اخرج الصاع عن نفسہ وبعض الصاع عمن تلزمہ نفقتہ(الاقناع)**اگر چند صاع ہوں اور سب کی طرف سے ادائیگی ممکن نہ** ہو تو پہلے اپنی طرف سے دے پھر اپنی بیوی، پھر غلام، پھر اپنی ماں، پھر اپنے بیٹے، پھر اس ترتیب میں ادا کرے جو علم میراث میں مذکور ہے۔یہاں تین قسم کے افراد ہیں:پہلی قسم:اپنی بیویاں۔دوسری قسم:اپنے غلام۔تیسری قسم:اپنے اقارب۔جس شخص پر ان افراد کا نفقہ لازم ہوگا اس پر ان کی زکات فطر ادا کرنا بھی لازم ہوگا جب کہ وہ اس پر قادر ہو۔**ضروری حاجتیں مکان ہے اور خدمتی غلام اور سواری کا جانور یا موٹر سیکل وغیرہ اور پہننے کے کپڑے اور علم کی کتابیں جس کے دیکھنے اور یاد رکھنے کی حاجت ہے اور عورت کا زیور جس کو پہنتی ہو یا اس کے کرایہ سے اپنا**

نفقہ کرتی ہو ان اشیاء کا تعلق حاجات اصلیہ سے ہے اور فطرہ اس سے بھی اہم ہے اسلئے یہ زکات فطر پر مقدم ہیں۔ بہوتی نے کہا کہ ابن تیمیہ نے اختیارات میں کتب اور عورت کے زیور کا ذکر نہیں کیا اس کو ابن قدامہ اور شارح نے بیان کیا۔لکن ما ذکرہ من الکتب وحلی المراۃ ذکرھا الموفق والشارح(کشاف القناع)۔ منتھی الارادات میں کتب کا ذکر ہے۔ بہوتی نے زیور کا شرح میں اضافہ کیا۔ الاقناع میں کتب اور زیور دونوں کا ذکر ہے۔ کذا کتب یحتاجھا للنظر والحفظ وحلی المراۃ للبسھا او لکراء یحتاجھا اور اس کے مانند اس کا دین یعنی قرض کیونکہ یہ زکاۃ مال نہیں ہے۔ ہاں اگر قرض خواہ تقاضہ کرے تو وہی مقدم ہے۔ اگر کسی کے پاس صدقۂ فطر کی مقدار موجود ہو اور اسی کے بقدر اس پر قرض بھی ہو تو صدقۂ فطر ادا کرنا لازم ہے۔ فطرہ کے وجوب سے قرض مانع نہیں ہے کیونکہ اس کی تاکید زیادہ ہے نیز فطرہ بدن کی زکات ہے اور قرض کا اثر بدن میں نہیں ہوتا ہے بلکہ مال میں ہوتا ہے البتہ قرض کے مطالبہ کے وقت فطرہ کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ مطالبہ کے وقت یہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے اور اسکی تاکید بھی ہے کہ تنگی بھی ہو تو دوسرے شخص کا حق ساقط نہیں ہوتا ہے نیز قرض کا سبب فطرہ کے سبب سے پہلے موجود تھا۔

مسئلہ (کس کس کی طرف سے زکات فطر دیں)

یہ زکاۃ مانع نہیں ہے۔ اپنی طرف سے دے اور مسلمانوں میں اس کی طرف سے جس کا نفقہ اس پر لازم ہے یعنی جس صاحب قدرت مسلمان پر اس کا فطرہ لازم ہے اس پر ان تمام مسلمانوں کا فطرہ بھی لازم ہے جن کا نفقہ اس پر لازم ہے جیسا جورو اور بچے اور غلام اس طرح صاحب قدرت پر تین قسم کے افراد کا فطرہ لازم ہے۔ پہلا اپنی بیویوں کا، دوسرا اپنے اناقارب کا جن کا نفقہ اس پر ہے اور تیسرا اپنے غلام کا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ اگر غلام تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت میں زکاۃ مال ہے اور ہر ایک کے واسطے زکاۃ فطر بھی۔ یہاں ایک ہی مال میں دو قسم کے اسباب

جمع ہو گئے۔ اسلئے ہر ایک کی علیٰحدہ زکات ادا کرنا لازم ہے۔ **اگر غلام کی جوروو غیرہ ہو تو اس کا بھی دے کیونکہ اپنے** غلام کی جورو کا نفقہ بھی مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔ اگر چہ اسکی جورو آزاد ہو۔ اسی طرح شرح المنتھیٰ اور کشاف القناع میں ہے۔ **ایسا ہی ماں باپ اور بھائی بہن اور دوسرے اقارب** کا فطرہ ادا کرنا اس پر لازم ہے **اگر وہ عاجز ہوں اور ان کو نفقہ دیتا ہو** کیونکہ یہ قاعدہ عمومی کے تحت آگیا کہ جس کا نفقہ اس پر لازم ہو گا اس کی زکات فطر بھی اسی پر لازم ہو گی اسی **طرح رشتہ دار کی جورو اگر اس کا نکاح کروادینا اور اس کی جورو کی پرورش کرنا اس پر لازم ہو۔ اگر رشتہ دار کافر کی پرورش کرتا ہو تو اس کی طرف سے کیوں کہ یہ زکات طہارت ہے اور کافر طہارت کے لائق نہیں۔ اس کی طہارت اسلام ہے اگر چہ کافر غلام ہو، انا کو کا کسی اور کو نوکر رکھا ہو کھانے پر تو اس کے لئے نہیں کیونکہ نوکر کا** نفقہ اس پر لازم نہیں ہوتا ہے بلکہ اس پر نوکر کی اجرت لازم ہوتی ہے۔ **اور نہ وہ جس کا نفقہ بیت المال پر لازم ہے جیسا کہ لقیط اور مال غنیمت کا غلام** جس کی تقسیم ابھی نہ ہوئی۔ لقیط اس نومولود بچہ کو کہتے ہیں جس کو کسی نے راستہ پر چھوڑ دیا ہو اور اس کے والدین کا علم نہ ہو۔ **ہاں اگر کسی شخص پر** احسان کرتے ہوئے **اس کو رمضان کا پورا مہینہ کھانا دے تو زکاۃ بھی دے** یعنی اس پر یہ دینا لازم ہے کیونکہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تعمیم ہے: ادوا صدقة الفطر عمن تمون۔ اس کا صدقۂ فطر ادا کرو جس کی تم کفالت کرتے ہو۔ الاقناع میں ہیکہ: ومن تبرع بمؤنة مسلم شهر رمضان كله لزمته فطرته **اگر مہینہ بھر نہ دیا یا مہینے سے زیادہ دیتا رہا تو نہیں۔**

مسئلہ (فطرہ دینے کی ترجیحی تفصیل) اگر سب کی طرف سے دینے میں عاجز ہو تو پہلے اپنی طرف سے دے کیونکہ نفقے میں اپنی ذات مقدم ہے۔ تو ایسا ہی زکاۃ میں۔ **پھر کچھ بچ جائے تو جورو کی طرف سے** کیونکہ ہر حال میں اس کا نفقہ لازم ہے۔ تونگر ہو یا مفلس اور اس کا نفقہ بدل استمتاع ہے **پھر غلام کی طرف سے** کیونکہ ہر حال

میں اور مفلسی دونوں حال میں میاں پر ثابت ہے۔ پھر ماں کی طرف سے کیونکہ ماں کی خدمت باپ سے مقدم ہے۔ پھر باپ پھر اولاد کیونکہ فی الجملہ ان کا نفقہ بھی واجب ہے۔ اگر اس کا نابالغ لڑکا مالدار ہو تو اس کا فطرہ اس کے مال سے نکالے۔وتجب فی مال صغیر تلزمه مؤنة نفسه لغنائه بمال او كسب ويخرجها ابوه منه(كشاف القناع) اگر کئی بچے ہوں اور سب کو کفایت نہ کرے تو قرعہ ڈالے۔ اولاد کے بعد پھر قرابت والے بترتیب یعنے جو نزدیک والا ہو وہ دور والے سے مقدم ہے۔ جس طرح کہ میراث میں اگر وہ قرابت والے مساوی ہوں اور ایک صاع سے زیادہ نہ ہو تو وہی قرعہ ڈالنا چاہیئے۔ اگر ایک غلام کئی شریکوں کا ہو تو ان سب پر ایک صاع ہے۔ اپنے ملک کی مقدار ہر ایک ادا کرے۔ جس کا آدھا حصہ ہے وہ آدھے صاع، پاؤ ہو تو پاؤ جس طرح نفقہ دیتے ہیں ایسا ہی جس کا نفقہ دو کے ذمے ہو یا زیادہ کے تو ہر ایک اپنے حصے کے موافق ادا کرے کہ اصل پورا ہو جائے کیونکہ فطرہ نفقے کا تابع ہے پیٹ میں جو بچہ ہو اس کی بھی طرف سے دینا مستحب ہے جورو اگر حکم میں نہ ہو یعنی نافرمان ہو تو اس کا نفقہ ساقط ہے۔ ایسا ہی فطرہ اور اس منکوحہ لونڈی کا فطرہ شوہر پر واجب نہیں جو میاں یعنی مالک کی خدمت میں رہتی ہے اور رات کو شوہر کے پاس بھیجی جاتی ہے فطرہ تو میاں پر ہے یعنی کسی ادمی نے ایک لونڈی سے شادی کی اور وہ اس کے پاس صرف رات کو بھیجی جاتی ہے اور دن بھر وہ اپنے آقا کی خدمت میں رہتی ہے تو اس کا فطرہ آقا پر اس لئے لازم ہو گا کہ وقتِ وجوب وہ اپنے آقا کی خدمت میں موجود تھی۔

مسئلہ (فطرہ دوسرے ادا کرنا) جس کا فطرہ غیر پر لازم تھا یعنی جس شخص کے فطرہ کی ادائیگی کسی دوسرے پر لازم تھی مگر اس نے خود آپ ادا کیا تو ایسا ادا کر لینا جائز ہے پھر چاہے جس پر ادائیگی لازم تھی اس سے اجازت لی گئی ہو یا نہ لی گئی ہو جیسا جورو کہ اس کا فطرہ شوہر پر لازم تھا اگر وہ خود آپ دیدے تو ہو سکتا ہے کیونکہ ابتدائے مخاطب وہی

ہے دوسرا اس کا نائب ہو کے اُٹھالیا ہے۔ جس شخص پر غیر کا فطرہ لازم ہو تو دینے والا جہاں ہو اپنے فطرے کے ساتھ اس کا بھی دے سکتا ہے وہ اس جگہ ہو یا نہ ہو۔ اس کی شرح اگلے صفحات پر بیان ہو گی۔ جس شخص کا فطرہ لازم نہ ہو اس کی طرف سے کوئی دے تو اس کے اذن سے جائز ہے بے اذن نہیں اسلئے کہ اجازت کے بعد ہی وہ اس کا نائب ہو گا۔ اگر بغیر اجازت ادا کر دے گا تو اس کا نائب نہ ہونے کی وجہ سے یہ ادا کرنا فطرہ کی ادائیگی کیلئے ناکافی ہو گا۔

وقت وجوب

عید کی رات شروع ہوتے ہی فطرہ واجب ہوتا ہے کیونکہ اخبار میں اضافت اس صدقے کی فطر یعنی روزوں کے ختم ہونے کی طرف کی گئی اور یہ اضافت خصوصیت اور سبب کو چاہتی ہے تو گویا یہ صدقہ فطر کیساتھ خاص ہے اور فطر کے سبب سے ہے۔ جب رمضان پورا ہو جائے اور پچھلے دن کا آفتاب غروب ہو تو اب یہاں سے افطار کی ابتداء ہے اور وہی سبب وجوب۔

مسئلہ (رمضان ختم ہونے کے بعد پیدا ہونے والے یا مسلمان ہونے والے کا حکم)

جو بچہ غروب کے بعد پیدا ہو یا کافر مسلمان ہو یا مرد نکاح کرلے تو اس کا فطرہ واجب نہیں کیونکہ اس نے وجوب کا وقت نہیں پایا۔ اگر غروب سے پہلے یہ امور ہوتے تو واجب تھا یعنی غروب سے پہلے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے یا کوئی کافر مسلمان ہوتا ہے یا کوئی مرد نکاح کرتا ہے تو دلہن کی زکات فطر شوہر پر بچہ کی والد پر، نو مسلم کی خود اس پر واجب ہوتی ہے۔ اگر غروب سے پہلے کوئی مر جائے یا مفلس ہو جائے تو لازم نہیں کیونکہ وقت وجوب ادائیگی کی قدرت

نہیں پائی گئی۔ ایسا ہی اگر اپنے غلام کو آزاد کر دیا یا بیچ ڈالا جورو کو طلاق دیا یا رشتہ دار تونگر ہو گیا تو ساقط ہے کیونکہ وقتِ وجوبِ فطرہ، اس پر سے ان افراد کے نفقہ کا وجوب ساقط ہو گیا۔

وقت ادا:

افضل یہ ہے کہ عید کے دن نماز سے پہلے فطرہ نکالے۔ نماز کے بعد مکروہ ہے اور قدرت ہوتے ہوئے عید کے دن سے تاخیر کرنا حرام ہے کیونکہ فطرہ کا مقصد عید کے دن فقراء و مساکین کو طلب سے فارغ کرنا ہے لہٰذا تاخیر کرنے سے امر کی مخالفت آئی۔ جب عید کا دن گزر جائے تو قضا ہے، ادا نہیں۔ بہر حال دینا لازم ہے۔ اول ہو یا قضا کیونکہ فطرہ دینا فرض عبادت ہے اور فرض عبادت وقتِ ادا گزر جانے کے بعد بھی ساقط نہیں ہوتی ہے ۔ عید سے دو دن آگے بھی دینا جائز ہے عید سے دو دن پہلے دینا بھی مکروہ نہیں ہے کیونکہ دو دن پہلے دینے سے کچھ فطرہ فقراء و مساکین کے پاس عید تک موجود رہے گا جو ان کو مانگنے سے فارغ رکھے گا لہٰذا فطرہ کا مقصود ساقط نہ ہو گا اگر دو دن پہلے بھی ادا کیا جائے گا۔ اس سے پہلے جائز نہیں اگر دو سے زیادہ دن پہلے ادا کیا جائے گا تو عید کے دن پھر محتاجوں کو پھر مانگنے کی ضرورت پیش آئے گی جس سے فطرہ کا مقصود ساقط ہو جائے گا ۔

مقدار زکات (فطر)

فطرے کی مقدار ایک صاع ہے ایک صاع = 2212 گرام۔ ان پانچ اجناس میں سے کوئی ایک جنس ایک صاع ادا کر دی جائے تو کافی ہو گا: گیہوں ہو یا جو یا کھجور یا کشمش یا اقط۔ اقط وہ چیز ہے جو دہیں سے بناتے ہیں اقط قرص کی شکل کے ہوتے ہیں اسے دودھ منجمد کرکے بناتے ہیں یا پانچوں قراین ملے ہوئے ہوں یعنی ان پانچوں اجناس:

گیہوں، جو، کھجور، کشمش اور اقط ملا کر ایک صاع دینا بھی کافی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا ایک صاع جب جائز ہے تو ان سب کا مجموعی ایک صاع بھی جائز ہے۔ کشاف القناع میں ہیکہ ان پانچ اجناس کے علاوہ کوئی جنس دینا جائز نہیں ہے جب کہ ان اجناس کی تحصیل ممکن ہو۔ ان اجناس کے وزن کے برابر قیمت دینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ غیر منصوص ہےولا یجزئ غیر ھذہ الاجناس الخمسة مع قدرته علی تحصیلھا ولا القیمة (الاقناع) اور اسی طرح شرح منتہٰی اور المغنی میں ہے۔ **افضل کھجور پھر کشمش پھر گیہوں پھر جو** المغنی میں ہیکہ اصحاب رسول اللہ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کھجور فطرہ میں دیتے تھے اسی لئے امام احمد نے اس کو اختیار کیا۔ نیز کھجور میں قوت اور حلاوت ہے جو طبعیت کو مرغوب ہے اور اس میں گرانی کم ہے لہٰذا یہ اولٰی ہے اس کے بعد فوائد کے حساب سے کشمش ہے اور پھر جو ہے۔ **اگر آٹا بے ستو گیہوں یا جو کا دے تو بھی جائز ہے مگر اس کا وزن گیہوں اور جو سے کم نہ ہو، اگرچہ ناپ میں برابر ہو** الاقناع اور شرح منتہٰی میں ہیکہ گیہوں اور جو کا ستو دینا بھی کافی ہے، **آٹے کو چھانا اور بھوسا نکالنا ضروری نہیں** اسلئے کہ بھوسا بھی اصل میں دانہ کا ہی حصہ ہوتا ہے۔ ہمارے دور میں بھوسے والے آٹے کو اطباء ترجیح دے رہے ہیں کیونکہ اسمیں غذائیت زیادہ ہوتی ہے نیز اس میں دافع امراض اجزاء بھی پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ **روٹی فطرے میں دینا جائز نہیں کیونکہ وہ ناپ اور تول سے خارج ہے** اسی طریق پر ھریسہ بھی درست نہیں ہے۔ **ایسا ہی کرم خوردہ چیز یا بھیگے ہوئے یا پرانے اجناس جس کا مزا بگڑ گیا ہو دینا ناجائز ہے** اور اگر مزہ اور بو نہ بگڑے ہوں تو پرانے دے سکتے ہیں لیکن نئے دینا افضل ہے **یا دوسری ناجائز چیز ملی ہوئی۔ جیسا گیہوں کے ساتھ افران ملی ہوئی ہو** یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ زوان ہے جو کہ گیہوں سے مشابہہ ایک جنس ہے جو گیہوں کیساتھ اگ جاتی ہے اور اسے اکثر گیہوں کیساتھ ملا کر بیچ دیا جاتا ہے اس کو فطرہ میں دینا غیر منصوص ہے لہٰذا اس کا دینا جائز نہیں ہے۔ جب یہ گیہوں میں زیادہ مقدار میں ملی ہوئی ہو تو یہ ناجائز ہو گا۔ **اگر گیہوں کے ساتھ جو ملے ہوئے ہوں تو مضایقہ نہیں کیونہ وہ ناجائز**

نہیں۔ اگر ذری سی ناجائز نئے ملی ہوئی ہو تو مضایقہ نہیں مگر چاہئے مقدار کچھ بڑھادے کہ چنے کی مشقت نہ ہو اور اصل مقدار کے برابر ہو جائے۔ امام نے فرمایا صاف کئے ہوئے چیز دینا مجھے پسند ہے۔ اگر ان پانچوں چیزوں میں سے کوئی نہ ہو تو اناج کی کوئی بھی قسم دینا جائز ہے یاوہ پھل جو غذا ہو سکے جیسا جوار اور باجرا اور چاول اور مسور اور انجیر خشک کیونکہ یہ منصوص علیہ اجناس سے مشابہہ ہیں لیکن منصوص علیہ اجناس کی تحصیل ممکن ہوتے ہوئے ان اجناس کا فطرہ دینا ادائیگی کیلیئے کافی نہ ہو گا۔ ابن حامد نے کہا پھل اور اناج کے سوادوسری شئے جو غذا ہو سکتی ہے وہ بھی درست ہے جیسا دودھ اور گوشت لیکن یہ مفتی بہ قول نہیں ہے۔ ظاہر مذہب یہ ہیکہ منصوص علیہ اجناس ہی فطرہ میں دئے جائیں۔

مسئلہ (فطرہ کی اجتماعی یا انفرادی ادائیگی)

اگر ایک جماعت اپنا فطرہ ایک شخص کو دیدے تو جائز ہے کیونکہ فطرہ میں کسی طرح کی تعیین کی شرط نہیں ہے یا ایک شخص اپنا فطرہ جماعت پر تقسیم کر دے تو جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ ہر شخص کو گیہوں ایک مد سے اور دوسری اشیاء دومد سے کم نہ دے کیونکہ فطرہ کا مقصد فقراء کو عید کے دن مانگنے سے غنی کرنا ہے۔ اگر ایک مد سے کم دیا جائے گا تو اس کی پھر مانگنی کی حاجت باقی رہے گی۔ اگر زید نے اپنا فطرہ عمر کو دیا پھر عمر نے اپنا فطرہ زید کو تو درست ہے اگر دونوں لینے کے مستحق ہوں ایسا کرنا سلئے جائز ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک پر فطرہ واجب ہوا جبکہ دونوں زکات کے مستحق بھی تھے۔ اگر دونوں نے یا کئی شخصوں نے اپنا اپنا فطرہ امام کے پاس لا کر رکھ دیا اور امام نے اس

کو بانٹ دیا اور ہر ایک کو اس کا دیا ہوا فطرہ ہی پلٹ آیا تو مضایقہ نہیں۔ ہاں اگر یہ حیلہ ہو فطرہ بچانے کا تو درست نہیں۔

مسئلہ ادائی زکات:

جب زکاۃ دینا واجب ہو جائے تو فوراً بلا تاخیر ادا کرے۔ جس طرح نذر مطلق اور کفارہ کیونکہ امر مطلق اس بات کو چاہتا ہے کہ اسی وقت اس کو بجالائے امر یہ ہے:آتوا الزکاۃ یعنی زکات دو اور فوری تعمیل امر کرنا اس آیت سے ثابت ہے :ما منعک الا تسجد اذ امرتک یعنی تجھے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا۔ معلوم ہوا تاخیر موجب عقاب ہے۔ جس طرح سائی عجلت کرے تو ساتھ ہی دینا لازم ہوتا ہے "سائی" کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ ساعی ہے اور اسلئے کہ فقیر کو سر دست اس کی حاجت ہے اور تاخیر میں ضرر۔ اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ مال فوت ہو جائے تو ادائی اس کی مشکل ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ کوئی ضرر جان یا مال یا دین یا معیشت کا یا اس کے مانند در پیش نہ ہو اور مستحق کو دینا ممکن ہو۔ اگر اس وقت دفع ضرر ضروری ہو یا مستحق فی الفور نہ ملے یا اور کسی وجہ سے اس وقت نہ ہو سکے تو مضایقہ نہیں۔ اگر اشد حاجت کے لئے یا اپنے مستحق رشتہ دار یا پڑوسی کے دینے کو دیر کرے تو جائز ہے اسلئے کہ رشتہ دار کو دینے میں زکات کی ادائیگی اور صلہ رحمی دونوں داخل ہیں جبکہ پڑوسی کو دینے میں حسن سلوک بھی ہے۔ ایسا ہی اگر مال سے مقدار زکاۃ نکالنا سر دست نہ ہو سکے اس سبب سے کہ مال دور ہو یا کسی کے ذمہ پر ہو یا مال کا غصب یا سرقہ ہوا یا مال قرض میں مستغرق ہوا اگرچہ دوسرے مال میں سے دے سکتا ہے کیونکہ اصل بھی ہے کہ ہر ایک مال کی زکات اس میں سے ادا کی جائے۔ دوسرے مال سے ادا کرنا رخصت

ہے اور یہ باعث حرج ہے نیز زکات مواسات و غمخواری ہے لہٰذا اس میں یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ صاحب مال پر زکات کیوجہ سے تنگی آئے۔ زکات میں اصل بھی یہی ہیکہ جن اموال میں زکات آئے ان میں سے ہر ایک مال کی زکات اس میں سے ادا کی جائے۔ دوسرے ہی سے ادا کرنا رخصت ہے تو رخصت باعث حرج نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ (زکات کی فرضیت کا انکار):

جو شخص مکلف یعنی آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہونے کے باوجود زکات کے فرض ہونے کا منکر ہو جائے اور اس کو معلوم ہو کہ زکات فرائض خمسہ میں سے ہے تو وہ کافر ہے۔ ایسا ہی جو شخص ہو جاہل یعنی اس کو علم نہ ہو یا نو مسلم یا اہل بادیہ ہو اور اسے معلومات نہ ہوں تو اسے سکھایا جائے گا تاکہ وہ اپنی خطا سے رجوع کرے اور اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا کیونکہ وہ معذور ہے پھر اس کو آگہی ہو جائے اور فرضیت جان لینے پر بھی انکار پر اڑا رہا تو اس نے ارتداد کیا کیوں کہ وہ خدا اور سول کو جھٹلانے والا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے کیونکہ اب اسکی معذوری زائل ہو گئی جو پہلے اس پر کفر کے احکام نافذ ہونے سے مانع تھی مرتد کو تین دن تک توبہ کرنے کا حکم کریں۔ اگر مان لے اور توبہ کرے تو خیر نہیں تو قتل کیا جائے صحیح بخاری کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب مکلف مسلمان مرتد ہو جائے تو اسے قتل کیا جائے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: من بدل دینه فاقتلوه۔ دراصل مرتد کو فقط ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اسلئے کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور ارتداد کو پھیلانے کا ذمہ دار بھی ہو سکتا ہے۔ انکار فرضیت کفر ہے اگرچہ وہ زکات دیا کرے۔ اور انکار کے ساتھ زکات بھی نہ دے تو جبر سے لینا چاہئے یعنی کفر سے پہلے اگر زکات اس پر واجب تھی تو اس سے جبراً لینا چاہئے کیونکہ اب کفر کرنے سے وہ زکات ساقط نہیں ہو گی اور

انکار کے عوض قتل۔ اگر اس کا انکار نہ ہو مگر بخل سے زکات نہ دے تو کافر نہیں جبراًلیں جسطرح قرضدار کنجوشی کے سبب قرض ادانہ کرے تو جبراًلیا جاتاہے کہ وہ قرضخواہ کا حق ہے اسی طرح زکات بھی اس کے مال میں مستحقین کا حق ہے لہٰذاامام عادل اس سے لے گااور اس کے مستحقین میں تقسیم کرے گا۔ **جس طرح آدمی کا قرض لیتے ہیں۔ اگر وہ جانتاہو کہ تاخیر کرنا حرام ہے تو اس کو تعزیر بھی دیں** یعنی امام عادل اسے سزادے گا اگر امام عادل موجود نہ ہو تو عامل سزادے گا کیونکہ یہاں وہ امام کا قائم مقام ہے۔یہ سزانی حد ہے نہ کفارہ بلکہ فقط ترک فرض کی تعزیر ہے۔ **تابعین** یہ تحریری غلطی ہے صحیح لفظ "مانعین" یعنی زکات دینے سے منع کرنے والے **لڑنے کو آمادہ ہو جائیں تو امام ان سے مقابلہ کرے اور مارے یہاں تک کہ اطاعت قبول کریں اور زکات دیں اس لڑنے کے سبب سے وہ کافر نہ ہوں گے کیوں کہ یہ مانع ہیں، منکر نہیں** یعنی وہ زکات کی فرضیت کے قائل ہیں منکر نہیں۔

مسئلہ نیت (زکات)

زکات دینے میں مکلف کو نیت ضرور ہے الاقناع میں ہے ولا یجزئ اخراجھا الا بنیة المکلف ۔زکات دینے میں نیت شرط ہے بغیر اس کے زکات کی ادائیگی نہیں ہوتی ہے کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جو ہر سال فرض ہوتی ہے لہٰذا اسمیں تفریق صرف نیت سے ہوتی ہے۔ نیز فقراء و مساکین کو دئے جانے والے مال کے بہت سے جہات ہیں مثلاً کفارہ، نذر، صدقۂ نافلہ، وغیرہ۔ لہٰذا نیت سے ہی ان اموال میں تمیز ہو سکتی ہے۔ حضرت مصنف نے جب کہا کہ "مکلف" کو نیت ضرور ہے تو یہ سمجھنا ضروری ہیکہ جب غیر مکلف مثلاً بچہ اور دیوانہ کے اموال میں سے زکات ادا کی جائے گی تو ان کے اولیاء کو ادائیگی کی نیت کرنا چاہئے۔ **افضل یہ ہے کہ نیت دینے کے ساتھ ہو۔ اگر تھوڑا سا آگے بھی ہو تو جائز ہے۔ جس طرح نماز میں** نیت نماز شروع کرنے سے بالکل پہلے کی جاتی ہے اسی طرح ادائیگی سے تھوڑے سے وقفہ قبل

نیت کی جانی چاہئے گویا یہ نیت ادائیگی کیساتھ ہو گی۔ اگر ادائیگی کے بہت دیر بعد نیت کی جائے تو یہ کافی نہ ہو گی۔ **نیت کا محل دل ہے۔ ایساہی سب اعتقادی اُمور کا** یعنی زبان سے کہنا شرط نہیں ہے دل میں نیت کا حاضر رہنا ضروری ہے۔ **اگر جبر سے لیا جائے** یعنی امام یا اس کا نائب جبراً لے جبکہ صاحب مال خود زکات ادا کرنے سے منع کر رہا ہو **تو بلا نیت بھی اس شخص کے ذمہ سے ادا ہو جاتی ہے** یعنی دوبارہ اس سال میں اسی مال کی زکات کی ادائیگی کا اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں ظاہراً زکات کی ادائیگی ہوئی اور وہ اس طرح کہ زکات جس مال میں واجب ہوئی اس مال میں سے مستحقین کو دیا گیا۔ البتہ یہ باطنی طور پر ادا نہ ہوئی کیونکہ اسمیں ادائیگی کی نیت نہیں پائی گئی اسی طرح الاقناع اور شرح المنتھیٰ میں ہے، البتہ اگر صاحب مال خود مال تک نہ پہنچ سکتا ہو اور امام یا ساعی وہاں پہنچ کر زکات اس کے مال میں سے لے تو یہ ادائیگی **ظاہر و باطن دونوں طرح** سے کافی ہو گی کیونکہ اس وقت امام اور اس کے نائب کو صاحب مال پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی نیت ہی صاحب مال کی نیت ہو گی جیسا کی مجنون یا صغیر کے ولی کی نیت ہوتی ہے ۔**زکات مال میں فقط زکات کی نیت کرے یا صدقہ واجب یا صدقہ مال کی۔ اور فطری میں زکات کی یا صدقہ فطر کی، فقط صدقہ کی نیت کافی نہیں** کیوں کہ یہ یعنی لفظ "صدقہ" **نفل اور فرض دونوں کو شامل ہے**، اس طرح نیت کرنے میں شک ہے **یقین نہیں** اور نیت میں یقین اور پختگی لازم ہے۔ **اگر اپنی تمام مال خیرات کر دے بغیر نیت صدقہ واجب کے تو بھی زکات ادا نہ ہو گی زکات کہنے میں فرض کی قید ضروری نہیں۔ زکات تو فرض ہی ہوتی ہے اور مال کا تعین بھی ضروری نہیں کہ یہ زکات فلاں مال کی ہے خواہ مال ایک ہو یا مختلف** مثلاً زید کے پاس چالیس لاکھ روپیوں میں زکات واجب ہوئی جس میں بیس لاکھ روپئے اس کے پاس موجود ہیں اور باقی کسی دوسرے مقام پر ہیں اب اگر وہ پچاس ہزار

روپئے بطور زکات ادا کردے گا تو یہ درست ہو گا اور اسے صرف باقی پچاس ہزار بطور بطور زکات ادا کرنا ہو گا۔ لہٰذا اسمیں مال کی تعیین سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔

قاضی نے کہا اگر مال مختلف ہو مثلاً پانچ اونٹ ہوں اور چالیس بکریاں اور ایک بکری دے تو اس کو اونٹوں کی زکات مقرر کر دے یا بکریوں کی اگر بلا تعیین ایک بکری ادا کر دی جائے تو مزید ایک ہی بکری ادا کرنا لازم ہو گا۔ **اگر مالک مال کسی مکلف مسلمان کو اپنی طرف سے زکات دینے کیلئے وکیل کر دے** اس عبارت سے متعدد مسئلے اخذ ہوتے ہیں۔ پہلا: زکات دینے کیلئے وکیل بنانا جائز ہے کیونکہ یہ عبادت مالیہ محضہ ہے جیسا کہ اضحیہ ذبح کرنے میں وکیل بنانا درست ہے۔ دوسرا: وکیل کا مکلف یعنی عاقل، بالغ اور مسلمان ہونا ضروری ہے کافر تو اس کا اہل نہیں ہے۔ نیز اس کی ادائیگی میں عقل اور تمیز بھی ضروری ہے۔ وکیل کا بالغ ہونا اسلئے ضروری ہے کہ نابالغ کو خود اپنی جان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے تو وہ دوسرے کے مال کا وکیل بھی نہیں بن سکتا ہے نیز الاقناع مین ہیکہ نابالغ ممیز کو وکیل بنانا درست ہے اور الانصاف میں بھی اس کی تائید ملتی ہے کہ ممیز کو وکیل بنانا درست ہے کیونکہ اس سے عبادت کی ادائیگی درست ہے البتہ تصحیح الفروع میں ہیکہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ ممیز میں عبادت واجبہ کی اہلیت نہیں پائی جاتی ہے۔ علماء نے لکھا ہیکہ مرداوی نے تصحیح الفروع بعد میں تالیف کی لہٰذا انہوں نے الانصاف میں اپنے موقف سے تصحیح الفروع میں رجوع کیا اور یہی صواب ہے وکیل کا ثقہ ہونا اسلئے ضروری ہیکہ فاسق شخص امین نہیں ہوتا ہے **اور وکیل اس کو ادا کرے اور زیادہ دیر نہ ہو تو موکل کی نیت بس ہے۔** وکیل کی نیت ضروری نہیں کیونکہ زکات کی فرضیت موکل سے متعلق ہے اور ادائیگی میں زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ **اور جو زیادہ دیر ہو تو وکیل کی نیت بھی ضرور ہے۔** کیوں کہ نیت قرین ادا ہو یا قریب ادا لہٰذا دیر ہونے کی صورت میں وکیل کا نیت کرنا بھی ضروری ہے یعنی زکات دیتے وقت یا دینے سے کچھ

پہلے وکیل نیت کرلے۔ اور جو موکل نیت نہ کرے تو وکیل کی نیت سے ادانہ ہوگی کیونکہ اصلاً وجوب موکل سے متعلق ہے جیسا کہ سطور بالا میں گزرا۔

مسئلہ (ادائیگی زکات کا سنت طریقہ)

سنت یہ ہے کہ زکات آشکار دے زکات دینے کا اظہار کرنا مستحب ہے تاکہ دوسرے لوگ یہ دیکھ کر خود بھی زکات ادا کریں اور اسلئے بھی کہ اس سے سوء ظن بھی دور ہو۔ یہ اظہار فرض نمازوں کے اظہار کرنے کی طرح ہے کہ یہاں اظہار بھی مستحب ہے جبکہ نفلی نماز، نفلی روزہ، نفلی صدقات خفیہ طور پر ادا کرنا مستحب ہے۔ اور اس کو اپنے ہاتھ سے تقسیم کرے کہ مستحقوں تک پہنچنے کا یقین ہو خواہ زکات اموال ظاہر کی ہو یا اموال باطن کی اموال ظاہرہ وہ ہیں جن کو چھپانا ممکن نہ ہو مثلاً حبوب وثمار، مویشی۔ اموال باطنہ وہ ہیں جن کو چھپانا ممکن ہو مثلاً: سونا، چاندی، سامان تجارت اور دیتے وقت یوں کے اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا مُغْنِمًا وَلَا تَجْعَلُهَا مُعَرَّا یا اللہ اس کو فائدے کا سبب کر نہ نقصان کا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس کو زکاۃ ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمایا یعنی زکات دینے والا ادا کرنے کی توفیق ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ لینے والے کو چاہیئے پھر چاہے وہ لینے والا فقیر ہو یا عامل ہو یا کوئی اور ہو اس کے جواب میں یوں کہے: أَجَرَكَ اللَّهُ فِيمَا أَعْطِيْتَ وَبَارَكَ لَكَ فيمَا أَبْقَيْتَ وَجَعَلَهُ لَكَ طَهُورًا یعنے جو کچھ تو نے دیا ہے اللہ تعالیٰ اس کا تجھے اجر دے اور جو باقی رکھا ہے اس میں برکت عطا فرمائے اور اس کو تیرے لئے پاک کرنے والا بنائے کیونکہ لینے والے کو بھی دعا کرنے کا حکم ہے۔

مسئلہ (مال زکات کا شہر کے باہر بھیجنا):

افضل یہ ہے کہ کُل زکات اپنے ہی شہر کے فقیروں کو دے قصر کے اندر دوسروں کے لئے بھیجے تو جائز ہے کیونکہ یہ گویا ایک ہی شہر ہے۔اس شہر میں مستحق ہوتے ہوئے مسافت قصر پر بھیجنا منع ہے یعنی حرام ہے اگرچہ قرابت داروں کیلئے ہو یا حاجت شدیدہ یا ثغر وغیرہ کیلئے ہو۔امام احمد سے پوچھا گیا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر زکات بھیجنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا درست نہیں ہے تو پوچھا گیا اگر دینے والے کے قرابت دار دوسرے شہر میں ہوں تو آپ نے فرمایا تب بھی درست نہیں ہے۔ہاں اگر نذر اور کفارہ اور وصیت مطلق ہو تو جائز ہے اسلئے کہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زکات کو لوگوں کے امیر افراد سے لے کر ان کے غریب افراد میں تقسیم کرنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ زکات میں تخصیص ہے جبکہ تخصیص نذر، کفارہ اور وصیت مطلق میں نہیں ملتی ہے۔اگر مسافت قصر پر بھیجا اور وہ مال مستحق کو پہنچ گیا تو زکاۃ ادا ہو گئی مگر اپنے شہر کے فقراء و مساکین کو محروم رکھنے کا گناہ ہوا۔ہاں اس شہر میں فقراء نہ ہوں تو جو جگہ اس شہر سے نزدیک ہو وہاں تقسیم کر دے کیونکہ ایسا کرنا اولیٰ ہے اور اجرت مال اُٹھانے کی اور وکیل کے سپرد کرنے اور تولنے اور ناپنے کی نسبت مالک پر ہے اسلئے کہ مستحق تک مال پہنچانے کی کامل ذمہ داری مالک پر ہوتی ہے اور یہ اضافی امور اسی ذمہ داری کے تحت آتے ہیں اگر مال ایک بستی میں ہو اور مالک دوسری بستی میں تو جہاں مال ہے وہیں تقسیم کرے۔مال سال بھر تک وہاں رکھا ہوا ہو یا اکثر سال، اس سے کم مدت کہیں دھرا ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ جب وجوب کا وقت آجاتا ہے یا قریب ہوتا ہے تو فقرا کی نظر اس مال کی طرف رہتی ہے کہ اس کی زکات پائیں اور اسلئے بھی مال وجوب زکات کا سبب ہے تو جہاں سبب پایا جائے گا زکات بھی وہیں ادا کی جائے گی البتہ فطرہ اس جگہ ادا کرے جہاں خود موجود ہو گو مال وہاں نہ ہو کیونکہ فطرہ بدن

سے متعلق ہے اور مال سے متعلق نہیں ہے یعنی اس زکات کا سبب مال نہیں ہے بلکہ وہ خود ہے۔ کشاف القناع میں ہیکہ ان افراد کا جن کی کفالت کرنا اس پر لازم ہے ان کیبھی زکات فطرا اپنے شہر میں ادا کرے اگرچہ وہ دوسرے شہر میں رہتے ہوں کیونکہ یہ اس کی طہارت کا سبب ہے۔ کشاف القناع: ویخرج فطرة من یمونه فی بلد نفسه وان کانوا فی غیر بلده لانها طهرة له۔

مسئلہ (حبوب و ثمار کے اندازے کا طریقہ)

امام کو چاہئے یعنی امام پر واجب ہے کہ اموال ظاہری کی زکات واجب ہونے کا وقت جب قریب ہو تو ہر طرف زکاۃ حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو روانہ کرے جو اس کام کو مقرر ہو۔ اس کو ساعی کہتے ہیں اور جمع اس کی سعات ہے شرح منتہیٰ میں ہے: ویجب علی الامام بعث السعاة قرب زمن الوجوب لقبض زکاة المال الظاهر۔ اموال ظاہری چرنے والے جانور ہیں اور کھیت اور پھل کیونکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے مکرم کی یہی عادت شریفہ تھی اسطرح سعات نہ بھیجنا زکات نہ ادا کرنے والوں کو ڈھیل دینا ہے اور ان کو ڈھیل دینا زکات کو ترک کرنا ہے۔ کھجور اور انگور جب نمو داری پر آئیں تو خارص مقرر کرے۔ خارص وہ ہے جو درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا اندازہ کرتا ہو، تاکہ مالک اور ساعی دونوں کو مقدار زکاۃ اس کا معلوم ہو جائے۔ اگرچہ اس سے یقین حاصل نہیں ہوتا ہے مگر جہاں یقین نہ ہو تو غلبہ ظن کافی ہے المغنی میں ہیکہ حبوب و ثمار کی مقدار کا اندازہ کرنے میں اندازہ کرنے والے کا اجتہاد ہے اور یہ سنت بنوی صل اللہ علیہ و الہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ پھلوں میں درستی نمودار ہوتے وقت کیا جائے۔ کشاف القناع میں ہیکہ شرعیات میں تلف ہونے والی اشیاء کی تقویم اور اسکی معرفت حاصل کرنے غالب ظن کو ترجیح دینا جائز ہے اگرچہ اسمیں خطا کا احتمال ہو۔ اس کام کو ایک شخص بس ہے

کیونکہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم صرف ابن رواحہ کو بطور خارص بھیجتے تھے اور ان کے ساتھ کسی اور کے موجود ہونے کا ذکر نہیں ملتا ہے۔خارص وہ ہو جو **مسلمان اور امین غیر متہم ہو اور اس کام کو جاننے والا ہو الاقناع میں ہیکہ اندازہ صرف کھجور اور انگور میں لگائے کیونکہ نص انہی میں آئی ہے۔**الاقناع:ولا تخرص الحبوب ولا ثمر غیر هما۔**ان** دونوں کے پھل گچھوں میں اکٹھا ہوتے ہیں اسلئے ان کا اندازہ کرنا آسان ہوتا ہے جبکہ دیگر پھل اکیلے یا بکھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ کھجور اور انگور کو تر و تازہ حالت میں کھانے کی حاجت دیگر پھلوں سے زیادہ ہوتی ہے اسلئے بھی دیگر پھلوں کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔اگر کھجور ہو تو خارص ہر درخت کے پاس جائے اور دیکھے کہ اسمیں رطب کی کتنی مقدار ہے اور اس میں سے کتنے تمر ہو سکتے ہیں پھر مالک کو اس کے بارے میں بتلادے۔اب مالک کو اختیار ہیکہ چاہے تو وہ اٹھائے رکھے جب تک کہ وہ خشک ہو کر ڈھیر لگانے کے قابل ہو جائیں یا دسویں حصہ کا ضمان نکالے اور پھر اپنی مرضی سے تصرف کرے۔اگر اٹھائے رکھنے کے دوران مالک کی غلطی سے وہ تلف ہو جائے تو مالک پر ضمان ہو گا اور اگر اجنبی کی غلطی سے وہ تلف ہو جائے تو اس اجنبی پر تلف شدہ کی قیمت لازم ہو گی اور اگر کوئی آسمانی آفت سے وہ تلف ہو جائے تو اندازہ لگانا ساقط ہو جائے گا کہ استقرار زکات سے پہلے مال تلف ہو گیا۔اٹھائے رکھنے کے بعد جب وقتِ اخراج آئے گا تو موجودہ پھلوں ہی کی زکات نکالے چاہے موجودہ مقدار اندازہ لگائی ہوئی مقدار سے کم ہو یا زیادہ ہو۔**اس کی یعنی خارص کی اُجرت مالک ثمر دے** کیونکہ خارص اس کے مال میں کام کر رہا ہے **اگر کسی خارص کو امام مقرر نہ کرے تو مالک ان پھولوں کا اندازہ کر رکھے پھر اس میں تصرف کرے** تاکہ اس کو تصرف کرنے سے پہلے واجب مقدار معلوم ہو جائے۔**اس تخم میں سے تہائی یا چوتھائی حسب مصلحت اور اجتہاد مالک ملک کے لئے چھوڑ دینا خارص پر واجب ہے** تاکہ مالک کے کھانے کی ضرورت پوری ہو یا مہمان کو کھلانے کیلئے یا پڑوسیوں کو دینے کیلئے ہو۔

مسئلہ (واجب ہونے سے پہلے زکات کی ادائیگی)

زکات وجوب سے پہلے دینا مستحب نہیں یعنی یہ صرف جائز ہے اور اسے ترک کرنا افضل ہے۔ **اگر زکات واجب ہونے سے دو برس پہلے** دوبرس کی زکات دیدی **یااس سے کم عرصہ سے پہلے زکات پیشگی دیدے تو جائز ہے**۔ مثلاً ایک شخص پانچ اونٹوں کا مالک ہوا اور اس نے دو بکریاں زکات میں دیدی تو یہ جائز ہے۔ منتھیٰ الارادات میں ہیکہ اگر دو سال سے زیادہ مدت کی زکات پیشگی ادا کی جائے گی تو یہ درست نہ ہو گا کیونکہ خلاف قیاس جا کر تعجیل ادائیگی کرنے میں شارع علیہ السلام نے صرف دوسال کی رخصت دی ہے **مگر اس وقت کہ نصاب کامل ہو** یعنی تعجیل ادائیگی نصاب پورا ہونے پر ہی درست ہے ورنہ نہیں **کیونکہ نصاب سبب زکاۃ ہے اور مسبب کی تقدیم سبب پر جائز نہیں۔ جس طرح قسم کھانے سے پہلے کفارہ۔ اگر تعجیلاً ادائیگی کے بعد سال گزر جائے اور نصاب اس قدر کم ہو جو زکات میں نہیں ہے دیدیا ہے** یعنی نصاب میں کمی ادائیگی کے بقدر آئے **تو درست ہے** مثلاً زید کے پاس ۴۳ بکریاں تھیں اوراس نے ان کی دو سال کی زکات دو بکریاں دیدی۔ پھر دو سال میں ایک بکری مر گئی۔ یہ نصاب میں کمی ادائیگی کے بقدر ہے لہٰذا تعجیل درست ہے **کیونکہ وہ دیا ہوا گویا اب ملک میں موجود ہے مگر ایک برس سے زیادہ کی زکاۃ اسی برس میں سے دینا** یعنی اسی مال نصاب سے دینادرست **نہیں۔ اس کے سوائے میں سے دے تو جائز ہے** مثلاً زید کے پاس چالیس بکریاں ہیں اور وہ دوسال کی زکات دو بکریاں تعجیلاً دینا چاہتا ہے تو یہ اسوقت درست ہو گا جبکہ زید زکات کی دو بکریاں ان چالیس بکریوں میں سے نہ دے کیونکہ ان چالیس میں سے اگر دو بکریاں کم ہو جائیں گی تو یہ تعجیل صرف پہلے سال کیلئے درست ہو گی اور ابتداء سال دوم تک اس کے پاس ۳۸ بکریاں ہوں گی جو نصاب سے کم ہوں گی لہٰذا دوسرے سال میں اس پر زکات ہی واجب نہ ہو گی کہ اب سبب زکات ہی باقی نہ رہا۔ **اگر دو سو بکریوں کی زکاۃ دو بکریاں دیں** یعنی ایک سال کی زکات

تعجیلاًادا کر دی پھر برس گزرنے سے پہلے کوئی بچہ پیدا ہو تو اور ایک بکری دینا لازم ہے کیونکہ دونوں دی ہوئی بکریوں کو ملا کر دو سو ایک ہو گئے جس کی زکاۃ تین بکریاں ہیں اسی بناء پر کہ معجل گویا موجود ہے حضرت مصنف نے پہلے ہی یہ بتلا دیاہیکہ تعجیل زکات میں معجل یعنی زکات میں وقت سے پہلے دئے ہوئے مال کا حکم موجودہ مال کی طرح کا ہوتا ہے اسلئے یہاں دو بکریوں کو بھی موجود میں شمار کیا گیا حالانکہ یہ معجل ہیں۔ جس نصاب کی زکاۃ پیشگی دے دی ہو اگر برس گزرنے سے پہلے وہ نصاب تلف ہو جائے یا ناقص تو وہ زکاۃ صدقہ ہو جائے گی کیونکہ نصاب ہی تلف ہو گیا جو سبب وجوب زکات ہے تو زکات بھی واجب نہ ہو گی۔ اگر زکات معجل لینے والا برس سے پہلے مر جائے یا تونگر ہو جائے تو پروا نہیں اعتبار دیتے وقت جو حالت ہو گی اس کا ہو گا۔ یہاں حالتِ قبض میں لینے والا مستحق تھا لہٰذا یہ ادائیگی کیلئے کافی ہے۔ اگر کسی کو تونگر جانتا ہو معجل زکات دے دے۔ پھر وہ برس مفلس ہو جائے تو درست نہیں کیونکہ یہاں لیتے وقت وہ تونگر تھا۔ دونوں صورتوں میں دینے کے وقت کا حال معتبر ہے آئندہ کے کسی جز ہے۔ اگر ساعی زکاۃ غلطی سے میں زیادہ لے لے تو مالک اس کو بہ نیت تعجیل سال آئندہ کے حساب میں لگا سکتا ہے یعنی دیتے وقت وہ یہ نیت کر لے کہ یہ اضافی مال آئندہ سال کی زکات ہے اور درست حساب ساعی کو بتلا دے تا کہ آئندہ سال ساعی اسقدر مال کا مطالبہ نہ کرے۔

مصارف زکات:

مستحق زکاۃ آٹھ گروہ ہیں جس کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے ان آٹھ کے علاوہ اور کسی مصرف میں زکات دینا جائز نہیں ہے چاہے وہ مسجد کی تعمیر کیلئے ہو یا کسی پُل کیلئے یا تکفین میت کیلئے یا اسکے علاوہ اور کسی کارخیر کیلئے ہو۔ اسلئے کہ سورۃ التوبہ کی ساٹھویں آیت میں ان اصناف کا ذکر کلمۂ حصر "انما" کیساتھ ہوا ہے۔ گویا ان آٹھ اصناف ہی کو

زکات دینا جائز ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسی طرح الصدقات میں الف لام استغراقی ہے اگر ان آٹھ اصناف کے علاوہ کسی کو دینا جائز ہوتا تو ان آٹھ کیلئے بعضِ صدقات ہوتے کل صدقات نہ ہوتے۔ وہ یہ ہیں: **فقیر اور مسکین اور عامل اور مولف اور مکاتب اور عازم** یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ غارم ہے یعنی قرضدار **اور غازی اور مسافر۔ فی الرقاب سے مراد مکاتب ہے اور فی سبیل اللہ سے غازی اور ابن سبیل مسافر کو کہتے ہیں۔ فقیر وہ جس کو** کسب وغیرہ کے باوجود کچھ نہ **ملے یا کچھ تھوڑا سا، جو مقدار کفایت کا آدھا بھی نہ ہو** اس کو اپنی ضروریات کیلئے دس درہم درکار ہوں اور وہ دو درہم پائے۔ یہ **مثال امام خرقی نے دی ہے۔** كدرهمين من عشرة ومثله الخرقي(كشاف القناع)۔ اور یہ فقر اسلئے ہو سکتا ہے کہ لمبی عمر یا مرض کیوجہ سے ضعیف ہو یا وہ اندھا ہو اور اسمیں اتنی قدرت ہی نہ ہو کہ وہ اتنا اکتساب رزق کر سکے جو اسکی ضروریات کو کافی ہو یا وہ بالکلیہ کسب ہی نہ کر سکے **اور وہ مسکین سے زیادہ محتاج ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ** نے آیت کریمہ میں **اس کو مقدم کیا کیونکہ** وہ باقی تمام گروہ سے زیادہ خراب حال والا ہوتا ہے لہٰذا جو اہم ہے وہی لایق تقدیم ہے۔ **مسکین** وہ ہے جو کسب وغیرہ کے باوجود **مقدار کفایت کا آدھا یا زیادہ پاتا ہو تو ان دونوں گروہ کو اور ان کی عیال کے لئے بقدر تتمہ کفایت سال بھر کا خرچ** دینا چاہئے وجوب زکات ہر سال ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں اصناف کو اتنا مال دیا جائے جو اگلی بار زکات کے واجب ہونے تک کافی ہو اور ان دونوں کی عیال کی حاجت بھی پورا کرنا مقصود ہوتا ہے لہٰذا منفرد کیساتھ عیال کی ضرورت کا اعتبار کرنا بھی لازم ہے۔ **اگر کوئی اس قدر مال کا مالک ہو جو اس کو کفایت نہ کرے تو وہ غنی نہیں اگرچہ** اس کے مال میں **نقدین** شامل ہوں یا یہ نقدین نصاب سے زیادہ ہوں اور اس کی اور اس کی عیال کی ضرورت کیلئے ناکافی ہو۔ الاقناع: ومن ملك نقدا ولو خمسين درهما فاكثر او قيمتها من الذهب او غيره ولو كثرت قيمته لا يقوم بكفايته ليس بغني۔ **یعنی جو نقدین کا مالک ہو اگرچہ پچاس درہم یا زیادہ یا**

اسی قیمت کا سوناوغیرہ اگرچہ اس کی قیمت زیادہ ہو مگر وہ اس کی کفایت نہ کرے تو وہ غنی نہیں ہے کیونکہ غنیٰ اس حالت کا نام ہے جس میں مال اتنا ہوتا ہے کہ جس سے کفایت حاصل ہوتی ہے اور صاحب مال محتاج نہیں رہتا ہے۔ پھر اس پر زکات حرام ہوتی ہے۔ الکافی میں ہیکہ اگر کوئی ایسا شخص فقیر ہونے کا دعویٰ کرے کہ جسکا غنی ہونا معروف نہ ہو تو اس کا قول بغیر قسم کے قبول کیا جائے گا کیونکہ یہاں اصل عدم مال ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص فقیر ہونے کا دعویٰ کرے جس کا غنی ہونا معروف ہو تو اس کا قول کسی بینہ کیساتھ قبول کیا جائے گا۔الکافی:واذا ادعی الفقر من لم یعرف بغنی قبل قوله بغير يمين لان الاصل عدم المال وان ادعاه من عرف غناه لم يقبل الا بينة۔ **اگر کسی شخص سے کسب کرنا اور علم سیکھنا دونوں باتیں جمع نہ ہو سکیں** اگرچہ وہ علم حاصل کرنا اس پر لازم نہ ہو کیونکہ علم تو نفع بخش ہی ہوتا ہے گو وہ کسب پر قادر ہے تو اس کو بھی دینا چاہیئے تا کہ وہ ان کتب علم کو خریدے جنکی ضرورت ہے یا اگر کوئی شخص علم سیکھے جس سے کسب اور عبادت دونوں جمع نہ ہو، اس کو نہ دیں کیونکہ فرض عبادت کسب کو مانع نہیں اور یا نوافل ضرور نہیں علم واجب ضرور ہے۔ حامل یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ" عامل "ہے وہ شخص ہے جو مال والوں سے زکاۃ لیتا ہے یا اس کے متعلق کام کو سرانجام دیتا ہے۔ اس میں مال وصول کرنے والے شامل ہیں جن کو امام ارباب زکات سے زکات لینے بھیجتا ہے ان کو اصطلاحاً جابی کہتے ہیں اور عاملین میں ان کے نگہبان یعنی حافظ اور لکھنے والے یعنی کاتبین اور مستحقین میں زکات تقسیم کرنے والے یعنی قاسمین اور اسی طرح عاملین میں حاشر یعنی مویشیوں کو جمع کرنے اور گنِنے والے، کیّال یعنی ناپنے والے اور وزّان یعنی وزن کرنے والے سب شامل ہیں یعنے ہر ایک کو فاعل زکات غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ عامل زکات ہونا چاہئے کہتے ہیں اور فقط تحصیل کرنے والے کو ساعی بھی۔ عامل کے لئے یہ شرط ہے کہ مسلمان ہو اسلئے کہ اس کام میں مسلمانوں پر ولایت درکار ہوتی ہے لہٰذا عامل کا مسلمان ہونا شرط

ہے جیسا کہ تمام ولایات میں مسلمان ہونا ضروری ہوتا ہے **اور عامل امین** ہو اسلئے کہ غیر امین شخص مال لے کر چلا جائے گا اور اسے ضائع کر دے گا **اور کافی ہو** یعنی اس میں چند صفات ایسی ہوں جو اسکے عامل ہونے کو کفایت کرے: وہ احکامِ زکات اور مستحقینِ زکات کی اصناف سے واقف ہو۔ اس کے پاس قدرت تنظیمیہ ہو کہ وہ بغیر ظلم اور تقصیر کے زکات جمع کر سکے اور لوگوں سے حسن معاملت کر سکے، نیز وہ عاقل وبالغ اور صاحب تمیز ہو، **ہاشمی نہ ہو** اسلئے کہ حضور اکرم صل اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنھما اور مطلب بن ربیعہ بن الحارث کو عامل زکات بننے سے منع فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ لوگوں کا میل ہے اور یہ محمد صل اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ علیہ السلام کی آل کیلئے حلال نہیں ہے۔ **تونگر یا غلام ہو تو بھی جائز ہے** اسمیں آزادی شرط نہیں ہے۔ عامل ہونے کا مقصد غلام سے بھی پورا ہوتا ہے لہٰذا وہ یہاں آزاد کی طرح ہے۔ نیز عامل کا فقیر ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہیکہ جن پانچ مالدار افراد کو زکات دینا جائز ہے ان میں سے ایک عامل ہے۔ **ان کو اُجرت کی مقدار دینا چاہیئے اگرچہ وہ غنی ہوں** گویا عامل اپنے کام کی اجرت لے رہا ہے۔ **مال زکاۃ اُٹھانے والا اور زکاۃ کے جانور چرانے والا کافر ہو یا غلام ہو یا کوئی اور ہو تو مضائقہ نہیں** اسلئے کہ اس کو جو مال دیا جائے گا وہ اس کے کام کی اجرت ہو گی بر خلاف عامل کے کہ اسمیں مسلمان ہونا شرط ہے۔ الکافی میں ہیکہ جب مالِ زکات پر ولایت حاصل ہو تو تقسیم کی شروعات ساعی سے کی جائے کیونکہ وہ اپنے کام کی اجرت لے رہا ہے لہٰذا اس کا حصہ ان سے زیادہ مؤکد ہے جو بطور غمخواری کے زکات لیتے ہیں۔ الکافی: واذا تولی القسمة بدا بالساعی فاعطاہ عمالته لانه یاخذ عوضا فکان حقه آکد ممن یاخذ مواساۃ- چوتھی قسم جس کو زکات دی جاتی ہے: **مولف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے والمولفة قلوبھم فرمایا اس سے مراد وہ شخص جو اپنے قوم میں سردار ہو کہ اس کو دینے میں اس کے مسلمان ہونے کی اُمید ہو یا اس کے شر سے بچنے کی** مولی علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے سونا بھیجا تھا تو

رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اسکو چار افراد میں تقسیم فرمایا تھا:الاقرع بن حابس الحنظلی،عیینہ بن بدر الفزاری،علقمہ بن علاثہ العامری جو بنو کلاب سے تھے اور زید الخیر الطائی جو بنو نبھان سے تھا تو قریش غضبناک ہوئے اور کہا: آپ علیہ السلام نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ میں نے ان کے دلوں کو نرم کرنے کیلئے ہی کیا ہے **یا اُس کا ایمان قوی ہونے** کی امید ہو۔ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں ایسے افراد آتے تھے جو مولفۃ القلوب تھے آپ علیہ السلام ان کو صدقات عطا فرماتے تھے جب ان کو کوئی صدقہ ملتا تو وہ کہتے تھے کہ یہ اچھا دین ہے اور اگر معاملہ اس کے سوا ہوتا تو وہ اسلام میں خامیاں تلاش کرتے تھے **یا اس کے دینے سے یہ اُمید ہو کہ اس کا برابر والا کوئی مسلمان ہو جائے** اسلئے کہ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر کو اس امید سے عطا فرماتے تھے کہ ان کے برابر والے مسلمان ہو جائیں **یا جو زکاۃ نہ دیتے ہوں وہ ان سے ہمدست کرلائے** جب ان کو زکات دی جائے تو یہ ان سے زکات لے کر آئیں جو زکات نہ دیتے ہوں یعنی یہ لوگ زکات نہ دینے والوں کو ڈرا کر یا دھمکا کر ان سے زکات جمع کر کے لائیں **یا مسلمانوں کی طرفداری کرے اور ان کو دشمن سے بچائے** یعنی ان کو دینے سے جہاد میں ان سے مدد ملے مثلاً یہ لوگ اطراف و اکناف بلاد اسلام میں ہوں اور جب ان کو زکات دی جائے تو وہ قریبی کفار کو مسلمانوں سے دفع کریں اور اگر ان کو زکات نہ دی جائے تو وہ ایسا نہ کریں۔ **ایسے شخص کو اس قدر دے جس سے غرض حاصل ہو** یعنی مندرجہ بالا اغراض میں سے جو غرض مقصود ہو اسی کے بقدر زکات دی جائے اور کم نہ دی جائے کہ حصول غرض نہ ہو سکے اور زیادہ بھی نہ دی جائے۔ **یہ بھی** یعنی مولفۃ القلوب کو زکات دینے کا **عمل فقط حاجت کے وقت ہے** یعنی مولفۃ القلوب کا زکات دینے کا حکم اب بھی باقی ہے اسی طرح شرح منتھیٰ میں ہے:وعلم منه بقاء حكم مولفة۔ **ابو بکر صدیق کے سوا تینوں خلیفوں نے جو مولف کو نہ دیا تو یہی**

سبب تھا کہ اس کی حاجت نہ تھی۔ یہ نہیں کہ ان کا حصہ ہی جاتا رہا۔ اگر کسی وقت حاجت پڑ جائے تو دینا چاہیئے، اگر ان کو دینا نہ ہو سکے تو ان کا حصہ باقی اصناف پر رد کرے۔ پانچویں قسم مکاتب ہے۔ مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ جس نے اپنے آقا سے یہ معاہدہ کیا ہو کہ اگر وہ مقررہ مقدار مال کما کر اپنے آقا کو دے تو وہ آزاد ہو جائے گا لہٰذا مکاتب کو اس کی ادائی کو موافق دینا چاہیئے کہ وہ آزاد ہو جائے جب وہ اس کی ادائی سے عاجز ہو، اگر چہ کمائی کی قدرت رکھتا ہو اسی طرح الاقناع میں ہے: لا یجدون وفاء ولو مع القوۃ والکسب، ادائی قسط کے وقت سے پہلے بھی دے تو درست ہے۔ اگر اس سے یعنی زکات کے مال سے کوئی غلام خرید کر کے آزاد کرے تو بھی درست ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا کہ آیتِ قرآن میں جو "وفی الرقاب" ہے اسمیں غلام شامل ہے بلکہ یہ اسمیں ظاہر ہے اسلئے کہ رقبہ کو جب مطلق رکھا جائے تو وہ غلام کی طرف آتی ہے اور یہاں تقدیری کلام "وفی اعتاق الرقاب" ہو گا یعنی غلام آزاد کرنے میں۔ مگر اپنے غلام کو یا مکاتب کو اس کے عوض آزاد کرنا درست نہیں کیونکہ ایسا کرنے میں زکات اپنی طرف لوٹ آتی ہے جو درست نہیں ہے۔ ایسا ہی اس غلام کو خرید کرنا درست نہیں ہے جو قرابت یا تعلیق کے سبب سے آزاد ہو جائے اپنے ذورحم محرم میں سے کوئی غلام کو خریدتے ہی وہ آزاد ہو جاتا ہے مثلاً زید نے اپنے بھائی کو خریدا جو غلام تھا اب وہ بھائی خریدتے ہی آزاد ہو گیا۔ اسطرح کی شراء میں زکات کا مال صرف کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس زکات کا فائدہ اسی کے قریبی محرم رشتہ دار کو پہنچ رہا ہے۔ تعلیق یہ ہیکہ کسی غلام کی آزادی اس بات پر معلق کر دی جائے کہ اتنا مال آجائے تو وہ آزاد ہے۔ ایسے غلام کو زکات دینے سے سارا مال اسکے مالک کا ہو جاتا ہے یہ اپنی کسب کا مالک نہیں ہوتا ہے ایسا غلام مکاتب نہیں ہوتا ہے اگر اس مال سے کسی اسیر مسلمان کو چھڑائے جو کفار کے قبضے میں ہو تو بھی درست ہے کیونکہ قید سے گردن آزاد کرانا غلامی سے گردن آزاد کرانے کی طرح ہے سو یہ بھی آزادی

ہے۔ چھٹویں قسم غارم ہے یعنی قرضدار۔ عازم یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ غارم ہے غارم وہ ہے جو مسلمانوں میں صلح کرنے کو یا اپنی اصلاح کے لئے قرضدار ہو گیا ہو۔ وہ پہلی صورت یہ ہے کہ دو قبیلوں میں یا دو بستی والوں میں کسی خون کے یا مال کے لئے خصومت اور عداوت ہو اگر چہ وہ بستی والے اہل ذمہ ہوں۔ اور یہ شخص ان کے درمیان ہو کر دیت یا مال اپنے ذمے کرلے اور ان میں صلح کر دے، پھر قرض لیکر ان کو پہنچائے اور اپنی ذمہ داری بجالائے تو ایسے شخص کو اس کے قرض کے موافق زکات سے دینا چاہیئے، اگر چہ وہ تونگر ہو۔ کیونکہ اس نے یہ بڑا نیک کام کیا ہے لہٰذا نیکی یہ بھی ہیکہ اس پر سے اس قرض کا بوجھ زکات کے ذریعہ اتار دیا جائے۔ اہل عرب میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی نزاعی بات پیدا ہو کر بات قتال تک پہنچ جاتی ہے لہٰذا جو قوم کے سردار اور مصلح ہوتے ہیں ان کی مدد اور تقویت مطلوب ہے نہیں تو ان کا ارادہ سست ہو جاتا ہے اور اس بار کے متحمل نہیں ہوتے۔ اگر وہ اپنے پاس سے مال دیا ہو کسی سے قرض نہ لیا ہو تو نہ دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص کسی مباح کام میں اپنی درستی کے لئے قرض لیا ہو مثلاً اپنے اور اپنی عیال کے نفقہ کیلئے قرض لیا ہو پھر مفلس ہو جائے تو اس کو بقدر دین زکات سے دیں۔ اگر تونگر ہو تو نہ دے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا کہ زکات تونگروں کو نہ دی جائے۔ ایسا ہی اگر وہ قرض لیکر حرام کام میں خرچ کیا ہو مگر جب توبہ کرے تو دینا جائز ہے اگر وہ توبہ نہیں کرتا ہے تو اس کو دینے میں گناہ میں تعاون کرنا ہے اور اس شخص کو چاہیئے کہ اس مال کو ادائی دین ہی میں صرف کرے۔ دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ اگر چہ فقیر ہو کیونکہ اس کو زکات اسکے قرض کیوجہ سے دی گئی۔ ہاں اگر عازم یعنی غارم کو محتاجی کے سبب سے زکات ملے تو اس سے قرض ادا کر سکتا ہے یعنی اس پر یہ لازم نہیں ہیکہ اپنی ضروریات ہی میں اسے خرچ کرے بلکہ وہ اسے جسطرح چاہے خرچ کر سکتا ہے کیونکہ اس کو مال پر مالک تام حاصل ہے۔ ساتویں قسم: غازی

جس کو اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ فرمایاہے وہ کافروں سے لڑنے والاہے جس کا دفتر میں نام نہ ہو یعنے بیت المال سے جو سپاہی تنخواہ پاتے ہیں اور وہ تنخواہ ان کیلئے کافی ہے تو وہ مستغنی ہیں البتہ جس کو کچھ مقرر نہ ہو اور وہ اس کام میں آئے تو اس کا بھی حق ہے۔ اس کو زکات میں سے دیں اس طرح کہ جب وہ کہے کہ وہ جہاد پر جارہاہے تو اس کا قول قبول کیا جائے کیونکہ جہاد ایک مخفی امر جس کو کوئی اس وقت تک نہیں جان سکتا ہے جب تک کہ وہ خود اظہار نہ کرے اور اظہار کرنے پر اسکے قول کو رد نہ کیا جائے۔ اگر دفتر سے کچھ مقرر ہو مگر اس کو کفایت نہ کرتا ہو تو تتمہ کفایت ایک لڑائی کے لئے دیا چاہئے اگرچہ وہ غنی ہو، قدر کفایت ہتھیار ہے اور بار برداری اور آنے جانے کا خرچ اور جو سوار ہو تو اس کے لئے گھوڑا اور صاحب عیال ہو تو اس کے آنے تک ان کا خرچ۔ یہ جائز نہیں ہیکہ رب المال زکات کے مال سے غازی کی ضرورت کا سامان مثلاً اسلحہ، گھوڑا وغیرہ اسے خرید کر دے کیونکہ یہ قیمت نکالنا ہے جو زکات کی ادائیگی کیلئے کافی نہیں ہے کشاف الاقناع میں ہے: ولا يجوز لرب المال ان يشترى ما يحتاج اليه الغازى من سلاح و خيل ونحوه ثم يصرفه اليه اى الى الغازى لانه القيمة اى خراج قيمة وقد تقدم انه لا يجزئ۔ پھر وہ جنگ نہ کرے تو مال واپس دے کیونکہ زکات اسے مخصوص کام کیلئے دی گئی تھی جب وہ کام اس نے کیا ہی نہیں تو زکات لوٹانا لازم ہوا۔ اس مال سے گھوڑا یا زمین خرید کر کے غازیوں پر وقف کرنا درست نہیں شرح منتھیٰ میں ہے:ولا يجزئ ان يشترى من وجبت عليه زكاة منها فرسا يحبسها فى سبيل الله او ان يشترى منها عقارا يقفه على الغزاة لعدم الايتاء المامور بہیعنی جس پر زکات واجب ہو اس کو ادائیگی کیلئے یہ کافی نہیں ہیکہ وہ گھوڑا خرید کر یا غیر منقولی جائیداد خرید کر غازیوں پر وقف کردے کیونکہ اس نے جو حکم دیا گیا اس کی تعمیل نہیں کی۔ فقیر کو اس کے حج فرض اور عمرہ ادا کرنے کے لئے دینا درست ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہیکہ الحج والعمرة فى سبيل الله یعنی حج

وعمرہ کرنا بھی جہاد کی طرح ہے۔ فقیر اس کا محتاج ہیکہ اس کا فرض حج اور فرض عمرہ ادا ہو۔ دوسرا نظریہ یہ ہیکہ فقیر کو حج فرض اور فرض عمرہ کی ادائیگی کیلئے دینا جائز نہیں ہے کیونکہ جب فی سبیل اللہ مطلق ہے تو اسے جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔ نیز فقیر کے حج کرنے میں ویسی مصلحت نہیں ہے جیسا کہ غازی کے جہاد کرنے میں ہے۔ فقیر پر حج فرض بھی نہیں ہوتا ہے اگر وہ ادا بھی کرے تو وہ نفل ہی ہوگا **الکافی:** لا یجوز ذلک لان سبیل اللہ اذا اطلق انما یتناول الغزو ولانہ لا مصلحۃ للمسلمین فی حج الفقیر ولا حاجۃ بہ الی ایجاب الحج علیہ فلم یدفع الیہ کحج النفل لیکن پہلے نظریہ کو شرح منتہیٰ میں اختیار کیا گیا۔ آٹھویں قسم: **مسافر جس کو اللہ تعالیٰ نے ابن السبیل فرمایا اس سے وہ شخص مراد ہے جو اپنے وطن سے جدا سفر کے حال میں ہو کیونکہ ملازم راہ وہی ہے۔ وہ نہیں جو اپنی جگہ سے سفر کا ارادہ کیا ہو یعنی** وہ جو سر گرمِ سفر ہو جس طرح کہ رات میں زیادہ نکلنے والے کو ولد اللیل کہا جاتا ہے۔ محض سفر کا ارادہ رکھنے والے کو ابن السبیل نہیں کہتے ہیں ۔ **اور چاہیئے کہ سفر مباح ہو یعنی** اپنے شہر یا وطن کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں سفر طاعت میں ہو مثلاً حج کیلئے، طلب علم کیلئے، صلہ رحمی کیلئے سفر میں ہو **مگر فقط سیر و تفریح کی غرض سے ہو تو نہ دے** کیونکہ ایسے سفر کی کوئی شرعی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ **ایساہی اگر سفر حرام ہو تو نہ دے۔ ہاں اثنائے راہ میں توبہ کرے تو درست ہے** حرام سفر میں رہنے والے کو زکات دینے سے اسکی معصیت میں تعاون ہوگا لیکن وہ تائب ہو جائے تو یہ امکان نہیں ہوتا ہے کہ زکات معصیت میں خرچ ہوگی۔ **مسافر کو اس قدر دینا چاہیئے کہ اس میں وہ اپنے شہر کو پہونچ جائے** یہ غرض صحیح کیلئے اعانت ہے **اگرچہ وہ اپنے شہر میں صاحب مال ہو مگر پاس نہ ہو یعنی** وہ اپنے مال تک پہنچ کر اس کو استعمال میں لانے سے عاجز ہو مثلاً وہ شخص جسکا سامان سفر کے دوران سمندر میں گر گیا ہو یا ضائع ہو گیا ہو۔ شرح منتہیٰ اور الاقناع میں ہیکہ ابن السبیل کو اگر کوئی قرض دینے والا بھی ملجائے تب بھی اس کو اپنے شہر پہنچنے کے

بقدر دیناچاہئے الاقناع:ولو وجد من یقرضہ۔ **اگر وہ کسی شہر کو جانے کا قصد رکھتا ہو** یعنی کسی جگہ جانے کیلئے سرگرمِ سفر ہو اور وہ وہاں **پہونچنے سے پہلے محتاج ہو جائے تو اس قدر خرچ دے کہ اس شہر کو پہونچ کر پھر وہاں سے اپنے شہر کو پلٹ آئے** کیونکہ وہ اپنے شہر سے شرعی غرض کے تحت جدا ہوا لہٰذا اس کو نہ دینے میں اس کے سفر کا ضیاع ہے۔

مسئلہ: (مسافر، غازی، غارم، مکاتب کو مال زکات پر ملک تام نہ ہونا)

اگر مسافر اور غازی اور عازم یعنی غارم **اور مکاتب کے پاس اس کی حاجت پوری ہونے کے بعد کچھ مال بچ رہے تو پھیر دے** یعنی لازم ہیکہ بقیہ مال اس شخص کو لوٹادے جس نے اس کو یہ مالِ زکات اسکی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے دیا تھا کیونکہ **ان کو بضرورت اس خاص کام کے لئے دیا ہے** اس مال کو وہ صرف اس جہت سے خرچ کرنے کا مالک ہوا تھا جب وہ سبب یا جہت ہی زائل ہو گئی تو بقیہ مال لوٹانا لازم ہوا **اور جو اقسام ان چار کے سوا میں** یعنی بقیہ جو اقسام کے افراد ہیں **ان کو** یعنی فقراء مساکین، عاملین اور مولفۃ القلوب **کو پھیرنا ضروری نہیں بلکہ** وہ **جہاں چاہیں خرچ کریں کیونکہ ان کی ملک ثابت ہے** کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زکات کی اضافت ان کی طرف لام ملک سے کی اور بقیہ چار کیلئے ایسا نہ کیا۔ متاخر الذکر چار کے مالک تام بننے میں خاص مقاصد ہیں یعنی فقراء اور مساکین کو غنی کرنا، عاملین کو انکے کام کی اجرت دینا اور مولفۃ القلوب کی تالیف کرنا جو ملک تام ہی سے پورا ہوتا ہے جبکہ اول الذکر چار کو صرف ان کی خاص حاجات کی تکمیل کی غرض سے مالک بنایا جاتا ہے۔

مسئلہ (زکات کتنے لوگوں کو دی جائے): **زکات سے پورے آٹھوں گروہ کو دینا مستحب ہے** یعنی ہر گروہ مل جائے تو ہر ایک کو مال زکات دینا مستحب ہے کیونکہ ایسا کرنے میں اجزاء کا حصول یقینی طور پر ہوتا ہے۔ اگر زکات کی

ادائیگی میں ایک ہی گروہ پر کفایت کرے تو جائز ہے بلکہ ایک ہی شخص کو دے دیں تو بھی ممکن اگرچہ وہ اس کا قرض خواہ یعنی قرضدار یا مکاتب ہو اس شرط سے کہ حیلہ نہ ہو یعنی رب المال کا اپنے ہی قرضدار یا مکاتب کو زکات دینا جائز ہے کیونکہ یہ دونوں بھی مستحقین زکات ہیں لیکن اگر ایسا کرنے کا مقصد یہ ہو کہ اسکی زکات اسی کو مل جائے تو یہ جائز نہ ہو گا کیونکہ حقوق اللہ کو اپنے فائدہ میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ حیلہ کرنے کا مطلب یہ ہیکہ زکات اس شرط پر دے کہ وہ قرض کی ادائیگی کے ذریعہ اس کو لوٹادے گا۔زکات کی ادائیگی کے شرائط میں صحیح تملیک ضروری ہے اور یہاں لوٹانے کی شرط لگاکر دینے سے صحیح تملیک نہیں ہوتی ہے لہٰذا یہ حیلہ جائز نہ ہو گا۔

مسئلہ (بادشاہ کا مال زکات طلب کرنا) :

بادشاہ زکات طلب کرے تو دیدے خواہ وہ اس میں عدل کرے یا ظلم۔ دینے والا اپنے اختیار سے دے یا جبر سے۔ ہر طرح زکات ادا ہو جاتی ہے۔ اگر باغی غالب آجائیں اور زکات چاہیں تو ان کو بھی دینا کافی ہے۔ عادل بادشاہ کو دینے سے تو زکات ادا ہو جاتی ہے کیونکہ اس کو ولایت عمومی حاصل ہوتی ہے نیز اس سے خیانت کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔ ظالم بادشاہ اور خوارج یا باغیوں کی حکومت ہو تو ان کو دینا بھی ادائیگیٔ زکات کیلئے کافی ہے ایسا المغنی میں ہے اور ابن المنذر نے امام احمد، امام شافعی اور ابو ثور سے روایت بیان کی کہ خوارج کو دینا بھی کافی ہے اور اسی طرح بادشاہوں میں سے جو بھی زکات لے تو صاحبِ مال سے یہ زکات کی ادائیگی کو کافی ہے چاہے وہ اس میں عدل کرے یا ظلم چاہے وہ قہراً لے یا صاحب مال اپنے اختیار سے دے وحکی ابن المنذر عن احمد والشافعی وابی ثور فی الخوارج انه یجزئ وکذلک کل من اخذها من السلاطین ،اجزات عن صاحبها سواء عدل فیها او جار سواء اخذها قهرا او

دفعها الیه اختیارا(المغنی) لیکن ابن قدامہ نے بیان کیا کہ اس مسئلہ کی بناء حضرات سادات سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، جابر ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنھم کے فتاویٰ پر ہے۔

مسئلہ (رشتہ داروں کو زکات دینا):

زکات دینا ان رشتہ داروں کو سنت ہے جس کا نفقہ اس پر واجب نہ ہو جیسا خالہ اور ماموں کیونکہ ان کو دینے سے زکات کا مال اسکی طرف نہیں لوٹے گا جبکہ جن افراد کا نفقہ اس پر واجب ہے ان کو دینے سے زکات کا فائدہ صاحب مال ہی کو لوٹے گا اور رشتہ داروں میں جو نزدیک ہو اس کو مقدم کرے یعنی پہلے اسکی ضرورت کو زکات کے ذریعہ پورا کرے۔ پھر جو دور ہو۔ ہر ایک کو اس کی حاجت کے موافق دے یعنی قرابت اور حاجت دونوں کی اس طرح رعایت کرے کہ قرابت داروں میں جو زیادہ حاجت مند ہوں ان کو دے کیونکہ اس میں یعنی رشتہ دار کو زکات دینے میں دوچند ثواب ہے صدقہ بھی اور موافق صلہ رحم بھی۔

مصارف ممنوع (یعنی جن کو زکات دینا جائز نہیں)

کافر اور غلامِ خالص اور تونگر اور اپنے اصل یعنی ماں، باپ، داد، دادی، نانا، نانی اوپر کی نسلوں تک اور فروع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی نیچے تک اور زوج کو یعنی شوہر کا اپنی بیوی کو اور بیوی کا اپنے شوہر کو اور ہاشمی اور اس کے آزاد کردہ غلام کو اور اس کو جس کا نفقہ دینے والے پر لازم ہو ان سب کو زکات دینا جایز نہیں کافر کو زکات دینا اسلئے جائز نہیں ہیکہ زکات ایسی مؤاسات ہے کہ جسکا مسلمان کو دینا واجب ہے۔ ایسے ہی کافر کو صدقۂ فطر بھی دینا جائز نہیں ہے۔ غلام غیر مکاتب کو دینا اسلئے جائز نہیں ہیکہ اس کا نفقہ اس کے آقا پر واجب ہوتا ہے تو اگر اس کا آقا غنی ہوگا تو

وہ اسکے غنی کیوجہ سے غنی ہو گا اور جو کچھ اسے دیا جائے گا اسکا مالک اسکا آقا ہو جائے گا اور اگر اسکا آقا فقیر ہو گا تب بھی اس کو نہ دیا جائے گا بلکہ اسکے آقا کو دیا جائے گا۔ جس کا بعض آزاد ہو اس کو اسکی آزادی کے بقدر دیا جائے۔ اپنی اصل اور فرع میں اگر کوئی فقیر ہو اور رب المال غنی ہو تو اس کا نفقہ اس پر واجب ہو تا ہے لہٰذا اپنی اصل و فرع کو وہ اگر زکات دے گا تو اسکا مال ان کے نفقہ پر خرچ کرنے سے بچ جائے گا گویا کہ یہ زکات کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اسلئے ان کو زکات دینا جائز نہیں ہے اگر کافر مولف ہو اور غلام عامل ہو تو ان کو زکات دینا درست ہے کیونکہ ایسے کافر کو بقدر تالیف اور عامل کو اسکی اجرت دی جاتی ہے۔ اس شخص کو بھی نہ دے جس کے پاس مال ہو یا کسب سے اپنا نفقہ پیدا کر لیتا ہو یا اس کا نفقہ دوسرے کے ذمہ پر ہو جیسا کہ کسی زوجہ یا اس کی عجز۔ اور فقر کے سبب سے اس کے رشتہ دار پر لازم ہو تو اس کا بھی تو نگر میں شمار ہے اور اسے دینا نا جائز۔ عامل اور عازم یعنی غارم اور عازی یعنی غازی اور مولف اگر مالدار ہوں تو بھی جائز ہے۔ ایسا ہی مسافر اگر مال پاس نہ ہو عامل کو بقدر اجرت اور غازی کو جس قدر در کار ہو اور مولف کو حسب مصلحت اور مسافر کو بقدر ضرورت دینا جائز ہے تاکہ اصلاح ذات بین ہو سکے اسلئے ان کا فقیر ہونا شرط نہیں ہے۔ مکاتب کسب کی قدرت رکھتا ہو تو بھی دینا جائز ہے۔ جورو خاوند کو یا خاوند جورو کو یا ماں باپ یا دادا دادی یا نانا نانی یا بیٹا بیٹی اور پوتا پوتی اور نواسہ نواسی کو دے تو درست نہیں۔ ان میں سے ہر ایک رشتہ دار کا نفقہ اس کی شرطوں سے منفق کے مال سے متعلق ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ اگر اس کو زکات کی نیت سے دے تو ادا نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ دو حق ہیں۔ نفقہ حق عبد ہے اور زکات حق اللہ، اور جو نفقہ دیتا ہو تو اس کی حاجت رفع ہو گئی پھر اس کو استحقاق زکات کہاں؟ نہ اس سے لے سکتا ہے نہ دوسرے سے۔ یہ لوگ یعنے اصل و فرع اور زوج اور اپنے غیر سے نفقہ پانے والے فقر اور مسکنت کی جہت سے نہیں لے سکتے باقی وصفوں سے لینا اُن کو درست ہے

عامل ہوں یا غازی یا غازم یا مولف یعنی ان رشتہ داروں میں سے کوئی اگر عامل یا غازی یا غارم یا مولف ہو تو اس حیثیت سے اپنے رشتہ داروں کی زکات لے سکتا ہے۔ اگر کسی رشتہ دار کا نفقہ اس پر واجب نہ ہو مثلاً ایسا یتیم جس کا کوئی ولی نہ ہو مگر مروت سے اس کو اپنے عیال میں شریک کرلے اور نفقہ دے تو مانع زکات نہیں اسلئے کہ حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے رسول اللہ اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنے یتیم بھتیجے کو زکات دینے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ ایسی ہی وہ عورت جس کو شوہر سے یا عاجز کو اپنے رشتہ دار تونگر سے نفقہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو خواہ وہ غائب ہو یا دیتا بھی نہ ہو تو اس کو زکات دینا جائز ہے ایسے شخص کی مثال اس کی سی ہے جسکا گزارا پہلے تو غیر منقولی جائیداد کے کرایہ سے ہوتا تھا مگر اب اس سے بھی فائدہ حاصل ہونا ختم ہو گیا۔

مسئلہ (ہاشمی کا زکات لینا)

ہاشم بن عبد مناف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہیں جو ان کی اولاد ہو اُس کو زکات لینا جائز نہیں اس لئے کہ حدیث شریف میں زکات کو لوگوں کا میل کہا گیا اور بنو ہاشم باشرف نسل ہے لہٰذا ان کیلئے زکات لینا درست نہیں ہے چاہے وہ ہاشمی مرد ہو یا عورت، چاہے انہیں خمس سے حصہ ملے یا نہ ملے۔ عباس بن عبد المطلب بن ہاشم اور ان کے تینوں بھائی حارث اور ابو طالب اور ابو لہب ان چاروں کی جو اولاد ہیں وہ ہاشمی ہیں۔ سرور عالم کے والد عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں۔ ابو طالب کے تین فرزندوں میں علی مرتضی اور جعفر اور عقیل رضی اللہ عنھم۔ غرض یہ کہ حضرت سیدنا رسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان پر صدقہ حرام ہے اگرچہ ہاشمیوں کو خمس الخمس میں سے حصے ملے یا نہ ملے۔ ایسا ہی ان کے آزاد کردہ غلاموں پر جن کو موالی کہتے ہیں اسلئے کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ و

آلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی قوم کا غلام اسی قوم کا ہی شمار ہوتا ہے البتہ جو ہاشمیوں کے مولیٰ کا مولیٰ ہو اس کو زکات لینا جائز ہے کیونکہ نص کے حکم میں وہ شامل نہیں ہے۔ ہاشمی عورت اور غیر ہاشمی مرد کی اولاد بھی زکات لے سکتے ہیں کیونکہ نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے۔ویجوز الی ولد هاشمية من غير هاشمي فی ظاهر كلامهم وقاله القاضی اعتبار بالاب (الاقناع)۔ **اگر یہ لوگ یا ان کے موالی غارم یا غازی یا مولف ہوں تو لینا درست ہے** اسلئے کہ ان اصناف کو زکات لینا غنیٰ کیساتھ بھی درست ہے اور ان کو دینے میں ان پر احسان بھی نہیں ہے۔ **بعض علماء مطلب کی اولاد کو جو ہاشم کے بھائی ہیں ہیں، انہیں میں شمار کیا ہے اور کہا جس طرح غنیمت کے خمس میں ہاشمی اور مطلبی شریک ہیں ویسا ہی زکات کے مستحق ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ مگر اصح قول یہ ہے مطلبی کو زکات لینا جائز ہے کیونکہ وہ خمس میں جو شریک ہیں تو اس لئے حضرت کی نصرت میں شریک تھے اور حضرت کو مدد دینا باعث محرومی زکات نہیں ہو سکتا ہے۔ بنی ہاشم کو فقط ان کی بزرگی اور شرافت کے سبب سے صدقہ لینا جائز نہیں کہ وہ حضرت کے جد قریب کے اولاد ہیں۔ مال کفارہ بھی ان کو یعنی بنو ہاشم اور ان کے موالی کو جائز نہیں ہاں صدقہ نفل اور وصیت اور نذر درست ہے۔** صدقۂ نافلہ تو لوگوں کا میل نہیں ہے اس لئے یہ انہیں پیش کرنا جائز ہے البتہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کو صدقۂ نافلہ بھی لینا جائز نہ تھا بلکہ آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مطلق صدقہ لینا ہی حرام تھا کیونکہ ان سے اجتناب کرنا دلائل نبوت میں سے ہے۔ آپ علیہ السلام کو جب کوئی چیز پیش کی جاتی تھی تو آپ علیہ التحیۃ والثناء دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا تحفہ۔ اگر وہ تحفہ ہوتا تو آپ قبول فرماتے ورنہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ **بنو ہاشم پر زکات کی ممانعت دوسروں پر ان کی فضیلت کی وجہ سے ہے** جبکہ حضور نبیٔ اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم پر تمام صدقات حرام ہونے کی وجہ آپ علیہ السلام کی تمام مخلوق سے افضلیت ہے۔لان آل محمد لما منعوا فرض الصدقة لشرفهم علی غيرهم وجب ان ينزه النبی صل الله عليه و آله و سلم عن نفلها وفرضها لشرفه علی الخلق كلهم تميزا

له بذلک(کشاف القناع)۔رہے وصیت اور نذر تو ان کو زکات میں شامل نہیں کیا جاتا ہے اسلئے ہاشمیوں کو اس میں سے لینا جائز ہے۔ولبنی ھاشم غیرہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم الاخذ من وصایا الفقراء نص علیہ و من نذر(کشاف القناع)۔نذر میں آدمی کوئی چیز خود پر واجب کر لیتا ہے اسمیں سے کوئی چیز قبول کرنا ہبہ قبول کرنے کی طرح ہے۔البتہ بنوہاشم اور ان کے موالی کو کفارہ قبول کرنا منع ہے اسلئے کہ یہ شریعت نے واجب کیا ہے۔ولا یجوز لھم الاخذ من کفارۃ لوجوبھا بالشرع کالزکاۃ(کشاف القناع)۔

مسئلہ (ادائیگی سے پہلے اہلیت کا جاننا)

اگر کسی کو زکات لینے کے لایق سمجھا اور دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ اہل نہ تھا یا نااہل جان کر دیا مگر وہ اہل نکلا تو دونوں صورتوں میں جائز نہیں کیونکہ پہلی صورت میں اسے چاہئے تھا کہ تحقیق کیا ہوتا کہ آدمی کا حال مثلاً غلام ہونا، کافر ہونا، ہاشمی ہوا، اپنا قریبی رشتہ دار ہونا ایسے اوصاف ہیں جو چھپتے نہیں ہیں بلکہ ان صورتوں میں دریافت کرنے سے آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں نیت زکات لغو ہو جائے گی جب نااہل کو دینا جائز ہی نہ ہو تو نیت کیا کام آئے گی اگر کسی غنی کو فقیر سمجھ کر دیا پھر اس کا اصل حال معلوم ہوا تو زکات ادا ہو گئی۔ یہ ایک یہ صورت مستثنٰی ہے مالدار ہونا ایسا وصف ہے جو چھپایا جا سکتا ہے اسلئے اسمیں لینے والے کے قول کو ماننا درست ہے۔شرح منتھی میں ہے:لان الغنی مما یخفی ولذلک اکتفی فیہ بقول۔غیر مستحق کو جو نادانی سے دیا ہو وہ اس کی دے سمیت پھیر لے یعنی زکات دینے والے کو چاہئے کہ زکات کا مال اور اسمیں جو بڑھوتری آئی ہے ان دونوں کو واپس لے لے کیونکہ یہ زیادتی بھی زکات کے مال ہی کی ہے خواہ وہ زیادتی متصل ہو یا مفصل۔ مثلاً جانور دیا تھا اور وہ اس کے پاس موٹا ہو گیا یہ متصل زیادتی ہے یا اس کو بچہ پیدا ہوا یہ منفصل ہے۔ اگر یہ مال اس قابض یا مستحق

کے پاس **تلف ہو جائے تو ضمانت دی** یہاں جس غیر مستحق کو مستحق سمجھ کر زکات دی تھی اسے قابض کہا جارہا ہے اور جس مستحق کو غیر مستحق سمجھا اسے مستحق کہا جارہا ہے۔ان دونوں میں سے ہر ایک سے مالِ زکات تلف ہونے کا ہرجانہ لیا جائے۔شرح منتہیٰ:وان تلفت ضمنها قابض۔اور اگر دینے والا امام یا اس کا نائب ہو تو اس پر ضمان ہو گا۔شرح منتہیٰ :وان کان الدافع الامام او نائبه فعلیه الضمان **کیونکہ وہ اس کا مالک ہی نہ تھا** اور اسکا مالِ زکات پر قبضہ کرنا قبضۂ باطلہ تھا۔ **نفل صدقہ غنی کو مفلس جان کر دیا ہو تو واپس نہ لے کیونکہ یہ ثواب سے خالی نہیں** تو حصول ثواب میں صدقۂ نافلہ کا مقصد فوت نہیں ہوتا ہے برخلاف اس کے کہ زکات غیر مستحق کو دینے سے زکات کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔**جو زکات لینے کا مستحق ہو اس کو اپنی محتاجی بیان کرنا مکروہ ہے** منتہیٰ الارادات میں ہیکہ من ابیح له اخذ شیء ابیح له سؤاله جس کیلیئے کسی چیز کا لینا جائز ہے اس کیلیئے اس چیز کا سوال کرنا بھی جائز ہے مثلاً کسی کیلیئے کفارہ، زکات، نذر وغیرہ لینا جائز ہے اور اگر وہ اس کا سوال کرے تو وہ اپنے حق کا سوال کر رہا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو کسی چیز کا لینا جائز نہیں اس کو اس چیز کا سوال کرنا بھی حرام ہے۔امام احمد نے فرمایا مجھے مانگنا بالکلیہ پسند نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ باپ اور اس کے فرزند کے درمیان ہو۔الاقناع میں یہ بھی ہیکہ التعریض اعجب الی احمد یعنی مانگنے سے بچنا امام کو زیادہ پسند ہے **اور جس کو زکات لینے کی عادت نہ ہو اس کو بے دریافت کئے حال کے دیدینا بھی مکروہ ہے۔**

مسئلہ (سنت اور نفل صدقات)

صفحۂ سابقہ میں تحفہ کا بیان گزرا ہے لہٰذا صدقۂ نافلہ کو سمجھنے سے بھی پہلے صدقہ اور تحفہ کی تعریفات اور ان کے درمیان فرق سمجھنا ضروری ہے۔صدقہ اور تحفہ کی تعریف میں مشترک بات یہ ہیکہ یہ دونوں کسی چیز کے کسی کو بلاعوض مالک بنانے کو کہتے ہیں اگر اس سے صرف آخرت کا ثواب مقصود ہو تو وہ صدقہ ہے اور اگر اس سے کسی خاص شخص کا اکرام یا

اس شخص سے اظہار محبت مقصود ہو تو وہ تحفہ کہلاتا ہے۔ جبکہ صدقہ کسی ایک معین شخص کو دینا مقصود نہیں ہوتا ہے۔ صدقہ دینا اس وقت مستحب ہوتا ہے جبکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول مقصود ہو **صدقات واجبہ کے سوا اور صدقات سنت میں مطلق صدقے کی فضیلت ہے اور ثواب بہت جگہ قرآن اور حدیث میں وارد ہے** اللہ تعالیٰ نے فرمایامن ذی الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ(البقرۃ245) یعنی کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضۂ حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے میں اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔ ترمذی کی حدیث شریف ہیکہ صدقہ رب تعالیٰ کے غضب کو بجھاتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔ **فرض تو فرض ہے نفل کا بھی بڑا ثواب ہے** زکات تو صدقۂ واجبہ ہے وہ پانچ ارکان اسلام میں سے ایک ہے اسکی فضیلت تو بہت زیادہ ہے لیکن نفل صدقہ کے بارے میں صحیحین کی حدیث شریف ہیکہ جو کوئی کھجور کے برابر بھی کسب طیب سے صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں اور صدقہ کرنے والے کیلئے اس کی پرورش فرماتے ہیں حتیٰ کہ وہ صدقہ پہاڑ کے جیسا ہوتا ہے۔ **خصوصاً جو پوشیدہ اور اپنی خوشی سے اور صحت کے حال میں دے** پوشیدہ صدقہ دینے کی فضیلت قرآن کریم میں اسطرح وارد ہوئی: وان تخفوھا و تؤتوھا الافقراء فھو خیر لکم (البقرۃ271) اور اگر تم اس کو چھپا کر فقراء کو دو تو وہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ نیز اسمیں ریاء کا شائبہ نہیں رہتا ہے۔ اپنی خوشی سے صدقہ دینے کی فضیلت ابو داؤد کی روایت میں یوں ہیکہ تین چیزیں ایسی ہیں کی جس نے ان کو کیا تو اس نے ایمان کا مزہ چکھا: جس نے صرف اللہ کی عبادت کی اور جس نے یہ مانا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور خوشی سے اپنے مال کی زکات دی۔ اسی طرح حالتِ صحت میں صدقہ کرنے کو اعظم ترین اجر والا عمل صحیحین کی حدیث میں قرار دیا گیا ہے۔ **ایسا ہی اچھے دنوں میں اور اچھی جگہ میں اور زیادہ حاجت کے وقت اور دیندار اور قریب اور ہمسایہ کو** جیسا کہ رمضان کا مہینہ اور عشرہ ذی الحجہ یا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں یا مسجد اقصیٰ میں یا قحط سالی و تنگی میں۔ رشتہ دار اور پڑوسی زیادہ مستحق ہے اگر وہ دشمن ہوں تو اور زیادہ اجر ہے۔ افضل ایام میں صدقہ

دیناان ایام کی تعظیم کرناہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہیکہ وذکرھم بایام اللہ(ابراھیم5)اور انکو خدا کے دن یاددلائیے۔ نیز رمضان میں صدقہ دینے سے ادائیگیٔ روزہ میں اعانت بھی ہوتی ہے اور رمضان میں صدقہ دینے کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ مقدس مقامات میں صدقہ دینے سے کئی گنا ثواب ملتاہے۔اپنی ضرورت وحاجت کے وقت دوسروں کو صدقہ دینے کی فضیلت قرآن کریم میں یوں بیان ہوئی ہے اواطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ(بلد14)یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۔رشتہ دار کو صدقہ دینے میں صلۂ رحمی بھی ہے نیز قریبی رشتہ دار اور پڑوسی کو دینے کا حکم قرآن کریم میں یوں آیا ہےوالجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب(النساء 36) قریبی رشتہ دار اور اجنبی ہم سایہ اور ساتھ بیٹھنے والے کیساتھ احسان کرو۔ عموماً جن سے قربت ہوتی ہے انہی سے اختلافات بھی ہوتے ہیں جو کبھی دشمنی تک پہنچ جاتے ہیں۔ جن ہمسایوں سے دشمنی ہو ان کو دینے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لہٰذا اسمیں کسرِ نفس اور حصول رضاء الٰہی ہے۔

مسئلہ (اللہ کی راہ میں کتنا دیں)

بہتر یہ ہے کہ اپنے عیال کی دائمی کفایت سے جو بچ رہے وہ راہ خدا میں صرف کرے یعنی پہلے اپنے اور اپنی عیال کے نفقہ پر خرچ کرے کہ یہ واجب ہے پھر صدقۂ نافلہ دے ایسانہ دے جس سے اُس کو یا اس کی عیال کو یا قرض خواہ اور کفیل کو ضرر حاصل ہو قرضدار پر قرض کی ادائیگی واجب ہوتی ہے لیکن اس پر اپنا اور اپنی عیال کا نفقہ مقدم ہے۔ اگر ان واجبات کی ادائیگی نہ کرے یا اسمیں کمی کرے اور صدقۂ نافلہ دے تو گناہگار ہو گا۔وان تصدق بما ینقص من تلزمه مؤنته او اضر بنفسه او بغریمه او کفالته اثم (الاقناع) لیکن اگر اسکی عیال ایسا کرنے پر راضی ہو تو ایسا کرنا افضل ہے جو شخص اپنا کل مال خیرات کر دے تو جائز ہے حضرت صدیق کا قصہ شاہد ہے۔ اکیلا ہو یا صاحب

عیال۔ مگر یہ اس کو ہی جائز ہے جسے خدا پر پورا بھروسہ ہو اور جسے تنگی پر صبر کرنا اور سوال سے بچنا ہو سکتا ہو اور اپنی عیال کے لئے بقدر کفایت اُٹھار کھا ہو یا اپنے کسب سے اُن کو پرورش کرتا ہو جس کو صبر و توکل نہ ہو اور نہ مصیبت اُٹھانے کی عادت تو اس کو پوری کفایت سے کم کرنا نہیں چاہیئے یعنی ایسا کرنا مکروہ ہے رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے اور اسمیں اللہ تعالیٰ سے سوء ظن آتا ہے۔ امام نے فرمایا اگر کسی فقیر کے رشتہ دار کے پاس ولیمہ ہو تو چاہیئے کہ قرض لیکر اس کے پاس ہدیہ بھیجے۔ مبدع میں کہا گیا ہے یہ اس وقت ہے کہ قرض ادا ہونے کا اُس کو گمان غالب ہو کیونکہ اسمیں قرض لے کر صلہ رحمی کرنا ہے ورنہ فقیر کو قرض لے کر صدقہ نہیں دینا چاہیئے کیونکہ قرض کی ادائیگی صدقہ پر مقدم ہے۔ ابن عقیل نے کئی جائے قسم کھا کر کہا اگر بے بسی تجھے ہے زمانہ پھر جائے گا تو تیرے اہل اور پڑوسی سب پھر جائیں گے۔ پھر مال اُٹھار کھنے کی ترغیب دی۔ سفیان ثوری نے کہا جس کے پاس مال ہو اس کو محفوظ رکھے۔ یہ ایسا زمانہ ہے اگر کوئی محتاج ہو جائے گا تو دین اپنا بیچ ڈالے گا۔

مسئلہ (صدقہ دے کر احسان جتانا)

صدقہ دے کر احسان جتانا کبیرہ گناہ ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے: لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی (البقرۃ264) یعنی اپنے صدقات احسان جتا کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو۔ اس سے ثواب جاتا رہتا ہے یعنے نیکی برباد ہو جاتی ہے اور گناہ لازم آتا ہے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے بھی بُرا ہے۔ خاص خدا کے لئے اور مسلمان کی راحت رسانی مقصود ہو اللہ تعالیٰ ہمارے سب اعمال کو خیظ اور ریا سے بچائے اور اپنے مخلص بندوں میں داخل فرمائے۔

کتاب الصوم

صوم لغت میں کھانے پینے، بات کرنے، نکاح کرنے اور چلنے پھرنے سے **روکنے کے معنی ہیں۔ خاموش کو صائم اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ اپنے کو کلام سے روکا ہے۔ آیتِ کریمہ انی نذرت للرحمن صوما صوم سے سکوت مراد ہے۔** اس آیتِ کریمہ میں سیدتنا مریم علیہا السلام نے یوں فرمایا تھا کہ: انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم انسیا (مریم: 26) میں نے رحمٰن کیلئے روزہ کی نذر مانی ہے سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ **اور شرع میں صوم** مخصوص افراد یعنی مسلمان، عاقل، غیر حائض و غیر نفاس والی کا روکنا ہے **اپنے کو چند چیزوں** یعنی ان مفسدات سے جن کا بیان آگے آرہا ہے سے **بہ نیت عبادت ، خاص وقت میں** یعنی طلوع فجر ثانی سے غروب آفتاب تک۔ **رمضان کے روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو رمضان روزے رکھے۔**

مسئلہ (ایک شہر کے باشندوں کی رؤیتِ ہلال سے تمام لوگوں پر روزہ فرض ہونا)

رویت ہلال رؤیت کی اضافت جب اعیان کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے رؤیت بالبصر مراد ہوتی ہے لہذا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا ضروری ہے حساب کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے ماہِ رمضان کی آمد کا اندازہ لگانا کافی نہیں ہو گا کیونکہ ایسا کرنے کی شرعی دلیل نہیں ہے **رمضان کا چاند دیکھنے سے سب پر روزہ فرض ہو جاتا ہے** چاہے وہ قریب ہوں یا دور اسلئے کہ ماہِ رمضان دو ہلالوں کے درمیان ہوتا ہے اور ہر انسان پر چاند دیکھنا لازم نہیں ہے۔ جس نے چاند نہیں دیکھا اس کا حکم چاند

دیکھنے والے کی طرح ہے۔ **اگر کسی شہر والالوں نے چاند دیکھا تو کل امت پر روزہ واجب ہو گیا، مطالع کا اختلاف معتبر نہیں۔** حنابلہ کا مذہب وہی ہے جو حضرت مصنف نے بیان کیا اور یہی المغنی ، الاقناع، منتھیٰ الارادات میں ہے۔ مطالع مطلع کی جمع ہے اس کے معنی طلوع یا ظہور ہونے کی جگہ کے ہیں۔ اختلاف مطالع کا مطلب یہ ہیکہ ایک شہر کے لوگ ہلال دیکھیں اور دوسرے شہر کے لوگ زمین کے کرہ پر اپنے مقام کی وجہ سے ہلال نہیں دیکھ سکیں۔ دورِ حاضر میں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جارہاہے۔ مختلف مطالع والے شہروں میں ایک دوسرے کی رؤیت قبول نہیں کی جاتی ہے جبکہ ایک مطلع والے شہروں میں ایک دوسرے کی رؤیت قبول کی جاتی ہے۔ **اگر لوگوں نے کسی شہر میں چاند دیکھ کر روزہ رکھا، پھر بہت دور کا سفر کیا اور وہاں مدت پوری ہونے پر** یعنی تیس دن مکمل ہونے پر **چاند نظر نہ آیا تو افطار کرلیں** یعنی عید الفطر کا اہتمام کریں اسلئے کہ یہ حکم ان سے متعلق ہے اور اس شہر والے جہاں پر اب یہ لوگ ہیں وہ اپنے مطلع کا اعتبار کریں۔ اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے۔ اسی طرح حاشیۃ روض المربع میں ہے۔

مسئلہ (تیس شعبان کی شب چاند نظر نہ آنا)

اگر تیسوں شعبان کا مطلع صاف ہوتے ہوئے چاند نظر نہ آئے تو اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ **اس کی صبح کو روزہ نہ رکھیں اس کو یوم الشک کہتے ہیں جس میں روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اگر اس شب کو گرد و غبار یا دھواں یا ابر ہو تو ہمارے امام کے پاس** ظن کیساتھ **احتیاطاً رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا واجب ہے۔** صحابہ کرام میں سیدنا عمر، سیدنا ابن عمر، سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا ابوہریرہ، سیدنا انس، سیدتنا عائشہ، سیدتنا اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنھم اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ سیدنا علی، سیدنا ابوہریرہ اور سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنھم کا قول بھی ملتاہیکہ لاَنْ أَصُمْ يَوْمًا مِنْ شَعْبَانَ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنَّ أُفْطِرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ **مجھے ضرور شعبان کا ایک روزہ رکھنا**

اس سے زیادہ پسند ہیکہ رمضان کا ایک روزہ چھوڑدوں یعنی احتیاطاً شعبان کا ایک روزہ رکھنا رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے سے بہتر ہے۔اسی کو امام خرقی نے اختیار کیا ہے۔صاحب الفروع نے اس کے وجوب کارد کیا ہے انہوں نے کہا: ولم أجد عن أحمد أنه صرح بالوجوب ولا أمر به کہ امام احمد سے صراحۃ اس کے وجوب کے بارے میں مجھے نہیں ملا اور نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں۔مگر مذہب اس دن روزہ رکھنے کے وجوب کا ہے۔ **اسمیں حنبلی مذہب کے علماء نے رسالے تصنیف کیئے اور مخالفوں کو اچھے جواب دیئے**۔ان میں قاضی ابویعلی کی إيجاب الصوم ليلة الغمام اور ابن الجوزی کی رد اللوم والضيم، في صوم يوم الغيم اور یوسف بن عبد الہادی کی درء اللوم **ممتاز ہیں**۔**اگر بعد میں** کسی اور جگہ رؤیت سے **معلوم** ہو گیا کی چاند (۲۹) ہی کا تھا تو وہ رمضان میں **محسوب** ہو گیا کیونکہ یہ روزہ رمضان کی نیت سے تھا۔ اور اس رات کو تراویح بھی پڑھے کیونکہ امام احمد نے فرمایا یہ ایام صیام سے پہلے ہے،روزوں کیساتھ اس کے تابع چیزیں بھی ثابت ہو گئیں یعنی اگر اس روزہ میں جماع کرے تو کفارہ دے اور اس دن مسافر اگر مقیم ہو اور حائض پاک یارات سے نیت نہ کی ہو تو مفطرات سے رکے رہے تو تابع سوم یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ "صوم" ہے کے سوا دوسرے چیزیں ثابت نہ ہوں گی مثلاً عتق یا طلاق کو رمضان کے آنے پر معلق کیا ہو تو اس دن عتق یا طلاق واقع نہ ہو نگی ایسے ہی اور امور کیونکہ رمضان کا ثبوت نہیں یعنی یہاں پر اصلاً رمضان کا وجود نہیں تھا بلکہ ظن کیساتھ روزہ رکھا گیا تھا اور ظن کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے لہٰذا دیگر احکام شرع ثابت نہیں ہوں گے۔

مسئلہ (رؤیتِ ہلال کی شہادت ہو گی یا روایت) ایک عادل غیر مستور الحال مکلف غیر صغیر شخص کے ہلال رمضان دیکھنے اور خبر دینے سے سب کو روزہ لازم ہے کیونکہ یہ خبر دینا روایت کے باب میں سے ہے اور یہ احوط ہے اور اس میں کوئی تہمت کا بھی گمان نہیں بخلاف رؤیتِ ماہِ شوال کے۔ خواہ وہ مخبر عورت ہو یا غلام، جیسا کہ دیگر تمام

اخبار میں ہوتا ہے،لفظ شہادت کا کہے یا نہ کہے، اس میں حاکم ضرور نہیں جو اس کی زبانی چاند کی خبر سنے وہ روزہ رہے اگرچہ حاکم اس کا قول رد کرے مثلاً حاکم کو دیکھنے والے کا علم نہ ہو اور اس کی عدالت کا علم نہ ہونے کی بنا پر اس کا قول رد کر دے اور دوسرا جو اس کی عدالت سے واقف ہو وہ اس سے چاند کی خبر سن کے روزہ رکھے۔ لیکن جب حاکم دیکھنے والے کے فسق کی وجہ سے اس کا قول رد کرے تو اس سے سن کر روزہ نہ رکھے۔ اور باقی احکام بھی تبعاً ثابت ہو جاتے ہیں، طلاق ہو یا عتاق۔ اس کے سوا شوال یا اور باقی مہینوں میں وہ شخص ہونا چاہیئے جو بلفظ شہادت خبر دیں جس وقت کہ ایک کے کہنے پر روزہ رکھتا ہو اور اس حساب سے تیس دن پورے ہو جائیں تو افطار نہ کرے کیونکہ افطار کرنے کیلیئے دو گواہ چاہیئے ایسا ہی اگر ابر کے سبب سے یوم الشک کو روزہ رکھا اور تیس دن ہو گئے تو عید نہ منائے کیونکہ رمضان کا ثبوت ہی نہ تھا۔ اور ظن کیساتھ روزہ رکھا تھا تو فقط احتیاط کی بات تھی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جب دو کی گواہی پر روزہ رکھتا ہو اور تیس دن کے بعد چاند نظر نہ آیا تو افطار کر لے آسمان صاف ہو یا غبار ہو کیونکہ دو کی گواہی سے یقینی خبر حاصل ہوتی ہے۔ اب ممکن ہے کہ رؤیت کی خبر کسی دوسری جگہ سے حاصل ہو جائے۔ لہٰذا اب رؤیت ہلال نہ ہونا یقینی نہیں ہے ۔ اگر ایک کی یا دو کی گواہی پر روزہ رکھا پھر اٹھائیس کو چاند نظر آ گیا تو ایک روزہ قضا کریں اور دو روزے قضا نہ کرے کیونکہ بعید تر بات ہیکہ دو دن کا فرق آیا ہو ۔

مسئلہ (ایک آدمی کی رؤیت ہلال رمضان):

اگر کسی نے رمضان کا چاند دیکھا اور اس کی بات رد ہو گئی اسلئے کہ وہ فاسق تھا یا مستور الحال تھا تو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے اور سب احکام ثبوت رمضان کے متعلق اس کے پاس ثابت ہیں کیونکہ اسکو یقین ہے دوسروں کے

حق میں اس کی رؤیت کا کافی نہ ہونا اس کے حق میں رمضان کے احکام کے ثبوت کی نفی نہیں کرتا ہے کیونکہ فرمان نبوی صل اللہ علیہ و آلہ وسلم عمومی ہے کہ رمضان کا روزہ چاند دیکھ کر رکھو۔۔ لہٰذا وہ خود روزہ رکھ سکتا ہے جبکہ بقیہ لوگ روزہ نہیں رکھیں گے اور اگر اکیلا شوال کا چاند دیکھا ہو تو افطار نہ کرے شوال کیلئے دو افراد کی رؤیت ضروری ہے۔ ایک کی روایت سے شوال کے احکام ثابت نہیں ہوتے ہیں کیونکہ ممکن ہیکہ اس کو شوال کے چاند کا خیال ہوا ہو تو اسکی روایت میں اتہام مانا جائے گا کیونکہ حضرت نے فرمایا افطار کا وہ دن ہے جس دن لوگ افطار کریں اور قربانی کا وہ روز جس روز قربانی کریں یہ جماعت کی موافقت ہے ترمذی نے اس کی روایت کی اور صحیح کہا۔

مسئلہ (قیدی کو رمضان کے آغاز کی اطلاع نہ ہونا):

اگر محبوس کو معلوم نہ ہو کہ رمضان کا مہینہ کب ہے تو اسکی معرفت کے حصول کیلئے دل کو ٹھہرا کر ادا کرے یعنی دل سے پوچھے اور دل جس دن کے رمضان کا پہلا دن ہونے پر مطمئن ہو جائے اس دن سے روزہ رکھنا شروع کر دے ۔ اگر بعد میں بھی یہ نامعلوم ہو کہ رمضان سے پہلے روزہ رکھتا ہے یا بعد میں رکھتا ہے تو اس کا اسطرح دل ٹھہرا کر روزہ رکھنا ہی بس کرتا ہے یعنی روزہ کی فرضیت کی ادائیگی کیلئے یہ کافی ہو گا پھر اس کو روزہ قضا کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی ۔ اگر بعد میں معلوم ہو کہ رمضان سے پہلے اس نے روزہ رکھا تھا یا رمضان کے بعد اس نے روزے رکھے تھے تو وہ عید اور ایام تشرق کے دن تھے تو اس کی قضا کرے یعنی اگر رمضان سے کچھ دن پہلے اس نے روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو اتنے دنوں کی قضا کرے اور اگر رمضان کے بعد روزے رکھے تو پھر تمام روزے قضا کرے۔

شرائط وجوب:

رمضان کا روزہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں۔ (۱) اسلام اور (۲) عقل، یہ تو ہر عبادت میں شرط ہیں۔ شرط وجوب کی دو شرطیں اور ہیں۔ (۳) بلوغ اور (۴) قدرت۔ تو کافر اور دیوانے اور نابالغ اور عاجز پر واجب نہیں۔ اگر کوئی حالتِ روزہ میں مرتد ہو جائے تو اس کا روزہ باطل ہو گا پھر اگر اسی دن دوبارہ مسلمان ہو جائے یا دوسرے روز مسلمان ہو جائے تو اس کو قضا لازم ہو گی۔ مجنون اگر روزہ رکھ لے تو اس کا روزہ درست نہیں ہو گا کیونکہ اس کی نیت کے صحیح ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اسی طرح کافر روزہ رکھ لے تو اس کا روزہ درست نہیں ہو گا کیونکہ اس کی نیت معتبر نہیں ہے۔

شرائط صحت:

روزہ صحیح ہونے کی پانچ شرطیں ہیں۔ دو شرطیں سابق کی یعنی اسلام اور عقل اور (۳) نیت اور (۴) تمیز اور (۵) موقوف ہونا حیض و نفاس کا بے تمیز بچے کا روزہ صحیح نہیں، جس طرح نماز۔ مگر ولی کو چاہئے اگر وہ یعنی تمیز والا بچہ روزہ رکھ سکتا ہو تو اس کو حکم کرے۔ اگر نہ رکھے اور مار کر اسے روزہ رکھنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہو تو مارے اور اگر کسی دوسری تدبیر سے اس کو آمادہ کیا جا سکتا ہے تو وہ اختیار کرے کہ اس کو عادت پڑے۔ عقل کے زائل ہونے کی تین صورتیں ہیں: پہلی: بے ہوشی، دوسری: دیوانگی، تیسری: نیند جس نے روزہ کی نیت کی رات سے پھر دیوانہ یا بیہوش ہو گیا اور تمام دن اسی طرح رہا ایک ساعت بھی افاقہ نہ ہوا تو روزہ درست نہیں کیونکہ روزہ خود کو عبادت کی نیت کیساتھ مفطرات سے روکنے کا نام ہے اور یہاں نیت کے ساتھ آپ کو روکنا ثابت نہ ہوا۔ اگر ایک ساعت بھی افاقہ

ہو گیاتوروزہ صحیح ہے، پھر افاقہ چاہے اول روز میں یعنی دن کے ابتدائی حصہ میں ہو یا آخر میں کیونکہ یہاں نیت کیساتھ اس نے خود کو مفطرات سے روکا ۔ ساعت سے مراد ایک جزوزمان ہے۔ اگر تمام دن سوتارہاتوروزہ فاسد نہیں۔ کیونکہ سوناعادتی امر ہے اور اس سے احساس پورازائل نہیں ہوتا۔ بیہوشی کے حال کی قضالازم ہے دیوانگی کی نہیں۔ کیوں کہ بیہوشی کی مدت اکثر دراز نہیں ہوتی نیز بے ہوشی سے اس پر دوسرے کی ولایت ثابت نہیں ہوتی ہے لہٰذا بے ہوش ہونے پر بھی تکلیف زائل نہیں ہوتی ہے لہٰذا عبادت کی قضالازم ہوتی ہے۔ حیض ونفاس والی پر رمضان کے روزے واجب ہے مگر اس حال میں ادا کرنا صحیح نہیں بلکہ دوسرے وقت اس کی قضا کرے کیونکہ وہ اس کے ذمہ ثابت ہے بس اس کی ادائیگی طہر کیساتھ مشروط ہے۔ جو روزہ واجب ہو اس میں ہر روزہ کے لئے رات سے تعین کے ساتھ نیت کرنا ضروری ہے کیونکہ عبادت کی نیت اس کے وقتِ ابتداء میں ہوتی ہے جیسا کہ نماز کی نیت تکبیر تحریمہ سے پہلے ہوتی ہے ۔اس سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل کے روزے کے لئے آج دن کو اگر نیت کرے تو صحیح نہیں خواہ وہ روزہ اصل شرع سے واجب ہو جیسا رمضان اور اس کی قضااور کفارہ یا انسان اس کو اپنے پر واجب کر لیاہو جیسا نذر ان میں سے ہر ایک روزہ ایک مفرد عبادت ہے جس کی مفرد نیت کرنا ضروری ہے یعنی ہر روزہ کی رات سے نیت ضروری ہے اور ایک روزہ کی نیت بقیہ روزوں کیلئے کافی نہ ہو گی۔ ایسا ہی دم متعہ اور قران اور اس کی مانند ہر روزہ عبادت علیٰحدہ ہے اس کے مفرد عبادت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ایک روزے کے فساد سے دوسرا روزہ فاسد نہیں ہوتا تو ہر ایک کے لئے جدا نیت ضروری ہے۔ تعین بھی لازم ہے کہ روزہ ادائے رمضان کا ہے یا قضا یا نذر یا کفارے کا یا کوئی اور روزہ ہے واجب کہنا شرط نہیں یعنی فرض کی علیٰحدہ نیت کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ تعیین کر لی کہ رمضان کا روزہ ہے یا اسکی قضاء ہے یا نذر کا روزہ ہے تو اس سے روزے کا فرض ہونا ثابت ہو گیا، خود تعین

سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جس کے دل میں رات کو یہ ارادہ ہو کہ کر کل روزہ رکھوں گا تو نیت ہو چکی۔ اسی طرح سحر کرنا یا افطار کے ہی وقت روزہ کے ارادہ سے عادت سے کچھ زیادہ کھانا۔ اگر رات کو نیت کے بعد کھائے پیۓ یا مفطرات میں سے کچھ بھی کرے ضرر نہیں کیونکہ روزہ نیت کیساتھ ہی شروع نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تو فجر ثانی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ نفل روزے میں دن کو بھی نیت کرے تو جائز ہے کیونکہ حضور اکرم صل اللہ عیلہ و آلہ و سلم سے نفلی روزے کیلئے رات سے نیت کی عدم موجودگی کے باوجود دن کو نیت کرنا کثرت سے ثابت ہے۔ گویا آپ علیہ السلام نے اسمیں نفل روزے کیلئے رعایت و تخفیف فرمائی ہے جیسا کہ نفل نماز میں قیام کی فرضیت میں تخفیف ورعایت فرمائی ہے اگرچہ بعد زوال ہو یہاں نیت دن کے ایک حصہ میں پائی گئی تو اس کا وجود زوال کے ایک لمحہ پہلے کی طرح ہے۔ نیز طلوع فجر سے زوال کا وقفہ، زوال سے غروب کے وقفہ سے زیادہ ہے اس طرح دن کا اکثر حصہ بغیر نیت کے جب گزرنے سے نقصان نہ ہوا تو مزید کچھ لمحات گزرنے کے بعد نیت کرنے میں حرج نہ ہو گا۔ اور روزے کا حکم صبح صادق سے ثابت ہو جائے گا مگر دن میں نیت کرنا اسی وقت درست ہو گا جب دن بھر کوئی فعل منافی صوم نہ کیا ہو۔ نیت میں عزم بھی ضروری ہے۔ شک یا تردد ہو تو صحیح نہیں اس سے نیت فاسد ہو جاتی ہے کہ اسمیں جزم نہیں ہے ۔ اگر کہے ان شاء اللہ میں کل روزہ رکھوں گا اور دل میں تردد نہ ہو بلکہ خدا کے نام سے حصولِ تبرک مقصود ہو تو درست ہے اسی طرح ان شاء اللہ کہنے سے یہ قصد ہو کہ اسکا روزہ اللہ کی توفیق، مدد اور مشیت سے ہے تو کوئی حرج نہیں، تردد ہو تو نہیں جس طرح یوں کہنا کہ میں انشاء اللہ مسلمان ہوں یعنے اس وقت جو ایمان حاصل ہے اگر اس میں تردد نہ ہو تو اس طرح کہنا برا نہیں۔ غرض یہ ہو کہ آئندہ بھی اس پر خدا ثابت رکھے اور خاتمہ بخیر کرے۔ اگر انتیسویں شب میں شعبان کی یوں کہے کہ اگر رمضان ہے تو میں روزہ دار ہوں تو درست نہیں وہی تردد کے باعث اور جو

تیسویں شب رمضان کی اس طرح کہے تو روزہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس صورت میں رمضان کا موجود ہونا ثابت ہے اور زوال ثابت نہیں تو جب رمضان کا ہونا ثابت ہوا تو اسکا روزہ رکھنے کا ارادہ بھی پختہ ہوا برخلاف اس کے کہ اگر کوئی شعبان کی تیسویں شب یوں کہے کہ اگر کل رمضان ہے تو میں روزہ دار ہوں تو یہ درست نہ ہو گا کیونکہ یہاں شعبان کا باقی رہنا ثابت ہے اور اسکا ختم ہونا ثابت نہیں ہے۔ جس نے روزہ توڑنے کی نیت کی یا توڑنے یا پورا کرنے میں تردد کیا تو روزہ ٹوٹ گیا کیونکہ نیت قطع ہو گئی جس کا روزہ کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔ تو اب اسکی طرح ہو گیا کہ جس نے نیت ہی نہ کی تھی۔

فرض روزہ

روزہ میں ایک ہی فرض ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک آپ کو مفطرات سے روکے، فرض روزہ ہو یا نفل۔

سنت روزہ

افطار میں جلدی اور سحر میں دیر کرنا سنت ہے مگر جب غروب آفتاب کا اور بقائے شب کا یقین ہو۔ اگر غروب کا ظن ہو تو مباح ہے کیونکہ یہاں ظن یقین کے قائم مقام ہے لیکن احتیاط کا تقاضہ یہی ہیکہ یقین ہونے تک رکا جائے ۔ایسا ہی اگر طلوع خبر یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ فجر ہے میں شک ہو تو سحر جائز یہاں طلوع فجر سے مراد طلوع فجر ثانی ہے لیکن اولیٰ یہی ہیکہ جب شک ہو تو نہ کھائے اور سحر خود سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سحر کرنے کی تلقین فرمائی ہے ۔روزے میں اعمال خیر زیادہ کرے۔ تلاوت قرآن اور ذکر اور درود اور صدقہ

اس کے سوا اور اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچائے۔ خصوص زبان کو جھوٹے اور غیبت اور فحش اور تہمت سے اور جو کوئی اس کو بُرا کہے تو اس کے جواب میں کہے میں روزہ دار ہوں۔ رمضان میں ہو تو پکار کے کہے کہ فرائض کی ادائیگی میں اعلان ریاء نہیں ہے اور رمضان کے سوا میں آہستہ اپنے دل کو سنائے یہاں اعلان کرنے میں ریاء کا شائبہ ہے اسلئے آہستہ کہنے کا حکم ہوا۔ افطار رطب پر کرے رطب وہ کھجور ہے جو درخت سے تازہ توڑا گیا ہو رطب نہ ہو تو تمر تمر وہ کھجور ہے جسے توڑنے کے بعد ذخیرہ اندوزی کے قابل بنالیا گیا ہو۔ نیز شرح المنتھیٰ میں ہیکہ رطب اور تمر ہر وہ کھجور ہے جسے آگ نے مس نہ کیا ہو۔ وہ بھی نہ ہو تو پانی بس ہے۔ اور افطار کے وقت یوں کہے اللّٰھُمَّ لَكَ صَمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ سُبْحَنَكَ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی یا اللہ تیرے واسطے میں نے روزہ رکھا ہے اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا تو پاک ہے اور تجھی کو حمد ہے مجھ سے قبول کر تو سنتا جانتا ہے۔ اور روزہ دار کو افطار کرائے کہ اسمیں روزہ رکھنے والے کی طرح کا ثواب ہے کچھ بھی کھلائے پیٹ بھر کھلانا افضل ہے، یہ سب باتیں سنت ہیں۔

مفسدات روزہ

روزے کی توڑنے والی چھ چیزیں ہیں۔ پہلی :روزے کی توڑنے والی نیت کرنا یا توڑنے یا نہ توڑنے میں تردد اور دوسری: پہنچنا کسی چیز کا پیٹ میں یا حلق میں یا دماغ میں اور تیسری: نکلنا منی یا مذی کا اس کے شرطوں سے اور چوتھی: قصداً قئے کرنا اور پانچویں: پچھنے لگانا یا لگوانا اور چھٹویں: جماع کرنا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ نیت کا پورا بیان پہلے ہو چکا۔ جو چیز حلق اور دماغ اور شکم میں پہنچے وہ مفسد ہے۔ روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہے۔ اگر روزہ دار حالتِ روزہ

میں بغیر بھولے اپنے اختیار سے کوئی چیز کھائے یا پئے تو روزہ فاسد ہو گا کیونکہ اس نے بغیر عذر روزہ کے منافی کام کیا۔اگر زبردستی اس کے حلق میں کوئی چیز ڈالدی جائے تو وہ مفسد نہیں ہے اور مجبور کرنے پر وہ کھالے تو یہ مفسد نہیں ہو گا۔یہ بیمار کے حلق میں دواڈالنے کی طرح ہے۔ کشاف القناع میں ہیکہ دماغ بھی ایک جوف ہے اور اس تک پہنچنے والی چیز تغذیہ بخش ہوتی ہے لہٰذا اس تک کسی چیز کا پہنچنا مفسد روزہ ہے۔نووی نے کہا کہ فقہاء نے حلق کو جوف کی طرح قرار دیا ہے۔ان اعضاء تک کوئی چیز کسی بھی طریقہ سے پہنچے تو وہ مفسدِ روزہ ہو گی چاہے روزہ دار سعوط کرے اور وہ حلق یا دماغ تک پہنچے یا دیگر طریقوں سے پھر وہ پتلی ہو یا سخت غذا ہو یا اس کے سوا یعنی وہ جس سے تغذیہ حاصل نہیں ہوتا ہے اور نہ وہ گھلتی ہے جیسے مٹی کنکر وغیرہ۔ سوائے سوراخ ذکر کے کسی راہ سے ہو۔اگر سوراخ ذکر میں کوئی چیز ٹپکائے یا غائب کر دے کہ وہ مثانہ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد نہیں کیونکہ مثانہ سے معدہ تک کوئی راستہ نہیں ہے لہٰذا یہ معدہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے مفطر نہیں ہے ۔اگر کوئی چیز کان میں ایسی ٹکائے جو دماغ میں پہنچ جائے تو وہ مفسدِ روزہ ہے۔کان میں موجود ایک صحیح وسالم غشاء طبلی کان میں پہنچنے والی اشیاء کو دماغ تک پہنچنے سے روکتی ہے۔جب اس غشاء میں کسی بیماری کے سبب سوراخ ہو جائے تو کان میں پہنچنے والی اشیاء دماغ تک پہنچ جاتی ہیں یا پیٹ کے زخم پر دوالگائے اور وہ پیٹ کے اندر پہنچ جائے تو وہ مفسد روزہ ہے کیونکہ روزہ دار نے اسے اپنے اختیار سے ایک جوف تک پہنچایا یا آنکھوں میں سرمہ لگائے اور وہ حلق میں اُتر آئے خواہ رطوبت کے سبب سے ہو یا اس کے تیزی کے باعث خواہ وہ اثمد ہو بہت سا یا کوئی سرمہ خوشبو ذرا سا یا ایلوہ یا اس کے سوا اگر یہ بات متحقق نہ ہو کہ وہ چیز جو آنکھ میں لگائی حلق میں اتری تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر اسکے مقدار میں تھوڑے ہونے کی وجہ سے شک ہو کہ وہ حلق تک پہنچا ہے یا نہیں اور اسکا ذائقہ بھی محسوس نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا یا کوئی کھانے کی چیز چکھنا یا مصطگی چبانا اور ان دونوں کا مزا حلق میں پانا مفسد ہے کیونکہ یہ اس چیز کے حلق تک پہنچنے کی دلیل ہے المغنی میں ہیکہ گوند دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جس کو

چبانے سے اسکے اجزاء تحلیل ہوتے ہیں۔اسکو چبانا جائز نہیں ہے اگر اس کے اجزاء تھوک کیساتھ حلق تک پہنچ جائیں تو روزہ فاسد ہو گا جیسا کہ کوئی چیز جان بوجھ کر کھانے سے ہو تا ہے۔دوسری قسم وہ جس کو چبانے سے اسکے اجزاء تحلیل نہیں ہوتے ہیں لیکن اگر اس کے اجزاء پیٹ تک پہنچ جائیں تو یہ مفسد ہے۔اس کو حضرت مصنف آگے بیان کریں گے **یا تھوک جو دونوں ہونٹوں کے درمیان تھا نگل گیا یا منہ سے جدا کر کے پھر چاٹ لیا** تو یہ مفطر ہے کیونکہ تھوک مجرائے غذا سے علیٰحدہ ہونے کے بعد پھر اسمیں داخل کیا گیا۔اگر اپنا تھوک منہ میں جمع کر کے نگل لے تو یہ مفطر نہ ہو گا اگر چہ عمداً ہو کیونکہ تھوک فطرتًہ بھی منہ سے معدہ تک جاتا رہتا ہے۔مگر ایسا عمل کرنا مکروہ ہے **یا بلغم منھ میں آنے پر نگل گیا خواہ وہ دماغ سے آیا ہو یا حلق سے یا سینے سے** تو وہ مفطر ہے **کیونکہ وہ منہ میں کا نہیں ہے** اس سے بچنے میں مشقت نہیں ہے لہٰذا اس کا نگلنا حرام ہے ۔ **دبر میں حقنہ کرنا بھی مفسد ہے کیونکہ وہ پیٹ میں پہنچ جاتی ہے۔ایسا ہی ناس مفسد** روزہ ہے کہ **وہ دماغ میں اثر کرتی ہے، اگر قئے یا خون سے دہن آلودہ ہو اور اس میں سے کچھ نگل جائے تو مفسد** ہے اگر چہ وہ اتنی نہ ہو کہ اس سے منہ بھر جائے۔یہ منہ سے تھوک جدا کر کے دوبارہ نگلنے کی طرح ہے۔**ہاتھ سے منی نکالنا مفسد ہے** اگر ہاتھ کے عمل سے منی نہ نکلے تو یہ مفسد نہیں لیکن وہ اس عمل کیوجہ سے گناہگار ہو گا ۔ **ایسا ہی اگر کسی کی طرف بار بار دیکھنے سے منی نکلے کیونکہ یہ انزال ایسے فعل سے ہوا ہے جس سے آدمی لذت پاتا ہے اور اس سے بچنا بھی ممکن ہے تو یہ بھی مس کی طرح ہے** تکرار انظر سے صرف مذی نکلے تو وہ مفسد نہیں ہے کیونکہ اس کے مفسد ہونے میں کوئی نص نہیں ہے ۔ **اگر تفکر اور خیال سے** منی نکلتی ہو تو وہ مفسد نہیں ہے ۔ **اگر بوسہ دینے یا چھونے یا فرج کے سوا دوسرے عضو میں وطی کرنے سے منی نکلے یا مذی تو مفسد ہے۔اس میں منی اور مذی دونوں کا حکم ایک ہے** یہاں منی نکالنا جماع ہی کی طرح ہے کہ یہ بھی انزال بالمباشرت ہے اور مذی نکلنا شہوت کے

عروج کی وجہ سے اور مباشرت کی وجہ سے ہے لہٰذا یہ بھی منی نکلنے کی طرح ہے۔ اگر اپنے اختیار سے قئے کو طلب کیا اور کچھ نکل آیا مثلاً: غذا کے اجزاء یا بلغم یا خون یا اس کے علاوہ اور کوئی شئے تو روزہ ٹوٹ گیا تھوڑا ہو یا بہت۔ کھکارا ہو یا پیپ یا بلغم یا خون اور جو خود بخود نکل آئے پھر اسے نہ نگلے تو مفسد نہیں ہے۔ پچھنے لگانے والا اور جسکو لگایا ہو دونوں کا روزہ فاسد ہے قدیم زمانے میں جلد پر زخم لگا کر بکری یا بیل کے سینگ کو کھوکھلا کر کے اس کو جلد پر رکھ کے ہوا نکالی جاتی تھی تا کہ خون یا خراب مادہ باہر آئے مگر خون نکالنا شرط ہے۔ اگر خون نہ نکلے تو روزہ باقی ہے جس طرح فصد سے خون نکلنا اور نکسیر بہنا مفسد نہیں کیونکہ فصد وغیرہ کے مفسد ہونے میں نہ کوئی نص ہے اور نہ قیاس اس کے مفسد ہونے کا مقتضی ہے۔ رمضان کے روزہ میں جماع کرنا مفسد ہے اور اس سے کفارہ بھی لازم ہوتا ہے دوسرے مفطرات سے کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو جدا بیان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کفارے کے احکام بھی ۔

مباح اور مکروہ چیزیں:

جماع کے سوا ان مفطرات میں سے اگر بھولے سے یا کسی کے جبر سے کوئی فعل کرے تو روزہ باقی رہتا ہے چاہے روزہ فرض ہو یا نفل۔ ایسا ہی اگر حلق میں مکھی چلی جائے یا دھواں یا گرد یا آٹا چھاننے میں اس کا غبار یا کوئی اور چیز بغیر قصد کے کیوں کہ ان باتوں سے بچنا مشکل ہے قاعدہ یہ ہیکہ جن چیزوں سے بچنا ممکن نہ ہو ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر اس کے حسبِ استطاعت ہی بوجھ ڈالتا ہے۔ اسی طرح اگر سونے کے حال میں حلق میں کوئی چیز چلی جائے تو یہ مفسد نہیں ہے یا بیہوش روزہ دار کو کوئی دوا اسکی بے ہوشی دور کرنے کی غرض سے پلائے

یا احتلام یا فکر سے انزال ہو جائے کیونکہ یہ بغیر مباشرت اور بغیر نظر ہے تو یہ احتلام کی طرح ہے یا منہ میں رات کے کھانے سے کچھ لگا ہوا تھا اور اسے تھوک دیا، یا تھوک دینا مشکل تھا سو تھوک کے ساتھ بغیر قصد اسے نگل گیا تو وہ مفسد نہیں ہے کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے ۔ہاں اگر تھوک سے جدا کر کے قصداً نگل جائے تو مفسد ہے۔ اگر تلوؤں کو کوئی چیز لگایا جس کا مزہ حلق میں پہنچا تھا تو یہ مفسد نہیں ہے کیونکہ پاؤں سے پیٹ کی طرف جانے کا راستہ نہیں ہے۔ یہ اس حالت کی طرح ہے کہ جس میں سر پر تیل ڈالا گیا اور اس کا مزہ حلق میں محسوس ہوا یا کلی کی یا ناک میں پانی دیا یا ان دونوں کو تین بار سے زیادہ کیا یا مبالغہ کیا گرمی دور کرنے اور پیاس کم کرنے یا بلا کسی وجہ جس سے پانی بلا قصد حلق میں یا دماغ میں پہنچ گیا یا کلی کے بعد جو پانی کے قطرے منہ میں تھے انہیں نگل گیا تو مفسد نہیں کیونکہ بے قصد ہے اور یہ حلق میں غبار داخل ہونے کی طرح ہے مگر یہ مبالغہ مکروہ ہے۔ یا ایسا ہی پانی میں غوطہ مارنا مکروہ ہے ۔ہاں غسل شروع یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت غسل مشروع ہونا چاہئے کے لئے یا سردی کے واسطے ہو تو مکروہ نہیں اگر غوطہ زن ہونے پر حلق میں پانی چلا گیا تو مفسد نہیں ہے کیونکہ یہ بے قصد ہے اسی طرح گرمی دور کرنے یا پیاس دور کرنے غسل کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے گرمی اور پیاس کے سبب اپنے سر پر پانی انڈیلا تھا۔ مجد نے کہا کہ اسمیں عبادت میں پیش آنے والی تنگی دور کرنا ہے جیسا کہ ٹھنڈے سایہ میں بیٹھنا۔ مزا چکھنا کھانے کا جبکہ کھانا حلق میں نہ پہنچتا ہو بلا حاجت مکروہ ہے۔ اگر حاجت اور مصلحت ہو تو نہیں۔ وہ مصطگی جو چبانے سے سخت ہو اور تحلیل نہ ہو یا اسی طرح تحلیل نہ ہونے والی کوئی اور چیز چبانا تو مفسد نہیں مکروہ ہے کیونکہ بلغم اور پیاس پیدا کرتی ہے اور تھوک بہت لاتی ہے۔ اگر اس کا مزا حلق میں پایا تو روزہ جاتا رہا اور جو تحلیل ہو جائے تو اس کا چبانا حرام ہے کیونکہ یہ خارج سے حالت روزہ میں حلق میں ایک چیز کا پہنچانا ہے۔ اگر چہ حلق میں نہ پہنچے اسی

طرح الاقناع میں بھی ہے کیونکہ یہ غالب گمان یقین کا قائم مقام ہوتا ہے۔ رات کی کھائی ہوئی چیز کا بقیہ دانتوں میں رہنے نہ دے اسطرح رہنے دینا مکروہ ہے کیونکہ حالت روزہ میں اس کا تھوک کیساتھ حلق میں جانا ممکن ہے۔ لہٰذا خلال سے صفائی کرے اور ایسی چیز نہ سونگھے جس سے یہ اندیشہ ہو کہ نفس یعنی سانس اپنی طرف اسے کھینچ لے اور اس کو حلق میں پہنچادے جیسا پیسی ہوئی مشک اور پسی ہوئی کافور یا بخور ان سب کا سونگھنا مکروہ ہے۔ مگر جو عود، عنبر، مشک کا ٹکڑا ہو اور پسا ہوا نہ ہو تو اس کا سونگھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس کے اجزاء کا حلق تک پہنچنے کا امکان نہیں ہے اور جس کی خواہش کو تحریک ہوتی ہو وہ بوسہ نہ لے بوسہ لینا یا معانقہ کرنا یا بار بار دیکھنا اس کیلئے مکروہ ہے جس کو ایسا کرنے سے جماع کی تحریک ہوتی ہے ۔ انزال کا اندیشہ ہو تو حرام ہے اگر انزال ہوا تو روزہ ٹوٹ گیا اور قضا واجب ہوئی، اس لئے حضرت نے جوان کو منع فرمایا اور بوڑھے کو اجازت دی۔

جماع اور اس کا کفارہ:

جس نے رمضان کے مہینے میں بلا عذر حالت روزہ میں جماع کیا۔ ذکر اصلی سے، فرج اصلی سے قبل ہو یا دبر، صاحب فرج انسان ہو یا حیوان، مردہ ہو یا زندہ، جانتا ہو یا نادان، قصداً ہو یا سہواً، اختیار سے ہو یا جبر سے، روزے کا حال ہو یا امساک کا یا اس نے روزہ اسلئے رکھا تھا کہ اس نے رمضان کا چاند دیکھا تھا اور اسکی شہادت رد ہو گئی تھی یا ایسے شخص نے مساحقہ کیا جسکا ذکر مقطوع تھا پھر اس فعل کے نتیجہ میں انزال ہوا۔ اگر عورت نے مساحقہ کیا اور اس کو انزال ہوا، تو ایسے شخص پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔ مفعولہ اگر اطاعت کرے تو اس پر بھی کفارہ ہے۔ ہاں اگر جانتی نہ ہو یا روزہ بھول گئی ہو یا سوتی ہو یا مجبور تو معذور ہے، کفارہ لازم نہیں مگر روزہ فاسد ہے قضا

کرے۔ محبوب مساعقہ کرے یا دو عورتیں باہم انزال ہو جائیں تو کفارہ ہے۔ مسافر روزہ دار یا عاجز بیمار جماع کرے تو کفارہ نہیں کیونکہ اس کو روزہ پورا کرنا لازم نہیں تو مشابہ نفل ہے۔ رمضان کے دنوں کے سوادوسرے روزے میں کفارہ نہیں خواہ وہ رمضان کے قضا ہوں یا نذر۔ اور جماع کے سوادوسرے مفطرات میں بھی کفارہ نہیں اگرچہ عمداً افطار کیا ہو۔

صفت کفارہ:

ایک مسلمان بردہ یعنی غلام یا کنیز بے عیب آزاد کرنا لازم ہے۔ اگر یہ نہ پاوے تو پے درپے دو مہینے روزے رکھے اگر مسلمان بے عیب غلام یا کنیز آزاد کرنا ممکن ہو تو آزاد کرنا ہی لازم ہو گا اور پے درپے دو مہینے روزے رکھنا درست نہ ہو گا۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے۔ ہر ایک کو ایک مد گیہوں کا دو مد کھجور اس کے مانند۔ یہ بھی قدرت نہ ہو تو کفارہ ذمے سے ساقط ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہیکہ صدقہ کرنے کی قدرت نہ ہونے پر وہ ذمہ پر باقی رہتا ہے اور نہ ہی مساکین کو کھانا دینے کی قدرت نہ ہونے پر کسی دوسرے صدقہ کا حکم دیا گیا۔ حج اور ظہار اور قسم اور قتل ان چیزوں کا کفارہ ذمے پر باقی رہتا ہے۔ اگر اس شخص کے اذن سے دوسرا کوئی اس کی طرف سے کفارہ دے تو جائز ہے اگر کوئی اس کی طرف سے کفارہ دے تو اس کو اس کفارہ میں سے کھانا اسوقت جائز ہے جبکہ وہ خود مسکین ہو۔

مسئلہ صوم و فطر: بے عذر والے کو رمضان میں افطار حرام ہے۔ حیض و نفاس والی کا حالتِ حیض یا حالتِ نفاس میں روزہ ممنوع ہے۔ کسی معصوم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے روزہ توڑنا واجب ہے۔ مثلاً روزہ دار نے یہ دیکھا کہ

کوئی شخص ندی میں غرق ہو رہا ہے اگر اس کو بچانے کی قدرت ہو تو اس کو بچانا واجب ہے۔ اگر بچانے کے دوران اس کے حلق میں پانی چلا گیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا کہ یہ حلق میں ہوا کے ذریعہ جانے والے غبار یا مکھی کی طرح ہے۔ اگر بچانے کی وجہ سے بچانے والے کو اتنی کمزوری ہوئی کہ اس کو روزہ توڑنا پڑا تو اس پر کوئی فدیہ نہیں ہو گا۔ اور اگر اس کو بچانے کیلئے روزہ توڑنا لازم تھا تو اسے روزہ توڑنا ہو گا کیونکہ جب واجب کی اتمام کا انحصار کسی کام پر ہوتا ہے تو اس کام کو پورا کرنا خود واجب ہوتا ہے **مسافر کو سفر قصر میں افطار سنت ہے۔** مقیم شخص روزہ رکھے پھر **اگر روزے میں سفر کرے اور اپنی بستی کے گھروں سے پرے ہو جائے تو روزہ توڑ ڈالنا جائز ہے مگر** اس روزے کو **پورا کرنا افضل**۔ سفر میں **روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اگرچہ مشقت نہ ہو** کیونکہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے کہ حالتِ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے نیز ایک اور روایت میں ہیکہ تم پر اللہ کی وہ رخصت لازم ہے جس کو اللہ نے تمہاری لئے رکھا ہے سو اس کو قبول کرو۔ لیکن سفر میں رمضان کا روزہ رکھنے سے روزہ ادا ہو جاتا ہے۔ امام احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ **اگر افطار کرنے کے لئے سفر کرے تو افطار کرنا اور سفر کرنا حرام ہے۔** کیونکہ اس کے سفر کی کوئی جائز وجہ نہیں ہے بلکہ وہ حرام کردہ فطر کا ذریعہ ہے سو وہ بھی حرام ہے اور رہی فطر کی حرمت تو کوئی مباح وجہِ فطر نہ ہونا اس کا سبب ہے۔ ایسا بیمار جو صحتیاب ہونے سے ناامید نہ ہو اس کے **روزہ رکھنے سے بیماری زیادہ ہو جاتی ہو یا صحت کو دیر ہوتی ہو تو اس کو بھی افطار سنت ہے** اس کو روزہ رکھنا اور اتمام روزہ مکروہ ہے لہٰذا وہ افطار کرے اور جتنے روزے چھوٹ جائیں انکی قضا کرے ۔ **اس میں ایک ثقہ مسلمان کا قول کافی جس بیمار کو روزے سے ضرر نہ ہو** مثلاً جرب، وجع ضرس یا دمل کی حالت میں **اس کو رکھنا ہی لازم ہے** امام احمد سے پوچھا گیا کہ مریض کب افطار کرے تو آپ نے فرمایا کہ جب اسمیں استطاعت نہ ہو۔ تو آپ سے پوچھا گیا: جیسے بخار میں ؟ تو آپ نے فرمایا: بلکہ وہ مرض جو بخار سے شدید ہو ۔ **حاملہ**

اور دودھ پلانے والی کو اگر اپنے بچے کے ضرر کا اندیشہ ہو تو افطار جائز ہے ان کا روزہ رکھنا مکروہ ہے مگر وہ رمضان کا روزہ رکھیں تو روزہ ادا ہو جائے گا۔ اگر اپنے ہی ضرر کا اندیشہ ہو یا اپنا اور بچے کا دونوں ملکر تو جتنے دن روزہ نہ رہا ان کی قضا کرنا کافی ہے حاملہ یا مرضعہ میں قضا کرنے کی قدرت پائی جاتی ہے اور اطعام ان پر لازم نہیں ہے کیونکہ یہ اس مریض کی طرح ہے جسے اپنی جان کے ضرر کو خدشہ ہو اور جو فقط بچے کا ہی ضرر ہو تو قضا کے ساتھ اس بچے کے ولی کو ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دینا بھی واجب کیونکہ اسکا افطار کرنا جان میں خلقی تبدیلی وضرر کے سبب ہے جیسا کہ بہت ضعیف العمر شخص کا روزہ رکھنا۔ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا کی شیخ کبیر اور بڑی عمر والی عورت کیلیئے رخصت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اگرچہ ان میں روزہ رکھنے کی صلاحیت ہو اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ حاملہ اور مرضعہ پر جب اولاد کی جان کا خوف ہو تو وہ افطار کرے اور کھانا کھلائے طعام وہ جو کفارے میں مذکور ہو چکا یعنی گیہوں ایک مد اور دوسری کوئی شے شرح منتھی میں ہیکہ اطعام وجوب کے فوری بعد ہونا چاہیئے لیکن صاحب محرر نے لکھا ہیکہ اگر اطعام قضاء کیساتھ ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ یہ قضاء کا تکملہ ہے ۔ اگر بچہ دوسری عورت کا دودھ پی سکتا ہے جس سے ضرر کا اندیشہ نہیں اور اجرت دینے کی بھی مقدور ہے تو ماں کو افطار درست نہیں کیونکہ یہاں افطار کی حاجت نہیں ہے۔ ایسا ہی انا جب اس کو یا بچے کو ضرر ہو تو اس شرط سے دوسری انا کے سپرد کر دے۔ جو شخص بڑھاپے کے یا بیماری کے سبب سے روزہ نہ رکھ سکے یعنی بوڑھے پر روزہ رکھنے کی وجہ سے شدید مشقت ہو اور وہ اس سے بڑھاپے کے سبب عاجز ہو اور مریض کو ایسی بیماری ہو کہ پھر اس کے اچھے ہونے کی اُمید بھی نہ ہو تو وہ بھی ایک مسکین کو کھانا دے مگر ان پر قضا نہیں۔ اگر یہ لوگ سفر میں ہوں تو فدیہ بھی نہیں کیونکہ سفر میں روزہ لازم نہیں اور قضا تو خود اُن سے ساقط ہے۔ اگر کسی کو ایسی بیماری ہو جس میں جمع یہ کتابت کی غلطی

ہے صحیح لفظ جماع ہے کرنا مفید ہو یا اس کو باہ کا زیادہ غلبہ ہو جس سے خصیے پھٹ جانے کا ڈر ہو اور بغیر جماع کے اس کا دفع کرنا ممکن نہیں تو وہ افطار کرے۔ پھر قضا کفارہ لازم نہیں۔ اگر یہ غلبہ ہمیشہ ہی رہتا ہے تو وہ اس بیمار کے جیسا ہے جس کا اچھا ہونا متعذر ہے جس کو رمضان میں افطار جائز ہے تو وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ اس کو ان دنوں میں دوسرا روزہ رکھنا درست نہیں۔

مسئلہ امساک:

اگر افطار کے حال میں وجوب صوم کی اہلیت حاصل نہ ہو یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت "حاصل ہو" ہونی چاہئے اور اس کی تائید اگلی عبارت سے بھی ہوتی ہے تو باقی دن آپ کو مفطرات سے روکنا واجب ہے چونکہ یہاں سارا دن مفطرات سے بچنے میں عذر تھا اور اب عذر دور ہونے پر دن کے بقیہ حصے میں مفطرات سے بچنے کی قدرت آگئی لہٰذا اب بچنا ضروری ہے۔ اس کو امساک کہتے ہیں اور بعد میں اس روزہ کی قضا کرنا چاہئے۔ کافر مسلمان ہو یا حایض پاک ہو یا بیمار اچھا ہو جائے یا مسافر مقیم یا لڑکا بالغ ہو یا دیوانہ ہوشیار ہو تو دن کے ایک حصہ میں صلاحیت امساک آگئی لہٰذا امساک لازم ہو جائے گا کیونکہ وقت کی ماہِ رمضان کی تعظیم ضروری ہے۔ اگرچہ اس کو روزہ نہیں کہتے۔ ایسا ہی اگر دن کو رمضان کا چاند دیکھنے کی گواہی گذری اور لوگ کھانا کھالئے ہوں یا رات سے نیت نہ کئے ہوں ابر غبار میں احتیاطاً، جو روزہ واجب ہے اگر اس میں بھی رات سے نیت نہ کی ہو تو امساک لازم ہے۔ اگر رمضان میں مسافر کو معلوم ہو کہ کل وطن میں داخل ہوں گا تو روزہ لازم ہے۔ بچے کو اگر معلوم ہو کہ کل بالغ ہو جاؤں گا تو لازم نہیں کیونکہ اس وقت وہ غیر مکلف ہے۔

مسئلہ قضا:

جس کے رمضان کے روزے فوت ہوگئے اس کو رمضان کے روزوں کو قضا عذر دفع ہونے کے سات ہی پیاپے بجالا نا سنت ہے، کل رمضان فوت ہو جائے تو موافق اس کے دنوں کے قضاء کرے۔ اگر تیس دن کا مہینہ تھا تو تیس دنوں کی قضا کرے نہیں تو اُنتیس دنوں کی قضا کرے ۔ اگر دوسرے رمضان کو اتنے ہی دن باقی ہیں جتنے قضا روزے رکھنا ہے تو پیاپے رکھنا ایسا ہی واجب ہے یعنی فرض ہے جیسا کہ بے عذر والے کو رمضان کا روزہ ماہِ رمضان ہی میں رکھنا فرض ہے کیونکہ اب وقت میں گنجائش نہیں۔ جس کے ذمے پر رمضان کی قضا ہو اس کو ابتداء نفل روزہ رکھنا درست نہیں بلکہ شرح منتھیٰ میں ہیکہ یہ حرام ہیکہ رمضان کی قضاء ذمہ پر باقی رکھتے ہوئے پہلے نفل روزہ رکھا جائے۔ نذر اور کفارے کا روزہ ہو تو جائز ہے یعنی اگر اس کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضاء ہو اور نذر کے روزے کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو تو پہلے رمضان کے روزوں کی قضاء کرنا چاہئے اور وقت کی تنگی کیوجہ سے نذر کے روزے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو پہلے نذر کا روزہ رکھنا جائز ہے۔ اگر وقت تنگ ہو اور رمضان کے روزے کی قضاء فوت ہونے کا خدشہ ہو مثلاً اس کے ذمے رمضان کے دس روزوں کی قضاء ہو اور اس نے نذر مانی ہو کہ وہ شعبان میں دس دن روزے رکھے گا اور شعبان کے دس دن ہی باقی ہوں تو ان دنوں میں رمضان کے روزوں کی قضاء کرنا چاہئے کیونکہ رمضان کے روزے شریعت نے فرض کئے تو اس کی قضاء کی تاکید بھی زیادہ ہے۔ اگر رمضان کے قضا کا یا کوئی اور روزہ رکھا ہو پھر اس کو نفل سے بدل دے تو درست ہے۔ ابتداء کہنے سے یہی مقصود تھا یہی بات شرح المنتھیٰ، التنقیح اور الفروع میں ہے لیکن الاقناع میں ہیکہ اس طرح نیت تبدیل کرنے سے قضاء بھی باطل ہو جائے گا اور نفل بھی صحیح نہیں ہو گا کہ نیت میں تردد تھا کیونکہ قضاء باقی رکھتے ہوئے نفل رکھنا صحیح نہیں ہے۔ الاقناع میں یہ بھی ہیکہ اگر نذر کی نیت کو نفل سے

بدلنا صحیح ہے مگر بغیر غرض صحیح کے ہو تو مکروہ ہے۔ایک رمضان کی قضاء کو دوسرے رمضان تک بے عذر تاخیر کرنا حرام ہے، اگر یہاں تک بے عذر تاخیر کی کہ دوسرا رمضان آگیا تو اس رمضان کے بعد قضاء کرے اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا بھی دے۔ اگر عذر سے تاخیر ہو تو فدیہ نہ دے اگر عذر کی وجہ سے تاخیر کی اور عذر زائل نہ ہوا اور اس حال میں مر جائے تو کچھ نہیں یعنی قضاء اور کفارہ ساقط ہو جائیں گے۔ ہاں بے عذر تاخیر کی اور دوسرے رمضان سے پہلے یا اسکے بعد مر گیا تو کل مال میں سے فدیہ نکالیں، چاہے مرنے والے نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ یعنی ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دیا جائے اور اسکی طرف سے روزہ نہ رکھا جائے کیونکہ نماز اور روزہ میں نہ زندگی میں نیابت درست ہے اور نہ بعد موت۔

مسئلہ (نفلی روزہ):

جس نے حج اور عمرہ کے علاوہ کسی نفل عبادت کو شروع کیا تو اسے پورا کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے یعنی شروع کی ہوئی نفل عبادت کو چھوڑنا مکروہ ہے یا اگر وہ نفل عبادت جس کو شروع کیا تھا فاسد ہو جائے تو اس کی قضا کرنا لازم نہیں اسلئے کہ قضاء کا حکم مقضی عنہ کے تابع ہوتا ہے جب مقضی عنہ واجب نہیں تو قضاء بھی واجب نہیں ہو گی۔ ہاں یہ دونوں باتیں یعنی اتمام اور قضاء افضل ہیں یعنی سنت ہیں۔ روزہ ہو یا نماز یا اس کے سوا لیکن نفلی حج اور عمرہ کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ اسمیں نفل کے احکام فرض کی ہی طرح ہیں نیز حج و عمرہ کی ادائیگی شدید مشقت کے بعد ہوتی ہے اور اسمیں کثیر مال بھی خرچ ہوتا ہے سو اس کو پورا نہ کرنا ان سب چیزوں کو ضائع کرنا ہو گا۔ اور اگر فرض عبادت کو شروع کر دیا ہو تو تمام کرنا واجب ہے۔ فرض اصلی ہو یعنی شریعت میں جس کی اصل ہو جیسے نماز پنجگانہ، صوم رمضان وغیرہ یا آپ اپنے

پر فرض کیا ہو نذر کے ذریعہ، اگرچہ وقت میں گنجائش ہو جیسا نماز فرض اور قضائے رمضان اور نذر مطلق اور کفارہ کیونکہ اس نے وہ عبادت شروع کر کے اسے متعین کر دیا اب اس کو ناتمام چھوڑنا گویا واجب متعین کو چھوڑنا ہے۔ ہاں اگر اسے نفل سے بدل دے تو اسے ناتمام چھوڑنا ہو سکتا ہے مگر وقت تنگ ہو تو اسے ناتمام چھوڑنا حرام ہے۔

مسئلہ: فدیہ بعد موت:

جس نے وہ عبادت ترک کی جو حکم شرع سے واجب تھی جیسا فرض نماز اور روزہ اور مر گیا تو اس کی طرف سے ادا کرنا ممکن نہیں کیونکہ ان میں نیابت نہیں ہو سکتی ہے یہ عبادات جس پر فرض ہوں اسی شخص کے اس کو ادا کرنے پر یہ درست ہوں گے۔ اگر وہ عبادت ترک کی جو اپنے پر فرض کر لیا تھا جسے نذر کہتے ہیں اور اسمیں اس کی ادائیگی کی قدرت تھی پھر وہ مر گیا تو ولی کو اس کے قضا کرنا مستحب ہے۔ نماز ہو یا روزہ حج ہو یا عمرہ یا اعتکاف کیونکہ نیابت خفیف سے عبادت میں ہو سکتی ہے اور نذر واجب اصلی کے نسبت خفیف ہے۔ ولی سے وارث مراد ہے شریعت کے عائد کردہ فرض کا مطالبہ مکلف سے شدید ہے جبکہ نذر کا مطالبہ شریعت کے عائد کردہ فرض کے مقابلہ میں خفیف ہے لہٰذا اسمیں نیابت درست ہے۔ ولی کے سوا دوسرا شخص بھی کر سکتا ہے کیونکہ یہ فقط سلوک و احسان ہے لہٰذا اسمیں ولی کی اجازت لینا ضروری ہے۔ اگر ترکہ چھوڑ جائے تو یہ واجب ہیکہ ولی اس میں سے آپ لیکر وہ اُمور بجالائے یا دوسرے کو دے کہ وہ ادا کرے کیونکہ یہ قرض کی ادائیگی کی طرح ہے لیکن اگر میت ترکہ نہ چھوڑے تو یہ واجب نہیں اور جو ولی اسے ادا کر دے تو مستحب ہے۔ روزے میں ہر دن کے عوض ایک مسکین کا کھانا چاہئے۔ یہ اس

وقت ہے کہ نذر کئے بعد اتنی فرصت ملی ہو جس میں وہ ادا کر سکتا اگر اتنی مہلت نہ ملی تو جس قدر دن باقی ہوں اس کی قضا چاہئے۔ اگر اس پر کفارہ کے روزے ہوں تو اس کا بھی فدیہ دینا چاہئے۔

صوم نفل:

فرض وواجب کے سوا دوسرے روزے سنت ہیں کسی وقت ہوں سواء ایام عیدین اور ایام تشریق کے۔ افضل نفل روزہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے، ایک دن افطار کرے اور ہر مہینے کی تیرہویں چودھویں پندرھویں کے روزے بھی مسنون ہیں جس کو ایام بیض کہتے ہیں ان کو ایام بیض اسلئے کہتے ہیں کہ ان کی راتیں بدر کیوجہ سے روشن اور سفید ہوتی ہیں اور دوشنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ اور شوال کے چھ روزے سب سنت ہیں۔ اور شوال کے چھ روزوں کو عید الفطر کے بعد ہی پیاپے رکھنا اولٰی ہے۔ رمضان کے ساتھ یہ چھ روزے مل کر عمر بھر کے روزوں کا ثواب ملتا ہے یہ استحاباً صرف اس کیلئے ہے جس نے رمضان کے روزے رکھے لیکن الفروع میں ہیکہ جس نے رمضان کے روزوں کی قضاء کی جبکہ اس نے عذر سے افطار کیا تھا اور یہ روزے رکھے اسے بھی یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ محرم کے روزے بھی سنت ہیں خصوص دسویں کا۔ اس سے ایک برس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے رمضان کے روزہ کے بعد محرم کا روزہ سب سے افضل ہے اور یوم عاشوراء کا روزہ محرم کے باقی دنوں سے افضل ہے۔ دسویں کے بعد نویں کا روزہ بھی افضل ہے۔ ان دنوں کو جمع کرنا بھی سنت ہے۔ ذی الحجہ کے پہلے عشرے میں یعنی پہلے نو دنوں میں بھی روزے رکھنا سنت ہے۔ نویں کا، جس کو عرفہ کہتے ہیں، بہت افضل روزہ ہے جس سے دو برس کے گناہ یعنی گزشتہ سال اور آئندہ سال کے معاف ہوتے ہیں الفروع میں ہیکہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور امام نووی کی شرح

مسلم میں ہیکہ اگر اس سے گناہ معاف نہ بھی ہوں تو ان میں تخفیف ہوتی ہے۔ جو عرفات پر ہو اس کو یہ روزہ رکھنا مستحب نہیں کیونکہ وقوف کرنے والے حاجی کو روزہ سے کمزوری ہو جائیگی اور یہ ضعف، عرفات میں دعا میں کثرت کرنے سے اس کو روک دے گا۔ ہاں متمتع اور قارن ہدی نہ پائے تو اس روز روزہ رکھے یعنی ایسے قارن اور متمتع کو مستحب ہیکہ وہ اپنے حج میں تین روزوں میں سے آخری روزہ عرفہ کے دن رکھے۔ یوم عرفہ کے بعد آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ افضل ہے۔ رجب کا پورا مہینہ روزے رکھنا مکروہ ہے۔ امام نے فرمایا جو سال بھر روزے رکھتا ہو تو وہ رکھے نہیں تو کچھ دن رجب کے روزے رہے کچھ افطار کرے یعنی رجب میں مسلسل روزے رکھ کر اس کو رمضان سے مشابہ نہ کر دے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں کھاؤ یعنی روزہ نہ رکھو کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جس کی دور جاہلیت میں تعظیم کی جاتی تھی۔ تنہا جمعہ یا ہفتے کا روزہ بھی مکروہ ہے اگر ان دنوں سے پہلے یا بعد کے دن بھی روزہ رکھ لیا تو پھر ان دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔ ایسا ہی شک کے دن کا یعنی 30 شعبان کا روزہ جب کہ آسمان ابر آلود نہ ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آئے جس کا بیان ابتداء میں ہوا۔ عیدین اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے اور ناجائز ہے فرض ہو یا نفل مگر ایام تشریق میں تمتع اور قران والے کو قربانی کے عوض روزہ رکھنا جائز ہے۔

اعتکاف کا بیان

اعتکاف لغت میں بمعنی ملازمت ہے یعنی کسی چیز کو لازم کرلینا اور اسکی پابندی کرنا اور اصطلاحِ شرع میں ملازمت مسجد یعنی خود پر مسجد میں رہنا لازم کرنا طاعت خدا کے لئے۔ اس کو جواد بھی کہتے ہیں یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ جوار ہے اسکا معنی پڑوس ہے۔ یہ تسمیہ آقا کریم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان سے ماخوذ ہے: كنت "أجاور" هذه العشر ثم قد بدا لي أن أجاور هذه العشر الأواخر فمن كان اعتكف معي فليثبت في معتكفه(متفق عليه) میں نے دس دنوں یعنی (رمضان کے) درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا تھا پھر مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس آخری عشرہ کا اعتکاف کروں تو جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا اسے چاہئے کہ اپنی جگہ ثابت قدم رہے ۔ اعتکاف میں بندہ اپنے رب سے قربت کے حصول کی غرض سے اپنے آپ کو دنیوی مشاغل سے دور رکھتا ہے۔ اعتکاف بالا جماع مسنون ہے یعنی اعتکاف کے فرض ہونے کا قائل کوئی نہیں ہے۔ دن اور رات کے اوقات میں سے کوئی وقت ہو یعنی کسی بھی وقت اعتکاف سنت ہے مگر ماہ رمضان میں یعنی پورے مہینے میں اور خصوصاً آخری دہے میں موکد ہے۔ اعتکاف اور روزہ دونوں نذر سے واجب ہوتے ہیں۔ اگر یوں کہے کہ روزے کے ساتھ اعتکاف کروں گا یا اعتکاف کے ساتھ روزہ رکھوں گا تو دونوں کو جمع کرنا لازم ہے۔ ایسا ہی اور عبادتیں جس طرح معین صورت کے سات نماز پڑھنے کی نذر ہو ورنہ اعتکاف بغیر روزہ بھی صحیح ہوتا ہے لیکن اعتکاف کیساتھ روزہ رکھنا افضل ہے۔

شروط اعتکاف: اعتکاف پہلے چھ شرطوں سے صحیح ہے: (۱) اسلام اور (۲) عقل اور (۳) تمیز اور (۴) طہارت اور (۵) مسجد اور (٦) نیت، تو کافر اصلی یا مرتد کا اور دیوانے اور جنب اور حایض کا اعتکاف صحیح نہیں۔ جس پر باجماعت نماز ادا کرنا لازم ہے اس کے اعتکاف کیلئے مسجد وہ ہو جس میں نماز پنجگانہ جماعت سے ہوتی ہو لہٰذا ایسی

مسجد کے علاوہ کسی مسجد میں اعتکاف کرنا صحیح نہ ہو گا کیونکہ جس مسجد میں جماعت نہ ہو اس میں اعتکاف کرنے سے یا جماعت ترک ہو گی ۔ جو فرض ہے یا ہر بار نماز با جماعت کے لئے وہاں سے نکلنا ہو گا جو خلاف معنی اعتکاف ہے یعنی اعتکاف کا مقصد تو مسجد کی ملازمت ہے اور بار بار مسجد سے باہر نکلنا اعتکاف کے مقصد کے منافی ہے۔ اور ان دونوں باتوں سے بچنا مسجد جماعت میں ہو سکتا ہے مگر جس کو جماعت سے پڑھنا واجب نہ ہو اس کو ہر مسجد میں جائز ہے۔ جیسا عورت اور معذور اور غلام۔ ایسا ہی اگر صبح سے دو پہر تک یا عشاء سے صبح صادق تک اعتکاف کرے تو کسی مسجد میں ہو درست ہے کیونکہ اس کے درمیان نماز فرض نہیں جس کے لئے نکلنا پڑے۔ عورت اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ اعتکاف کرے تو درست نہیں کیونکہ وہ حقیقت میں مسجد نہیں نہ اس کو مسجد کا حکم ثابت ہے وہاں تو ناپاک کو بھی ٹھہرنا جائز ہے مسجد کا صحن اور چھت بھی مسجد میں داخل ہے قاضی نے کہا اگر صحن کا دروازہ اور دیوار ہو تو وہ مسجد کے تابع ہیں اگر دروازہ اور دیوار نہ ہوں تو اس پر مسجد کا حکم ثابت نہیں ہے۔ ایسا ہی وہ منارہ بھی مسجد میں داخل ہے جو مسجد میں ہو یا اس کا دروازہ مسجد میں ہو کیونکہ ایسے منارہ میں جنبی کا داخلہ ممنوع ہے اور وہ منارہ جو مسجد کے باہر ہو یا اسکا دروازہ باہر ہو اگرچہ وہ مسجد سے زیادہ دور نہ ہو اور معتکف اذان کیلئے اسکی طرف جائے تو اسکا اعتکاف باطل ہو گا کیونکہ یہ مسجد نہیں ہے اور یہاں جنبی شخص کا داخلہ ممنوع نہیں ہے ۔ جس کی مدت اعتکاف میں جمعہ آگیا ہو تو اس مرد کو جامع مسجد افضل ہے تاکہ اس کو جمعہ کیلئے جامع مسجد جانے کی حاجت نہ رہے۔ ہاں اگر وہ جامع مسجد کو ادائیگی جمعہ کیلئے جائے گا تو اس کا اعتکاف باطل نہ ہو گا کیونکہ اس وقت جمعہ کیلئے جامع مسجد جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے البتہ ایسے اشخاص جن پر جمعہ فرض نہ ہو جیسے عورت، غلام، مسافر جامع مسجد کو حالت اعتکاف میں جائیں گے تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ جو شخص کسی خاص مسجد میں اعتکاف یا نماز کی نذر کرے تو اسے مسجد میں بجالانا

ضروری نہیں کیونکہ عبادت کے لئے سب مسجدیں برابر ہیں۔ ہاں مکے یا مدینے کی مسجد یا مسجد اقصیٰ تو وہی متعین ہے کیوں کہ یہ مسجدیں افضل ہیں اور اس میں عبادت کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ سب سے افضل مسجد حرام ہے پھر مسجد نبوی پھر مسجد اقصیٰ اگر افضل مسجد میں نماز پڑھے یا اعتکاف کرنے کی نذر کی ہے تو اس سے کم فضیلت والی میں ادا کرنا کافی نہیں اس کا عکس جائز ہے یعنے ادنیٰ سی یعنی ادنیٰ کی نذر اعلیٰ میں پوری کرنا کفایت کرتا ہے۔

مفسدات اعتکاف:

(۱) **جماع** مفسد ہے اگر چہ بھولے سے ہو اور (۲) **مباشرت بانزال** مفسد ہے یعنی فرج کے علاوہ کسی جگہ مباشرت کی اور انزال ہوا تو یہ مفسد ہو گا نیز شہوت کیساتھ بوسہ لینا بھی حرام ہے اگر لذت کیساتھ انزال بھی ہو جائے تو یہ مفسد ہو گا اور اگر انزال نہ ہو تو مفسد نہیں اور (۳) **لذت (لذت کے ساتھ منی کا نکلنا)** (۴) **نشہ** کرنا اگر چہ تھوڑا سا ہو کیونکہ وہ اہل عبادت میں سے خارج ہو گیا اسی طرح جب عورت کو حیض آئے یا معتکف مرتد ہو جائے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا کیونکہ اب وہ اہل عبادت میں سے خارج ہو گیا اور (۵) **معتکف کا نکلنا اپنی جگہ سے بے عذر اور شرط کے قصداً** یعنی بھولے سے اور اکراہ کی حالت میں نکلنا مفسد نہیں ہے یہاں شرط سے مراد وہ شرط ہے جس کا ذکر معتکف اعتکاف کی نیت کرتے وقت کرتا ہے کہ وہ ضروری امور مثلاً نماز جمعہ، عیادت مریض، حضور جنازہ وغیرہ کیلئے اعتکاف گاہ سے باہر نکلے گا۔ اب اگر ان مذکورہ امور کے علاوہ مسجد سے باہر نکلے گا تو وہ مفسد ہو گا اور (۶) **ارادہ کرنا نکلنے کا اگر چہ نہ نکلے**، یہ چھ چیزیں مفسد ہیں۔ اگر مسکر چیز پیئے اور نشہ نہ ہو یا کوئی اور کبیرہ گناہ تو مفسد نہیں۔ معتکف کو اپنی

ضروری باتوں کے لئے نکلنا جائز ہے یعنے بول وبراز کو۔ اور واجب طہارت کے لئے غسل ہو یا وضو یا نجس بدن یا کپڑا دھونے کو اور جمعہ کی نماز کو اور گواہی دینے اگر یہ دونوں واجب ہوں۔ یا اپنا کھانا پانی لانے کے لئے اگر کوئی لانے والا نہ ہو، یا ہو مگر وقت پر نہ لائے مگر جمعہ کی نماز کو آگے سے نہ جائے اور بعد نماز کے زیادہ نہ ٹھہرے۔ راہ میں اپنی عادت کے موافق چلے یعنی تیز چلنا ضروری نہیں ہے کیونکہ اسمیں مشقت ہے اور اگر عادت سے آہستہ چلے تو یہ مفسد ہے۔ مسجد میں کسی برتن کے اندر ہاتھ منہ دھونا میل اور اس کے مانند دور کرنے کو جائز ہے۔ پیشاب کرنا یا فصد لینا کسی ظرف میں مسجد کے اندر درست نہیں کیونکہ خون اور پیشاب نجاستیں ہیں اور انہیں مسجد میں بہانا ممنوع ہے اگرچہ ان کو کسی طشت میں نکالا جائے اسی طرح المغنی میں ہے بیت الخلاء حدود مسجد کے باہر تعمیر کئے جاتے ہیں۔

معتکف کو بیمار کی عیادت اور حضور جنازہ جائز نہیں مگر یہ اس وقت ہے کہ اعتکاف واجب ہو اور یکساں لگاتار ہو اور تجہیز میت یا خدمت مریض اس پر واجب نہ ہو یعنی اعتکاف واجب نہ ہو یا ایسے مریض کی خدمت اس کے ذمہ ہو جو اسکی خدمت کا محتاج ہو تو پھر اس کا باہر نکلنا مفسد نہ ہو گا۔ اگر مریض کو خفیف درد سر یا خفیف بخار ہو تو اس کا باہر نکلنا جائز نہیں ہو گا۔ اگر ابتدائے اعتکاف میں یہ شرط کرلے کہ میں بیمار پرسی اور نماز جنازہ کو نکلوں گا یا کسی اور عبادت کو تو ہو سکتا ہے۔ اگر غیر ضروری کی بھی شرط کرے تو جائز ہے۔ مثلاً میں گھر میں کھانا کھایا یا رات کو رہا کروں گا کیونکہ یہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ اس نے ان چیزوں کے کرنے کی نیت کی تھی اگر یہ شرط کرے کہ تجارت کو جایا کروں یا مسجد میں بیٹھے ہوئے کسی کسب و صنعت میں مشغول رہوں یا جہاں چاہوں وہاں چلے جاؤں تو درست نہیں کیونکہ یہ اعتکاف کے منافی ہیں اور اعتکاف کے منافی شرائط کا ارادہ کرنا درست نہیں ہے۔ اگر یوں کہے

کہ جب بیمار ہو جاؤں یا کوئی سبب پیش آئے تو نکل آؤں گا تو صحیح ہے یہ شرط بھی احرام میں شرط لگانے کی طرح ہے اور اس کا فائدہ یہ ہیکہ جب اعتکاف کو جاری رکھنے میں کوئی رکاوٹ آتی ہے تو معتکف کیلئے تحلل کا جواز ہو تا ہے۔ پھر وہ سبب جو پیش آیا تھا زائل ہو جائے تو اعتکاف واجب کے لئے پلٹ آئے۔

انواع نذر

یہاں نذر سے "اعتکاف کی نذر" مراد ہے نذر چار طرح پر ہو سکتی ہے۔ ایک یعنی پہلی قسم یہ ہیکہ مطلق دس پانچ دنوں کی نذر جس میں تتابع یعنی پے در پے ایام میں اعتکاف کرنا اور اعتکاف کے دنوں کی تعین کچھ نہیں مثلاً یوں نیت کرے کہ اللہ کیلئے مجھ پر پانچ دن اعتکاف لازم ہے تو اس نذر کی تکمیل وہ کسی بھی مہینے کے پانچ دنوں میں کر سکتا ہے کیونکہ اس نے دنوں کی تعیین نہیں کی۔ نیز اس کو مسلسل پانچ دن اعتکاف کرنا بھی لازم نہیں ہو گا کیونکہ اس نے پے در پے اعتکاف کرنے کی نیت نہیں کی یا دوسری قسم یہ ہیکہ اعتکاف میں دنوں کی تعین ہو تتابع نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ رمضان میں پانچ دن کا اعتکاف خدا کیلئے مجھ پر لازم ہے تو اب رمضان ہی کے پانچ دنوں میں اعتکاف کرنا لازم ہو گا لیکن مسلسل پانچ دن اعتکاف کرنا لازم نہ ہو گا یا تیسری قسم یہ ہے کہ تتابع ہو اور تعین نہ ہو جیسا اس طرح کہنا کہ پانچ دن پیاپے اعتکاف کرنا مجھ پر لازم ہے تو اب کسی بھی مہینے کے پانچ دنوں میں مسلسل اعتکاف لازم ہو گا یا چوتھی قسم یہ ہیکہ تتابع اور تعین دونوں ہوں جیسا عشرہ رمضان کا اعتکاف اب رمضان میں پے در پے دس دن اعتکاف لازم ہو گا۔ جہاں تتابع اور تعین کچھ نہیں وہاں جس قدر دن باقی ہیں ان کو پورا کرے جس دن میں اعتکاف سے نکلا ہے وہ محسوب نہیں، اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ۔ جہاں تتابع ضرور ہے اس میں فساد واقع ہو تو اس کو اختیار ہے، چاہے

گزشتہ دنوں کو ملا کے باقی دن پورے کرے اور قسم کا کفارہ دے یا کفارہ نہ دے پھر سر نو شروع کر کے تمام کرے۔ جہاں تعین ضرور ہے تتابع نہیں مثلاً رمضان کے کسی پانچ دنوں کا اعتکاف تو وہاں دیکھنا چاہئے اگر پانچ کی جگہ دو روزے رکھے ہیں اور ابھی تین روزوں کا وقت ہے تو پورے کر لے کچھ ہرج نہیں اور جو وقت جاتا رہا یعنی جتنے دنوں کا اعتکاف چھوٹ گیا تو پھر اتنے دنوں کی قضا کرے اور نذر کے ایام میں اعتکاف چھوڑنے کی وجہ سے کفارہ دے۔ جس جگہ تعین اور تتابع دونوں ہیں مثلاً آخری دس دن کا اعتکاف تو ہر حال میں قضا اور کفارہ ہے کیونکہ دو میں ایک ضرور فوت ہو گا۔

مسئلہ (عذر غیر معتاد کیلئے مسجد سے نکلنا) :

اگر عذر غیر میعاد کے سبب سے نکلا ہو یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ "عذر غیر معتاد" ہے اور زیادہ دیر نہ گزرے تو اس کا اعتکاف باقی ہے اور اس تلف شدہ وقت کی قضا نہیں کیونکہ اس قدر قلیل اور مباح ہے اور جو زیادہ دیر ہو گئی تو اعتکاف فاسد البتہ الاقناع میں ہیکہ اگر عذر غیر معتاد میں دیر ہو گئی اور اعتکاف مستحب تھا تو اب اعتکاف گاہ کی طرف لوٹ آنے یا نہ انے میں اس کو اختیار ہے اور اگر اعتکاف واجب تھا تو لوٹ آنا بھی واجب ہے تاکہ وہ اس کو ادا کرے جو اس پر واجب ہے۔ اسی کا بیان حضرت مصنف نے اگلے مسئلہ میں کیا ہے عذر غیر متعاد ہے جہاں کی منادی اور ادائے شہادت واجب اور اندیشہ مریض اور غلبہ قئے اور اس کے مانند جبکہ عذر معتاد وہ عذر ہے کہ جسکی انسان کو بطور عادت حاجت ہوتی ہے مثلاً بول و براز، حدث سے پاکی، کھانا پینا، نماز جمعہ۔ معتاد کیلئے اگر مسجد سے نکلا اور دیر ہو گئی تو اعتکاف فاسد نہ ہو گا کیونکہ اس کا زمانہ مقرر نہیں ہے اور اس میں دیر ہونا مضر نہیں ہے۔

مسئلہ (قصداً بے عذر نکلنا) :

اگر معتکف بے عذر اور شرط کے قصداً اعتکاف سے نکل جائے چاہے اس کو کسی حق کی ادائیگی کی خاطر زبردستی نکالا جائے مثلاً اس پر کسی کا قرض تھا اور اس کی ادائیگی ممکن تھی اور اس نے ادا نہ کیا پھر اسے نکالا جائے یا مفسدات اعتکاف سے کوئی مفسد پیش آئے تو دو صورتیں ہیں (ا) نفل ہو تو اختیار ہے چاہے پلٹ آئے اور جتنے دن کا ارادہ کیا ہو اسے پورا کرے یا ترک کرے اور بیٹھ رہے اور واجب ہو تو اس کی چار صورتیں ہیں جو بیان ہوئیں۔ جہاں نذر کے کوئی شرط فوت ہے اس کے عوض کفارہ ہے اور فوت شدہ وقت کی قضا۔ اور یہ کفارہ کتاب الایمان میں آئندہ مذکور ہو گا۔

مسئلہ (مستحب اعمال) :

اعتکاف میں مستحب ہے کہ عبادت کے ہی کام میں مشغول رہے۔ نماز ہو یا قرآت یا ذکر و فکر یا اس کے سوا اور بے فائدہ کاموں سے بچے۔ اگر اس کی جورو مسجد میں آئے اور اس سے ملاقات یا بات کرے یا سر میں کنگھی کرے اور تیل ڈالے تو ہو سکتا ہے مگر اس سے کسی طرح کا استمتاع درست نہیں یعنی ایسا کوئی فعل نہ کرے جس سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی اور لوگ معتکف کے ساتھ باہم بیٹھیں اور بات چیت کریں حتیٰ کہ وہ زیادہ بات نہ کریں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے حرام بات چیت سے بچنا واجب ہے، فضول بات چیت سے بچنا چاہئے اور مطلق چپ رہنے کی نذر مکروہ ہے اور اگر ایسی نذر مان لی تو اسے پوری نہ کرے۔ مسجد میں نماز کے لئے یا اور کسی کام کو ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو اتنی مدت اعتکاف کی نیت کر لیں۔ خصوص جب روزہ دار ہو۔ خرید و فروخت مسجد میں منع

ہے اگرچہ معتکف ہو اور وہ عقد و پیمان مثلاً خرید و فروخت، اجارہ وغیرہ ناجائز ہے جو مسجد میں ہو یعنی مسجد میں بیع کرنے سے وہ بیع باطل ہو گی اسی طرح مسجد میں کسی صناعت کے ذریعہ پیسے کمانا جائز نہیں ہے چاہے وہ صنعت قلیل ہو یا کثیر مثلاً مسجد میں خیاطت کے ذریعہ مال کمانا۔ البتہ ایسا کرنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے لیکن مسجد میں ان اعمال سے رکنا واجب ہے۔

کتاب المناسک

حج کے بیان پر نماز، زکاۃ اور صیام کو مقدم اسلئے کیا گیا کہ شریعت میں نماز کا مطالبہ زیادہ ہے۔ نیز نماز عماد الدین ہے اور نماز ہر روز ادا کرنا فرض ہے۔ زکاۃ نماز کا قرینہ ہے، زکاۃ کی طلب صیام سے زیادہ ہے۔ روزے کی ادائیگی ہر سال فرض ہے اسلئے روزے کو حج پر مقدم کیا گیا جبکہ صحیح بخاری کی حدیث میں حج کو روزے پر مقدم کیا گیا اسلئے کہ حج کے انکار پر اور استطاعت کے باوجود ادانہ کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ لیکن فقہاء نے مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر حج کے بیان کو مؤخر کیا ہے۔ **مناسک جمع منسک کی۔ منسک بمعنیٰ عبادت ہے مگر حج اور عمرے کے احکام پر اکثر یہ لفظ کہا جاتا ہے۔ حج لغت میں بمعنیٰ ارادہ** ہے یوں کہا جاتا ہے: حج الينا فلان یعنی وہ ہمارے پاس آیا۔ اہل لغت کی ایک جماعت کا قول ہے کہ حج کسی بڑی چیز کے قصد کرنے کو کہتے ہیں **اور شرع میں حاضر ہونا ہے خاص جگہ** یعنی بیت اللہ اور **عرفہ میں معین وقت** یعنی ایام حج پر چند احکام یعنی وقوف، طواف، سعی وغیرہ بجالانے کے لئے۔ **عمرہ لغت میں بمعنی زیارت ہے اور شرع میں وہی حضوری خاص جگہ کی اس کے متعلق افعال ادا کرنے کو۔ حج اور عمرہ دونوں عمر میں ایک بار فرض عین ہیں۔** فرض عین کے بعد جو حج ادا کیا جائے وہ نفل ہے۔ اگر کوئی سال ایسا آئے جس میں کوئی شخص ایسا نہ ہو کہ جس پر حج فرض ہو تو اس سال حج ادا کرنا فرض کفایہ ہوگا اور جس نے فرض حج ادا کرلیا وہ دوبارہ حج کرے اسطرح فرض **کفایہ ادا ہوگا۔ اسی طرح** التحبير شرح التحرير **میں ہے**: إذا خلا عام من أن يوجد من وجب عليه حجة الإسلام، فإنه يلزم الحج ويكون فرض كفاية۔

شرائط وجوب وصحت:

شرط وجوب کسی فعل کی وہ شرط ہے کہ جس کے نہ پائے جانے پر مکلف پر وہ فعل واجب نہیں ہوگا۔ شرط صحت کسی فعل کی وہ شرط ہے کہ جس کے نہ پائے جانے پر اس فعل کی صحت معدوم ہوگی۔ فإذا فقد شرط من شروط الوجوب لزم عدم وجوب الفعل على المكلف ويلزم من عدم شرط من شروط الصحة عدم صحة الفعل(الموسوعة الفقهية - ج 26)۔**حج اور عمرہ واجب ہونے کی پانچ شرطیں ہیں۔(۱)اسلام (۲) عقل(۳)بلوغ (۴)حریتِ تام (۵)استطاعت، اسلام اور عقل تو وجوب اور صحت دونوں کی شرط ہے** ۔حج کافر، مرتد اور دیوانے پر فرض نہیں ہوتا ہے اور نہ ان کا ادا کرنا صحیح ہوتا ہے کیونکہ ان کی ادائیگی کیلئے نیت عبادت شرط ہے اور کافر کی نیت درست نہیں ہوتی ہے اور کافر کا تو حرم میں داخل ہونا ہی ممنوع ہے۔اگر مسلمان نے حج و عمرہ کیا پھر مرتد ہوا اور پھر وہ مسلمان ہوا اور اسوقت اسمیں استطاعتِ ادائیگئ حج تھی تو حج وعمرہ ادا کرنا لازم نہ ہوگا کیونکہ حج ایک بار کرنا فرض ہوتا ہے نیز مرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہونے پر وہ اعمال ضائع نہیں ہوتے ہیں جو حالتِ اسلام میں ادا کئے تھے(وردته بعدهما لا تبطلهما اذا عاد الي الاسلام كسائر عباداته:شرح منتهي)۔اسی طرح مجنون پر نہ حج فرض ہے اور نہ اس کا حج ادا کرنا درست ہے۔مجنون مکلف نہیں ہے اور نہ اس کی نیت صحیح ہے اگر اس کا ولی اس کی طرف سے نیت کرے تب بھی وہ صحیح نہیں ہوگا(لايصح الحج من المجنون ولو احرم عنه وليه:شرح منتهى)۔ **بلوغ اور حریت دونوں وجوب اور اجزاء کی شرطیں ہیں صحت کی شرط نہیں۔**بچہ اور غلام پر حج واجب نہیں ہوتا ہے لیکن اگر یہ دونوں ادا کریں تو درست ہوگا لیکن حج کی فرضیت کو پورا کرنے یہ کافی نہیں ہوگا یعنی بلوغت و آزادی کے بعد ان کو فرض حج ادا کرنا ہوگا۔**اور استطاعت فقط وجوب کی شرط ہے** یعنی اگر کوئی فقیر یا مریض حج ادا کریں گے تو یہ ان کے فرض حج کی ادائیگی کیلئے کافی

ہو گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیساتھ کئی ایسے افراد نے حج کیا تھا جن کے پاس کوئی مال نہ تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حج کا اعادہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ **اجزاء کفایت کرنے کے** یعنی فرض کی ادائیگی کو کافی ہونے کے **معنی میں یعنی لڑکے اور غلام کا حج صحیح مگر نفل ہے فرض کی ادائی کو کافی نہیں فرض تو ذمہ پر باقی رہے گا۔ صحت حج کی دو ہی شرطیں ہیں۔ اسلام اور عقل، تمیز شرط نہیں۔ اور صحت فرض کی چار شرطیں** ہیں(۱)اسلام،(۲)عقل،(۳)بلوغ،(۴)حریت یعنی آزادی **استطاعت ہو سکنے کے معنٰی ہیں یعنی خرچ راہ اور سواری کی قدرت ہو جس کو زاد راحلہ کہتے ہیں۔** زادِ راحلہ سفر حج کیلئے جانے، واپس آنے، کھانے پینے، پہننے اور سواری کے خرچ کی قدرت ہونے کو کہتے ہیں۔ **خرچ راہ اور سواری ایسی ہو جو اس شخص کے لائق ہو** تاکہ اس پر سوار ہو کر حرج اور مشقت نہ ہو لہذا اگر وہ شخص فقیر ہو گا تو سواری اور خرچ راہ اس شخص کے لائق ہونا ضروری ہو گا اور اگر وہ متوسط طبقہ کا ہو گا تو خرچ راہ اور سواری متوسط درجہ کے ہونا لازم ہو گا اسی طرح غنی شخص کا بھی ہو گا۔ دور حاضر میں طیارہ کی دو طرفہ ٹکٹیں، ویزا اور رہائش کا کرایہ، کار یا بس میں سوار ہونے کا کرایہ، ایام حج میں کھانے پینے کا خرچ ان سب میں شامل ہوں گے۔ سواری کے خرچ کا اعتبار اس وقت ہو گا جب کہ عازم حج مکہ سے مسافتِ قصر پر ہو اگر کوئی مقامی شخص ہو جو مسافت قصر پر نہ ہو تو اس کا اعتبار نہ ہو گا اسی طرح شرح منتھی الارادات میں ہے:ولا يعتبر ملك راحلة في دونها اي مسافة قصر عن مكة کیونکہ مکہ سے قریب رہنے والا پیدل چلنے پر قادر ہوتا ہے کہ اسمیں مشقت تھوڑی ہوتی ہے مگر جب کوئی مکہ کے قریب رہنے والا شخص بہت بوڑھا ہو تو سواری کے خرچ کا اعتبار ہو گا۔ خرچ راہ کا اعتبار قریب اور دور کے عازمین میں سے ہر ایک کیلئے ہو گا۔ **اور قرض اور نفقہ اور حاجت کی چیزوں کی سوائے ہو** یعنی خرچ راہ اور سواری کیلئے رقم وہ مال ہے جو قرض، نفقہ اور حاجت کی چیزوں میں سے بچنے والا ہو۔ اگر ان اخراجات کی تکمیل کے بعد حج کیلئے رقم باقی نہ رہے تو حج فرض نہیں ہو گا۔ حاجت کی چیزوں کا بیان آگے آرہا ہے۔ **قرض اسی وقت دینے کا ہو یا**

وعدہ پر بندے کا قرض ہو یا خدا کا، جیسا زکات اور کفارہ اور نذر کیونکہ عازم قرض سے بری ہونے کا محتاج ہے۔ نفقہ کھانے پینے کا خرچ ہے اسلئے کہ کھانے پینے کی اشیاء قرض پر بھی مقدم ہے تو حج پر بطریق اولیٰ مقدم ہے۔ یعنی اس کو اور اس کے عیال کے خرچ دائمی سے سوا ہو یعنی جب وہ حج سے واپس آئے تو کھانے پینے کا خرچ اتنا اس کے پاس رہے کہ اسکی اور اسکی عیال کی دائمی کفایت ہو سکے۔ خواہ یہ کفایت کا ذریعہ زمین ہو جس کے کرائے سے اس کی پرورش ہو یا نقد مال جس سے تجارت کرتا ہے اور نفقہ صرف کرتا ہے یا دفتر شاہی سے تنخواہ پاتا ہے یا کوئی ہنر اور صنعت سے نفقہ حاصل کرتا ہے۔ حاجت کی چیزین مکانِ مثل ہے رہائش کیلئے مکان، خادم وغیرہ اس دلیل سے حاجات اصلیہ میں ہیں کہ مکان، خادم وغیرہ قرضدار پر اپنے قرض سے اولیٰ ہیں اور خادم اور ملبوس مثل اور بستر اور لحاف اور کتابیں جو کام کی ہیں یہ سب حاجات اصلیہ ہیں۔ اگر کتاب کے دو نسخے ہوں تو ایک بیچ ڈالے۔ ایسا ہی مکان اور خادم اور لباس یعنی گھر کشادہ ہو یا خادم نفیس ہو اور اس سے سستہ خادم اس کی ضرورت کو کافی ہو یا ضرورت سے زیادہ لباس ہوں تو ان کو بیچ دے اور خرچ راہ اور سواری پر خرچ کر کے حج ادا کرے۔ اس کے سوا اگر متعدد ہوں تو بقدر حاجت رکھ لے۔ جو زیادہ ہو اسے بیچ کر حج کرے۔ استطاعت میں یہ بھی داخل ہے کہ راستے میں امن ہو کہ بغیر ذمہ دار کے آدمی جا سکتا ہو بغیر امن کے حج ادا کرنے میں ضرر ہے جو شریعت میں ممنوع ہے۔ اور راہ میں گھاس اور پانی موافق عادت کے ملتا ہو ان اشیاء کے موافق عادت نہ ملنے پر حج ادا کرنے میں بہت مشقت ہے اور مسافتِ راہ طئے کرنا حسب دستور ہو سفر خشکی کا ہو یا دریا کا۔ یہ سب باتیں پوری ہوں تو حج فرض ہے۔

شرط محرم عورت کے لئے

عورت یعنی وہ صنف نازک جو سات سال یا اس سے زیادہ عمر کی ہو چاہے جوان ہو یا بوڑھی ہو اور سفر حج کا ارادہ کرے تو ایک اور شرط زیادہ ہے کہ اس کے ساتھ شوہر یا اس کا کوئی محرم ہو شوہر کے ذریعہ بھی عورت کی حفاظت ہوتی ہے اسلئے محرم کے علاوہ شوہر کا ذکر بھی ہوا۔حج فرض ہو یا نفل بہر حال محرم ضروری ہے۔اسی طرح عام حالات میں عورت کو محرم کیساتھ سفر کرنا چاہئے۔ محرم وہ مکلف مرد ہے جس سے نکاح کبھی جائز ہی نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ خنثیٰ، مجنون، صغیر اور کافر مسلمان عورت کے محرم نہیں ہو سکتے ہیں۔مجنون اور صغیر تو عورت کے محافظ نہیں ہو سکتے ہیں لہٰذا ان سے حصول مقصود نہیں ہوتا ہے۔کافر میں مسلمہ کے محرم بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ایک مسلمان غلام اپنی بیٹی کا محرم بن سکتا ہے اسلئے کہ وہ اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہے۔غلام اپنی سیدہ کا محرم نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ وہ اس پر ہمیشہ کیلئے حرام نہیں ہوتا ہے۔اسی طرح بعض وہ محارم ہیں جو عارضی ہیں جیسے عورت کا بہنوئی، پھوپھا اور خالو۔سفر میں ان محارم کا اعتبار نہیں ہو گا کہ یہ دائمی محرم نہیں ہیں۔دائمی محرم خواہ نسب سے ہو یا مباح سبب سے۔نسب تو معلوم ہے جیسا کہ باپ اور بیٹا اور بھائی اور چچا اور سبب یہ کہ نکاح سے یا رضاعت سے یہ حرمت پیدا ہوئی ہو جیسا خاوند کا بیٹا باپ یا رضائی باپ یا بیٹا یا بھائی۔مباح کہنے سے سبب حرام خارج ہو گیا یعنی اگر کسی عورت سے زنا کرے تو اس کے بیٹے اور ماں زانی پر ہمیشہ حرام ہے۔مگر نظر اور خلوت اور سفر اس کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ گناہ سے آسانی نہیں ہوتی۔شبہ سے جس عورت سے وطی کیا ہو اس کے اصول و فروع کا بھی یہی حکم ہے۔اگرچہ یہاں گناہ ثابت نہیں۔اسی طرح ملاعنہ ملاعن ملاعنہ کیلئے محرم نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ یہ تحریم ابدی عقوبت اور تغلیظ کی وجہ سے ہے عورت جوان ہو یا بڑھیا، سفر دراز ہو یا کوتاہ، ہر حال میں محرم ضرور ہے۔محرم جو اس کے ساتھ جاتا

ہو اس کا نفقہ بھی عورت پر ہے کیونکہ مرد اس کی خاطر سفر حج پر جائے گا تو اس وقت جب عورت کو دونوں کے نفقے اور سواری کا مقدور ہو تو حج واجب ہے۔ محرم کو اس کا خرچ اٹھانے پر بھی ساتھ جانا لازم نہیں یعنی مشقت کیوجہ سے اس کا محرم منع کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں مثلاً بہت بوڑھی اور عاجز عورت کیساتھ حج میں مشقت ہوتی ہے۔ اگر ایسی عورت کا محرم ساتھ چلنے سے انکار کر دے تو وہ اس عورت کی طرح ہے جس کا کوئی محرم ہی نہ ہو لہٰذا اس پر حج فرض ہی نہیں ہو گا۔ جو عورت محرم کے ساتھ جانے سے نا امید ہو جائے تو وہ حج کرنے کو اپنا کسی کو نائب مقرر کرے۔ اگر بغیر محرم کے حج کرے تو ادا ہو جائے گا مگر گنہگار ہو گی۔ ایسا ہی جو اپنا دین یا کوئی حق جو لازم ہو ادا کرے اور حج کو چلے جائے یعنی پہلے قرض ادا کرے پھر حج کو جائے اگر بغیر ادا کرے حج کو جائے گا تو فرض حج اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا مگر حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہو گا۔

مسئلہ (دوسرے کے خرچ پر فرض حج اور حج واجب ہونے کے فوری بعد ادا کرنا)

اگر ادائیگئ مناسک کیلیئے کوئی شخص عازم مناسک کو خرچ اور سواری دیتا ہو یا مال دیتا ہو تو اس قدرت سے حج لازم نہیں یعنی اس طرح وہ استطاعت والا نہیں بن جاتا کیونکہ ازخود صاحبِ استطاعت ہونا ضروری ہے اگرچہ وہ خرچ اور سواری دینے والا اس کا باپ ہو یا بیٹا یا کوئی اجنبی ہو حج کے شروط جب پورے ہوں تو فی الفور حج کرنا فرض ہے۔ تاخیر سے گنہگار ہو گا۔ اگر کسی شخص پر کسی سال میں حج فرض ہو گیا تو اسی سال حج ادا کرنا لازم ہو گا اور تاخیر کرنے پر گناہگار ہو گا البتہ اگر حج تاخیر سے ادا کرے گا تو حج ادا ہو جائے گا اور گناہ ختم ہو جائے گا۔ فرائض کی ادائیگی میں احتیاط لازم ہے۔ استطاعت آنے کے بعد اگر تاخیر کرے گا تو اس بات کا یقین نہیں ہے کہ پھر اس کو ادائیگی کا موقع ملے گا یا

نہیں۔ ممکن ہے کہ موت آجائے یامال تلف ہوجائے اور اس کو ادائیگی کا موقع نہ ملے۔ فرائض کی ادائیگی میں تاخیر کرناحرام ہے اسلئے حج فی الفور کرناواجب ہے۔

مسئلۂ بلوغ وعتق:

اگر احرام کے بعد غلام آزاد ہو جائے یا لڑکا بالغ اور عرفات پر ٹھہرے ہوئے ہوں یا عرفات سے پہلے ہی آزادی اور بلوغت میسر آئے تو تغیر حال کے بعد فرضیت آگئی اب حج فرض ادا ہو جائے گا اسلئے کہ اب تک کوئی بھی رکنِ حج فوت نہیں ہوا اور نہ انہوں نے وجوب سے پہلے کوئی رکن ادا کیا تو اب لازم ہو گا کہ فرض حج ادا کرلیں۔ یا عرفات سے پلٹنے کے بعد بالغ اور آزاد ہوں یعنی حج واجب سے قبل ایک رکن ادا کرلیا تھا لیکن اس رکن کی ادائیگی کا وقت ابھی فوت نہیں ہوا اور بلوغت یا آزادی میسر آئی تو پھر دونوں وقت ہی عرفات کو جاکر آئیں اسطرح وقت میں ہی وقوف عرفات ادا کرلیں۔ مگر یہ شرط ہے کہ طواف قدوم کے بعد ہی حج کے لئے سعی نہ کرلئے ہوں۔ نہیں تو وہ حج نفل ہی ہو گا۔ کیونکہ سعی کر لینے سے ایک فرض حج کا، بلوغ اور آزادی سے پہلے ادا ہو گیا۔ پھر اس کی اشواط بھی مقرر ہیں اور اس کو مکرر کرنا بھی مشروع نہیں تو اب دوسری بار اس کو نہیں کر سکتے۔ وقوف عرفات کا کوئی حد مقرر نہیں جتنی دیر وہاں رہے وہ سب ایک ہی مدت گنی جاتی ہے، اس لئے وہاں جائز ہے یہاں نہیں۔ فقہاء نے غلام اور صغیر کے تغیر حال کا مسئلہ خصوصی طور پر بیان کیا حالانکہ المغنی میں ہیکہ کافر اور مجنون کا اس مسئلہ میں وہی حکم ہے لیکن ان دونوں یعنی کافر اور مجنون کا احرام ہی درست نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی منعقد ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں اہل عبادات میں سے نہیں ہیں وَالْحُكْمُ فِي الْكَافِرِ يُسْلِمُ، وَالْمَجْنُونِ يُفِيقُ، حُكْمُ الصَّبِيِّ يَبْلُغُ فِي جَمِيعِ مَا فَصَّلْنَاهُ، إلَّا أَنَّ هَذَيْنِ لَا يَصِحُّ مِنْهُمَا إحْرَامٌ، وَلَوْ أَحْرَمَا لَمْ يَنْعَقِدْ إحْرَامُهُمَا؛ لِأَنَّهُمَا مِنْ غَيْرِ أَهْلِ الْعِبَادَاتِ(المغنی)۔

مسئلہ (معتمر کا حالت احرام میں تغیرِ حال)

اگر بعد احرام عمرے کے بلوغ اور آزادی حاصل ہو اور ابھی عمرے کا طواف شروع نہ کیا ہو تو یہ فرض عمرہ ہو جائے گا یعنی جسطرح حج میں حج کے فرائض کی ادائیگی سے پہلے بلوغت یا آزادی حاصل ہو جانے پر نفل حج فرض حج میں تبدیل ہو سکتا ہے اسی طرح عمرے میں بھی ہے۔ اثنائے طواف میں بلوغ اور آزادی ہو تو وہ عمرہ نفل ہے۔ یہ نیت جو وقتِ بلوغ و عتق موجود ہے بس ہے۔ تجدید ضرور نہیں اور حج میں وقوفِ موجود کافی ہے۔

مسئلہ حج صبی

بچے کا حج اور عمرہ صحیح ہے اگرچہ وہ تمیز والا نہ ہو یعنی سات برس سے کم ہو اگرچہ بچہ ایک لحظہ پہلے پیدا ہوا ہو۔ اگر بچہ ممیز ہو تو وہ ولی کے اذن سے نیت کرے تمیز والے بچہ کا وضوء درست ہوتا ہے تو اس کا احرام باندھنا بھی درست ہوتا ہے۔ بچہ خود پر ایسی چیز لازم کر رہا ہے جو اس پر لازم نہیں ہے لہٰذا ولی کی اجازت ضروری ہے اور جو ممیز نہ ہو تو خود ولی اس کی طرف سے نیت کر لے ۔ ولی کے علاوہ کسی اور کا اس کی طرف سے نیت کرنا صحیح نہیں ہے۔ ولی کا اس کی طرف سے نیت کرنے کا مطلب یہ ہیکہ ولی اس کا احرام باندھے جس سے بچہ محرم ہو جائے گا۔ اگرچہ ولی بھی محرم ہو یا نہ ہو یعنی ان دونوں صورتوں میں وہ بچہ کی طرف سے نیت کر سکتا ہے۔ جو امور ان دونوں بچوں سے ہو سکتے ہیں وہ خود کریں جیسے وقوفِ عرفات، مبیت مزدلفہ ۔ ان اعمال کو ولی کا بچہ کی طرف سے ادا کرنا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ ان کو بچہ کی طرف سے کرنے کی حاجت نہیں ہے اور یہ اسلئے نہیں ہے کہ بچہ ان اعمال ادا نہ کرنے پر گناہ گار ہو گا بچہ تو غیر مکلف ہے۔ اور جو امور ان دونوں بچوں سے نہیں ہو سکتے تو ان کی طرف سے ولی بجالائے وہ تمام اعمال

جن پر بچہ قادر نہ ہو ولی ادا کر سکتا ہے۔**اگر طواف نہ کر سکیں تو ان کو کوئی اٹھائے ہوئے طواف کرے جس طرح معذور کو اٹھاکر طوف کیا جاسکتا ہے** اسی طرح بچہ کو جو چلنے کے قادر نہ ہو اٹھا کر طواف کیا جاسکتا ہے۔طواف کرانے والا محرم ہونا ضروری نہیں ہے اور محرم نے اگر خود طواف نہ بھی کیا تو وہ بچہ کو اٹھاکر طواف کرے تو صحیح ہو گا کیونکہ طواف محمول کا ہو گا نہ کہ حامل کا۔ اس میں ولی کی نیت کا اعتبار ہو گا۔رمی میں ولی نائب بنتے ہوئے ان بچوں کی طرف سے ادا کرے۔**لیکن پہلے ان کی طرف سے رمی کرے پھر ولی اپنی طرف سے کیونکہ حلال کی رمی معتبر نہیں**۔شرح منتہیٰ اور المغنی میں ہے پہلے ولی اپنے حج کی رمی ادا کرلے کیونکہ اگر پہلے بچہ کی طرف سے ادا بھی کرے گا تو وہ ولی ہی کی رمی ادا ہو گی اور بچہ کی نہ ہو گی جیسا کہ وہ شخص جس پر خود حج باقی ہو اور وہ دوسرے کی طرف سے ادا کرے تو وہ ادا کرنے والے کا حج ہو گا نہ کہ اسکا جسکا وہ نائب بنا۔شرح منتھیٰ:لکن لا یبدا ولی فی رمی جمرات الا بنفسه کنیابة الحج فان رمی عن مولیه وقع عن نفسه ان کان محرما بفرضه ۔**اگر ولی محرم نہ ہو تو بچہ کی طرف سے اس کا رمی کرنا صحیح نہ ہو گا** اسلئے کہ رمی غیر محرم سے خود کیلئے ہی درست نہیں ہوتی ہے تو دوسرے کیلئے بھی صحیح نہیں ہوتی ہے۔

مسئلہ اذن

غلام کا حج و عمرہ بھی صحیح ہے مگر غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر احرام نہ باندھے اسلئے کہ احرام باندھنے سے آقا کے حقوق فوت ہوتے ہیں اگر آقا اس پر راضی ہو تو احرام باندھ سکتا ہے۔**اگر غلام حج و عمرہ کی نذر کرے تو واجب ہو جاتا ہے** یعنی اگر غلام منذور حج کا احرام باندھ لے تو آقا کیلئے یہ جائز نہیں ہیکہ وہ اس کا احرام تحلیل کروائے۔**عورت شوہر کے بے اذن نیت نہ کرے** یعنی عورت نفل حج و عمرہ کی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نیت نہ کرے کیونکہ اس طرح کرنے میں شوہر کا حق فوت ہوتا ہے لہٰذا اس کی اجازت ضروری ہے۔عورت کیلئے نفل حج و عمرہ کی قید لگائی اور عبد

کیلئے نہ لگائی اسلئے کہ غلام پر حج و عمرہ فرض ہی نہیں ہوتے ہیں۔ **ایسا ہی لونڈی میاں کے** بے اذن نیت نہ کرے **اگر یہ دونوں بے اذن کر لئے ہوں تو شوہر اور میاں اس نیت کو توڑ سکتے ہیں** کیونکہ شوہر اور آقا کے حقوق کی ادائیگی ان پر لازم ہے اسلئے وہ احرام سے باہر نکالنے کے مالک ہیں۔ اگر بیوی تحلیل احرام سے انکار کرے تو وہ گناہگار ہوگی اور شوہر اس سے مباشرت کر سکتا ہے اسی طرح باندھی کا بھی حکم ہے، **مگر جب شرطیں پوری ہوں اور حج فرض ہو جائے تو عورت کو شوہر منع نہ کرے** یعنی جب شروط پورے ہو جائیں تو شوہر کو فرض حج سے روکنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ شریعت نے فرض کیا ہے۔ اگر شروط ہی پورے نہ ں تو شوہر روک سکتا ہے۔ اسی طرح فرض عمرہ میں شروط کی تکمیل ہونے پر شوہر نہیں روک سکتا ہے۔ اگر عورت احرام باندھ لے تو شوہر کو تحلیل کا حق بھی نہیں ہے جبکہ شرائط پورے ہوں۔ جہاں یہ کہا گیا کہ شوہر کو فرض حج و عمرہ سے نہیں روکنا چاہئے وہیں عورت کیلئے مستحب ہیکہ وہ شوہر سے ان نسک کی ادائیگی کی اجازت لے۔ **اگر ماں باپ اپنے بالغ لڑکے کو نفل حج سے منع کریں تو ہو سکتا ہے** یعنی والدین اولاد کو فرض حج سے منع نہیں کر سکتے ہیں اور نہ اس کا احرام تحلیل کروا سکتے ہیں اور نہ اولاد پر اسمیں والدین کی اطاعت لازم ہے۔ **جس طرح نفل جہاد سے منع کر سکتے ہیں** کیونکہ اس میں والدین کی اجازت معتبر ہے لیکن حضر میں نفلی نماز کیلئے اذنِ والدین معتبر نہیں ہے۔ **مگر وہ نیت کر لے تو اس کو توڑ نہیں سکتے** یعنی جب احرام باندھ لیا تو اسکی ادائیگی واجب ہو گئی لہٰذا اب اس کی تحلیل درست نہیں ہے۔

مسئلہ نیابت:

جو بڑھاپے سے حج یا عمرہ کو نہ جا سکے یا ایسی بیماری سے متاثر ہونے کی وجہ سے عاجز ہو **جس سے اچھے ہونے کی امید نہیں** یا وہ ایسا ہو جس کو کوئی شخص شدید مشقت کے بعد ہی لے جا سکے یا وہ خلقۃً ایسا ہو کہ سواری پر بیٹھنے کی اسمیں قدرت

نہ ہو یا حرکت کرنے کی اسمیں صلاحیت نہ ہو تو اس کو لازم ہے کسی شخص کو اپنا نائب بنائے تا کہ وہ اس بستی سے روانہ ہو کر حج و عمرہ بجالائے یا اس مقام سے جہاں سے نکلنا آسان ہو اور فوری طور پر حج ادا کرے۔نائب مرد ہو یا عورت۔مرد کی طرف سے عورت ہو یا بالعکس بلاکراہت یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔نائب حج اور عمرہ سے فارغ ہو گیا اور نیت کرلی اور ابھی فراغت حاصل نہ ہوئی کہ منیب کی بیماری اور عذر جاتا رہا تو یہ ادائی اسکو کافی ہے۔پھر حج کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس کو جس بات کا حکم تھا بجالایا۔اب ذمہ پر کچھ نہ رہالہٰذا اب دوسرا فرض حج کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس پر دو حج فرض نہیں تھے۔ابن منذر نے کہا کہ اس کا ٹھیک ہونا اس بات کی دلیل ہیکہ وہ بیماری سے مایوس نہیں تھا حنابلہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر وہ مایوس نہ ہوتا تو کسی کو نائب نہ بناتا تھا اگر ابھی وہ نیت نہ کی ہو کہ یہ اچھا ہو جائے تو فرض باقی ہے اور جانا لازم ہے۔جو اپنا فرض حج و عمرہ نہ ادا کیا ہو تو وہ دوسرے کا نائب نہیں ہو سکتا اس طرح جس پر حج کی قضاء ہو یا نذر حج ہو وہ دوسرے کا نائب نہیں ہو سکتا ہے چاہے منیب کے فرض حج یا نذر والے یا نفل حج میں وہ نائب بنا ہو۔اگر اپنے فرض حج سے پہلے دوسرے کا نائب بن بھی جائے تو اس کے فرض حج ہی کی طرف عمل پھر جائیگا۔اسی طرح جس پر حج فرض ہو وہ پہلے نذر یا نفل کی نیت کرے تو وہ فرض حج ہی ہو گا اور نذر اس کے ذمہ باقی رہے گا۔اگر قدرت والا شخص بھی نفل حج میں کسی ایسے شخص کو اپنا نائب کر کے پہنچے جس نے اپنا فرض حج ادا کرلیا ہو تو صحیح ہے غالبا یہاں لفظ "پہنچے" کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ "بھیجے" ہونا چاہئے۔نائب کو جس قدر خرچ ملا ہو وہ اس میں امین ہے یعنی نائب کو چاہئے کہ وہ حج کے دوران سواری اور دیگر خرچ معروف طریقے پر کرے اگر اس سے زیادہ خرچ کرے گا تو نائب پر ضمان آئے گا مثلاً اگر وہ لمبا راستہ اختیار کرے جبکہ چھوٹے راستہ میں ضرر نہ ہو تو ضمان آئے گا اسی طرح دیگر زیادتیوں میں ہو گا۔نیز اگر معروف خرچ کرنے کے بعد کچھ مال بچ جائے تو اس کو

لوٹانا چاہئے کیونکہ وہ اس مال پر امین ہے مالک نہیں ہے۔ **جس پر حج و عمرہ لازم ہو چاہے** وہ شریعت کا عائد کردہ فرض ہو یا اس نے نذر کے ذریعہ خود پر لازم کیا ہو، **اگر وہ ادائیگی سے پہلے مر جائے** درآنحالیکہ اس کو ادائیگی پر تمکن نصیب نہ ہو سکا کہ وہ محبوس تھا یا اسیر تھا یا عورت عدت میں تھی اور اسمیں ادائیگی کی استطاعت تھی یا اس کا نائب مر جائے **تو اس کے ترکے میں مال دے کر حج کرائیں۔** جہاں وہ مرا ہے یعنی جس شہر میں وہ مرا ہے **وہیں سے نائب کو روانہ کریں** کیونکہ قضا ادا کے طور پر ہوتی ہے۔ **اگر کوئی اجنبی اس کی طرف سے** یعنی اس میت کی طرف سے جس پر حج و عمرہ فرض تھا مگر قبل ادائیگی کے جو مر گیا **بغیر مال لینے کے** یا وارث کی اجازت کے بغیر **حج کرے تو بھی کافی ہے۔ پھر مال دے کے** مقرر کرنا ضروری نہیں کیونکہ یہ حج و عمرہ قرض کے مشابہہ ہے۔ **اگر مال اس قدر نہ ہو کہ اس جگہ سے روانہ کریں تو جس مقام سے کفایت کرتا ہو وہیں سے کسی کو بھیج دیں، اگر راستہ میں مر جائے تو جہاں سے مرا ہو** جیسا کہ قرض میں بھی کیا جاتا ہے کہ جس قدر میت کے مال سے قرض کی ادائیگی ممکن ہو اس قدر ادا کیا جاتا ہے۔

میقات کا بیان

میقات لغت میں حد کے معنی ہیں اور شرع میں اس موضع عبادت یعنی عبادت کی اس جگہ **کو کہتے ہیں جہاں سے مکہ میں آنے والے اور حج و عمرہ کرنے والوں کو بے نیت نسک کے آگے بڑھنا منع ہے** یہ میقاتِ مکانی ہے۔ **کشاف القناع** میں ہیکہ ولم ينقل عنه ولا عن احد من اصحابه انهم تجاوزوها بغير احرام ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے اصحاب میں سے کسی سے بغیر احرام کے آگے بڑھنے کی روایت نقل نہیں ہوئی ہے۔ آگے **کشاف القناع** میں ہیکہ: فان لم يرد الحرم ولا نسكا لم يلزمه بغير خلاف لانه صل الله عليه و سلم و اصحابه

اتو بدرا مرتین و کانوا یسافرون للجهاد فیمرون بذی الحلیفة بغیر احرام اگر حرم مکہ جانے کا ارادہ نہ ہو یا نسک کا ارادہ نہ ہو تو میقات سے بغیر احرام کے تجاوز لازم نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے اصحاب دو مرتبہ بدر آئے اور وہ جہاد کیلئے سفر کر رہے تھے تو وہ ذی الحلیفہ سے بغیر احرام کے گزرے ۔ گویا کہ جب میقات سے تجاوز ہو اور دخول مکہ کا ارادہ نہ ہو تو احرام لازم نہیں ہے۔ یہ خصائص مکہ میں سے ایک ہیکہ اس میں داخل ہونے والے پر احرام لازم ہے۔ دوسری قسم میقات زمانی ہے یہ حج کے مہینوں کو کہتے ہیں حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ایام حج گزرنے کے بعد اعمال حج کرنے سے حج ادا نہیں ہو گا۔ عمرہ کا کوئی میقات زمانی نہیں ہے صرف میقات مکانی ہے۔ اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے۔ وہ مدینہ سے چھ یا سات میل پر ہے اور مکہ سے دس دن کی راہ پر ہے۔ اس کو بیر علی بھی کہتے ہیں یہ دراصل یہاں پر موجود ایک کنویں کا نام ہے جو مولیٰ علی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے کیونکہ بعض کا یہ ظن ہیکہ یہاں آپ علیہ السلام نے جن سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ سب میقاتوں سے دور ہے۔ شام اور مصر والوں کا میقات جحفہ ہے، جو رابغ سے قریب ہے رابغ جحفہ سے قریب ایک شہر ہے دور حاضر میں عازمین یہیں سے احرام باندھ رہے ہیں، وہ مکے سے تین منزل ہے جو دو سو کلو میٹر ہوتے ہیں۔ یمن والوں کا میقات یلملم ہے دورِ حاضر میں اس کو السعدیہ کہا جا رہا ہے۔ یہ اہل ہند کا بھی میقات ہے۔ یہ مکہ سے دو منزل ہے جو ۸۰ کلو میٹر ہوتے ہیں۔ اہل مشرق یعنی عراق اور خراسان والوں کا میقات ذات عرق ہے دورِ حاضر میں اس کو الضربیہ کہا جا رہا ہے یہ بھی مکہ سے دو منزل ہے جو ۸۰ کلو میٹر ہوتے ہیں نجد اور طائف والوں کا میقات قرن ہے۔ جس کو قرن المنازل اور قرن الثعالب بھی کہتے ہیں دورِ حاضر میں اس کو السیل الکبیر کہا جا رہا ہے۔ یہ مکہ سے ایک منزل ہے جو ۸۰ کلو میٹر ہوتے ہیں۔ یہ میقاتیں انھیں لوگوں کے لئے ہیں جو مذکور ہوئے اور ان بستی والوں کے لئے بھی جو

ان پر سے گزرتے ہیں۔ جس کا گھر ان میقاتوں کے اندر ہو وہ اپنے گھر سے اپنی نیت کرلے مثلاً اہل جدہ اپنے گھر سے نیت کرلیں کیونکہ جدہ میقات کے اندر آتا ہے اسی طرح حج تمتع کرنے والے اگر عزیزیہ میں مقیم ہوں تو وہ حج کی نیت وہیں سے کرلیں اور جو مکے میں رہتا ہو چاہے وہ اہل مکہ سے ہو یا مکہ میں مقیم ہو تو وہ حج کی نیت وہیں سے کرلے اور مکہ میں رہنے والا عمرے کا ارادہ کرے تو حرم سے باہر جا کے اس مقام سے نیت کر آئے جس کو حِل کہتے ہیں حِل اس مقام کو کہتے ہیں جو حدود حرمِ مکی سے باہر ہو مگر میقات کے اندر ہو۔ تنعیم، جعرانہ اور عرفات حِل کی چند مثالیں ہیں۔ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے تنعیم سے احرام باندھا تھا۔ اس مقام پر ایک مسجد ہے جس کو مسجد عائشہ کہا جاتا ہے۔ اگر مکہ والا حج کی نیت حل سے کرے تو جائز ہے اور اس پر دم نہیں اور عمرہ کی نیت وہ یعنی مکہ والا یا دوسرا کوئی شخص حرم سے کرے تو بھی جائز مگر دم لازم ہے۔

مسئلہ (میقات اور نیتِ نسک)

جو مسلمان حر اور مکلف ہو اور مکہ میں آنے کا یا حج وعمرہ ادا کرنے کا قصد رکھے تو اس کو بلا نیت نسک میقات سے آگے بڑھنا جائز نہیں۔ اس عبارت کی تشریح میں متعدد مسئلے اخذ ہوتے ہیں۔ پہلا: میقات کی ابتداء اور انتہاء دونوں سے نیت کرنا جائز ہے لیکن ابتداء سے نیت کرنا اولیٰ ہے۔ دوسرا: عازمِ حج یا عمرہ یا مکہ داخل ہونے والے کیلئے یہ جائز نہیں ہیکہ وہ جدہ یا اسی کے مثل ایسا شہر جو میقات کے اندر ہو پہنچنے تک نیت کو مؤخر کرے بلکہ راستے میں جو بھی میقات آئے وہیں سے نیت کرلے۔ تیسرا: کافر، غلام، غیر مکلف اگر میقات سے آگے بڑھ جائیں پھر مسلمان یا آزاد یا مکلف ہو جائیں تو اپنی جگہ سے احرام باندھ لیں اور ان پر دم نہیں ہے۔ اسکا سبب یہ ہیکہ وہ مباح سبب کے تحت میقات سے تجاوز اس حال میں کئے تھے کہ ان پر احرام باندھنا واجب نہیں تھا۔ اب جبکہ وہ میقات کے اندر ہیں اور تغیر حال کے بعد

دخول مکہ کا ارادہ ہے تو وہ اہل حِل کے مشابہہ ہوگئے۔۔اگر حج کے دن ہوں تومکہ میں داخل ہونے والا میقات سے خواہ حج کی نیت کرے یا عمرہ کی۔اور جو حج کے ایام نہ ہو تو عمرے ہی کی نیت کرنا چاہئے مگر جو مباح لڑائی کے لئے یا خوف سے یا کسی حاجت کو جو اکثر ہوا کرتی ہے جیسا لکڑیاں چننے کو یا اس کے مانند آتا ہو تومکہ میں داخل ہونے والے کا بلا نیت نسک میقات سے تجاوز کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔یہ دفع حرج کے سبب ہے جیسا کہ مسجد میں مقیم شخص کو ہر بار مسجد میں داخل ہونے پر تحیت مسجد ادا کرنے میں تخفیف ہے اگر بغیر ان امور کے میقات سے آگے بڑھے لاعلمی میں یا بھول کر تو لازم ہے کی نیت کرنے کو پھر میقات کو پلٹے اور احرام باندھ کر آگے بڑھے اس حال میں اس پر کوئی دم نہیں ہو گا کیونکہ اس نے میقات سے احرام باندھا۔دم تو میقات سے آگے بڑھ کر احرام باندھنے پر لازم ہے۔ہاں فوتِ حج کا خوف ہو یا اپنی جان کا تو جائز ہے۔میقات سے تجاز کرکے احرام باندھے تو دم دے۔اگر غیر مکلف یعنی لڑکا یا دیوانہ میقات سے بے نیت کئے آگے بڑھے پھر بالغ یا ہوشیار ہو تو پلٹ آنا ضروی نہیں۔وہیں سے نیت کرلے جہاں مکلف ہوا کیونکہ وہ مباح سبب سے میقات سے آگے بڑھا تھا اب جبکہ حالت میں تبدیلی ہوئی تو وہ اہل حِل کی طرح ہو گیا۔میقات سے پہلے نیت کرلینا مکروہ ہے سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنھما نے ایسا کرنے والوں پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا اسلئے کہ میقات پہنچنے تک کچھ ایسا واقعہ پیش آسکتا ہے جو احرام سے باہر نکلنے کا متقاضی ہو۔ایسا ہی حج کی نیت حج کے مہینوں کے سوا دوسرے مہینوں میں کرنا مکروہ ہے مگر نیت بندھ جاتی ہے اور اس کو توڑنا نہیں ہو سکتا۔

اوپر جو بحث گزری اسکی تلخیص یہاں بیان ہورہی ہے جو المغنی سے ماخوذ ہے: میقات سے آگے بڑھنے والا جو حج یا عمرہ کا عازم نہ ہو دو قسم پر ہے: پہلی قسم: وہ جو حرم میں داخل ہونے کا ارادہ نہ رکھتا ہو بلکہ اس کے علاوہ کوئی حاجت ہو۔ اسمیں

کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کو احرام باندھنا لازم نہیں ہے۔ اگر بعد میں اس کا احرام باندھنے کا ارادہ ہو تو وہ اپنے مقام سے احرام باندھ لے کیونکہ وہ اب اہل حِل کی طرح ہے۔ دوسری قسم: وہ جو مکہ داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو اس کی تین انواع ہیں۔ پہلی نوع: وہ جو مباح قتال یا خوف یا بار بار پیش آنے والی حاجت کے تحت مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس پر احرام باندھنا لازم نہیں ہے۔ دوسری نوع: وہ جو حج کیلئے مکلف نہ ہو جیسے غلام، بچہ یا کافر۔ اگر میقات سے تجاوز کرنے کے بعد کافر مسلمان ہو، بچہ بالغ ہو، غلام آزاد ہو تو وہ اپنی جگہ سے احرام باندھیں۔ تیسری نوع: ایسا مکلف جو بغیر قتال مباح اور بغیر حاجتِ متکررہ کے مکہ میں داخل ہو تو اس کو میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھنا جائز نہیں ہے۔

احرام کا بیان

احرام لغت میں حرام کر لینا ہے کسی چیز کو اور شرع میں نیت نسک کو احرام کہتے ہیں کیونکہ بہت سی چیزیں جو مباح نہیں یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت یہ ہے: "جو مباح ہیں" اس نے آپ پر حرام کر لیں جیسا کہ نکاح اور خوشبو اور اس کے مانند۔ نسک حج یا عمرہ بجالانے کو کہتے ہیں۔ جو شخص نسک میں داخل ہونا چاہے اس کو سنت ہے کہ نہالے مرد ہو یا عورت اگرچہ حائض ہو یا نفاس والی ہو۔ لیکن مستحب یہ ہیکہ حیض یانفاس کے رکنے کے بعد غسل کر کے میقات سے نکلے تاکہ کامل طہارت ہو اور جب طہر سے پہلے نکلنا ہو تو غسل کر لے جیسا کہ ذکر ہوا۔ پانی سے معذور ہو تو تیمم کر لے اور بال اور ناخن اور میل اور بدبو سب دور کر کے ستھرا ہو جائے بغل، زیر ناف کے بال دور کرے، مونچھیں کاٹے۔ بدبو دور کرنا اسلئے بھی ضروری ہیکہ عموما احرام کی مدت طویل ہوتی ہے اور بدن کو خوشبو لگائے۔ مشک ہو یا گلاب یا بخور یہ خوشبو بھی قبل نیت ہے۔ کپڑے کو خوشبو لگانا مکروہ ہے۔ اگر لگایا ہو تو اس کو پہنے رہنا جائز ہے جب تک اتار نہ ڈالے پھر اسے پہننا منع ہے، جب تک کہ اس کی خوشبو نہ دھو

ڈالے اور سئے ہوئے کپڑے بدن سے دور کرے جیسا کہ کرتہ اور پاجامہ۔ سلا ہوا کپڑا وہ ہے جو اعضاء پر ٹھیک جمنے کے لئے ہو اور تہ بند اور ایک سفید ستھری چادر پہن لے جو یا تو نئی ہو یا دھلی ہوئی ہو اور نعلین بھی پہن لے یعنی جوتا اتار دے کہ اس کا پہننا جائز نہیں ہے۔ الفروع میں جوتے کی اقسام کیلئے الفاظ سرموزہ اور جمجم آئے ہیں اور دو رکعتیں نفل پڑھے۔ پھر نیت کرے غرض کہ نیت نماز کے بعد کرے چاہے فرض کے بعد ہو یا نفل کے بعد۔ فقط کپڑے اُتارنے اور لبیک کہنے سے نسک میں داخل نہ ہو گا جب تک کہ ارادہ نہ ہو یعنی دل سے پختہ ارادہ ہونا اور زبان سے دعا پڑھنا چاہئے جو آگے آرہی ہے۔ نیت فرض ہے باقی سب امور مذکورہ سنت ہے یعنے یوں کہے یا اللہ میں فلاں نسک کا ارادہ کیا ہوں مجھ پر آسان کر اور قبول کر۔ اگر کوئی روکنے والی شئے مجھے روکے تو وہیں میرے جگہ ہے یعنی وہی میرے احرام ختم کرنے کی جگہ ہو گی جہاں یہ رکاوٹ پیش آئی۔ فلاں کی جگہ حج یا عمرے کا نام لے۔ یا قران ہو تو دونوں کا۔ اس شرط سے یہ فائدہ ہے کہ اگر کسی دشمن کے یا بیماری کے سبب رُک جائے یا راستہ بھول جائے اور کوئی سبب تو اسے جائے نیت سے باہر نکل سکتا ہے اور کوئی دم لازم نہیں۔ نہیں تو دم دینا ہو گا۔ اگر یوں کہے میں جہاں چاہوں احرام سے نکل جاؤں یا نسک فاسد ہو جائے تو قضا نہ کروں تو یہ شرط درست نہیں کیونکہ اس میں کوئی عذر نہیں ہے۔ احرام دیوانگی اور بیہوشی اور موت سے باطل نہیں ہوتا اور ان چیزوں کے ہوتے ہوئے بندھتا بھی نہیں کیونکہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نیت درست نہیں ہوتی ہے۔

افراد، قران، تمتع: نسک تین قسم پر ہے یعنی حج ادا کرنے کے تین طریقے ہیں اور وہ تین طریقے یہ ہیں: افراد قران اور تمتع ہیں۔ ان میں سب سے افضل تمتع ہے پھر افراد ہے پھر قران ہے۔ افراد یہ ہیکہ پہلے حج ادا کرے یعنی افراد میں صرف حج کی نیت کر کے صرف افعال حج ادا کئے جاتے ہیں پھر جب اس سے فارغ ہو تو عمرہ بجالائے۔ یعنی اگر اس کا

فرض عمرہ ادا نہ ہوا تھا توحج کے بعد عمرہ ادا کرے۔ افراد اہل مکہ کیلیئے ہے۔ **تمتع یہ ہیکہ حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام کرے اور اس سے فارغ ہو لے اگر عمرے کے** تحلل سے پہلے حج کی نیت کرے گا تو وہ قارن ہو گا اور دو نسک یعنی تمتع اور قران کو جمع کرنا منع ہے **پھر اسی سال میں حج ادا کرے۔**یعنی حج اور عمرہ پے در پے ہونا چاہئے۔**حج کا احرام خواہ مکہ سے ہو یا اس کے نزدیک سے ہو یا دور سے۔** الاقناع میں لکھا ہیکہ متمتع کو عمرہ کرنے کے بعد مکہ یا اس کے قریب سے ہی حج کا احرام باندھنا چاہئے الاقناع: وَصِفَةُ التَّمَتُّعِ أَنْ يُحْرِمَ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ مِنْ مَكَّةَ أَوْ قَرِيبٌ مِنْهَا جبکہ شرح المنتہٰی میں ہیکہ مکہ سے یا اس کے قریب سے یا دور سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں اور اسی کو مصنف علیہ الرحمۃ نے بیان کیا۔ مثلاً عازم نے حج تمتع کی نیت کی اور حج کے مہینوں میں عمرہ کیا پھر مکہ میں رہا اور وہیں سے حج کا احرام باندھا یا عمرے کے بعد مکہ سے دور گیا اور حج کا احرام باندھ کر اسی سال آیا۔ کشاف القناع میں ہیکہ حج کے احرام کا مکہ یا قریب سے ہونے کی شرط کی تقیید المقنع، الفائق، الرعایتین، الحاویین میں ملتی ہے اور اسی پر اکثر اصحاب قائم ہیں ۔ الانصاف میں ہیکہ اس کو مطلق رکھنا المذھب اور الفروع، مبسوک الذھب، الخلاصۃ میں بیان ہوا ہے ان کتب میں نہ مکہ کا ذکر ہوا اور نہ اس کے قریب کا ذکر ہوا جبکہ بعض اصحاب نے مکہ کہا اور اس کے قریب کا ذکر نہیں کیا، ایسا الھدایۃ، المستوعب، التلخیص، الکافی اور ابن عقیل کی تذکرہ میں بیان ہوا ہے۔ الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف: وَلَمْ يَقُولُوا " مِنْ مَكَّةَ " وَلَا " مِنْ قَرِيبٍ مِنْهَا " وَنَسَبَهُ فِي الْفُرُوعِ إلَى الْأَصْحَابِ. مِنْهُمْ صَاحِبُ الْمُذْهَبِ، وَمَسْبُوكِ الذَّهَبِ، وَالْخُلَاصَةِ، وَزَادَ بَعْضُ الْأَصْحَابِ، فَقَالَ: يُحْرِمُ فِي عَامِهِ مِنْ مَكَّةَ. وَلَمْ يَذْكُرْ " قَرِيبًا مِنْهَا " مِنْهُمْ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ، وَالْمُسْتَوْعِبِ، وَالتَّلْخِيصِ، وَالْكَافِي، وَابْنُ عَقِيلٍ فِي تَذْكِرَتِهِ. **الموسوعہ الفقھیہ** میں کہا گیا کہ حنابلہ کے نزدیک تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے پھر عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد جہاں سے چاہے حج کا احرام باندھے۔ **قران یہ ہیکہ حج اور عمرے کی نیت ملا کر کرے یا پہلے عمرے کی نیت کرے پھر عمرے کا**

طواف کرنے سے پہلے حج کی نیت بھی شریک کرلے۔اگر ہدی ساتھ ہو تو بعد سعی کے بھی حج کی نیت شریک کر سکتا ہے ہدی ادا کرنے سے پہلے تحلل جائز نہیں ہوتا ہے اسلئے سعی کے بعد حج کی نیت کرنے سے یہ حج قران ہی ہو گا۔اور حج کی نیت شریک کرلیناحج کے مہینوں سے پہلے ہو تو بھی جائز ہے یعنی قران میں حج کے مہینوں سے قبل عمرہ کرکے اسی میں حج کی نیت داخل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ اتنے لمبے عرصہ تک احرام کی پابندیوں کالحاظ رکھناوجہِ حرج ہو سکتا ہے۔علاوہ ازیں جس کے پاس ہدی نہ ہو اس کو حج کی نیت عمرہ کے طواف کی ابتداءسے پہلے ہی کرنا چاہئے۔اگر پہلے حج کی نیت کرے پھر عمرے کی تو درست نہیں۔قران میں حج کا احرام باندھ کر اسی میں عمرے کی نیت کرنادرست نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ قارن نہ ہو گا اور نہ ایسا کرنا سنت یا آثار سے ثابت ہے۔

مسئلہ (تمتع اور قران کے شرائط)

آفاقی اگر تمتع یا قران کرے تو اس پر دم لازم ہے۔ یہ حکم قرآن کی نص سے ہے کہ جس نے حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھایایعنی تمتع کی نیت کرکے پہلے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا باندھا تو اس پر دمِ شکر ہے۔اسی طرح قران کرنے والا بھی حج اور عمرہ کیلئے علٰیحدہ سفر کرنے کے بجائے ایک ہی سفر کرکے فائدہ اٹھاتا ہے اسلئے اس پر بھی دمِ شکر لازم ہے۔ یہ قربانی جبر نقصان کیلئے نہیں بلکہ فقط عبادت ہے بعضے اس کو دم شکر کہتے ہیں۔ہدی کی دو قسمیں ہیں ہدی جبران اور ہدی شکر۔ہدی جبر حج کا واجب ترک ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔اس کے لازم ہونے کیلئے چند شرائط ہیں جن کا بیان آگے آرہاہے۔آفاقی وہ شخص ہے جو مکے سے مسافت قصر پر رہتاہو یازیادہ۔پہلی شرط یہ ہیکہ عازم مکہ کا رہنے والا نہ ہو حرم کے رہنے والے اور جو مسافتِ قصر کے اندر ہوں ان پر واجب نہیں اہل مکہ کیلئے نہ تمتع ہے اور نہ قران اسلئے دم شکر بھی نہیں ہے۔ وہ وجوب دم کیلئے ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ عمرے کے درمیان مسافتِ قصر کا سفر نہ

کرے۔ اگر حج اور عمرہ کے درمیان مسافت قصر کا سفر ہو تو دم نہیں ہے۔نیز اگر کوئی اصلاً مکی ہو پھر مسافت قصر طئے کر کے دوسری جگہ مقیم ہو جائے پھر مکہ میں لوٹتے وقت تمتع یا قران کی نیت کرتا ہو تو اس پر دم شکر لازم ہو گا اگر چہ اس کی نیت بعد ادائیگئ نسک دوبارہ مکہ میں مقیم ہونے کی ہو اسلئے کہ اب نسک کی ادائیگی کے دوران وہ مکہ کا مقیم نہیں ہے۔تیسری شرط یہ ہیکہ **اور ابتدائے عمرے** یا اثنائے عمرے **میں تمتع کی نیت ہو**۔اگر نیت تمتع کی نہ ہو گی تو وہ معتمر ہو گا اور متمتع نہیں ہو گا۔چوتھی شرط یہ ہیکہ متمتع حج کے مہینوں میں عمرے کا حرام باندھے **اگر حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام نہ کیا** ہو تو وہ معتمر ہو گا نیز دوسرے مہینوں میں مثلاً ماہِ رمضان میں عمرے کا احرام باندھا اور عمرہ ادا کر کے شوال میں احرام سے باہر نکلا تو بھی وہ متمتع نہیں ہو گا کیونکہ تمتع کیلئے عمرہ کا احرام حج کے مہینوں میں ہی معتبر ہے۔یہاں اگرچہ عمرہ کی تکمیل حج کے مہینے میں ہوئی لیکن اس کا احرام ماہِ رمضان میں باندھا گیا اسلئے یہ تمتع نہیں ہو گا۔پانچویں شرط یہ ہیکہ حج اور عمرہ ایک ہی سال ادا کرے **یا اسی سال حج نہ ادا کرے تو وہ متمتع نہیں فقط معتمر** ہے۔دم کے وجوب کیلئے چھٹویں شرط یہ ہیکہ نسک کا ایک ہی شخص سے ادا ہونا لازم نہیں ہے **اگر حج اپنی طرف سے ہو اور عمرہ کی دوسرے کی طرف سے یا بالعکس تو بھی دم واجب ہے** یعنی دم آدھا خود اس پر ہے اور آدھا منیب پر ہے یا حج ایک کی طرف سے ہو اور عمرہ دوسرے کی طرف سے ہو تو بھی دم واجب ہے۔

مسئلہ (افراد اور قران سے تمتع کی نیت کرنا)

مفرد کو اور قارن کو سنت ہے کہ نیت اپنی توڑ ڈالیں اور فقط عمرہ کی نیت کر لیں حضور نبی اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اسی طرح حکم فرمایا تھا أَحِلُّوا مِنْ إِحْرَامِكُمْ، بِطَوَافٍ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ أَقِيمُوا حَلاَلًا، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ، فَأَهِلُّوا بِالْحَجِّ، وَاجْعَلُوا الَّتِي قَدِمْتُمْ بِهَا مُتْعَةً: **یعنی طواف اور سعی کے بعد**

تحلل کر کے حلال بن جاؤ حتیٰ کہ یوم ترویہ آئے پھر تم نے جو کیا اس کو تمتع بناؤ۔ ایسا کرنے کی چند وجوہات ہیں: پہلی: حضور نبیٔ اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل عمل کا ہی حکم دیتے ہیں۔ دوسری: تمتع قرآن کریم میں منصوص ہے فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ [البقرة: ١٩٦] جبکہ باقی انساک نہیں ہیں۔ تیسری: تمتع میں حج اور عمرہ اپنے کمال کیساتھ جمع ہوتے ہیں یعنی ان کی ادائیگی سہولت اور آسانی کیساتھ ہوتی ہے اور اسمیں زیادتیٔ نسک بھی ہے جبکہ قران میں افعال حج ہوتے ہیں اور اسمیں عمرہ کے افعال داخل کر دئے جاتے ہیں اور افراد میں صرف حج کے افعال ہوتے ہیں اور اسکے بعد تنعیم سے نیت کر کے عمرہ کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنا فرض عمرہ کے ادائیگی کو کافی ہونے میں اختلاف بھی ہے۔ اسی طرح قران کے عمرہ کے اجزاء میں بھی اختلاف ہے جبکہ تمتع میں حج اور عمرہ دونوں کے اجزاء میں اختلاف نہیں ہے۔ **جب عمرے سے فارغ ہو لیں تو حج کا احرام کریں یا متمتع کہلائیں ہاں اگر ہدی ساتھ ہو تو نہ توڑیں** کیونکہ جس کے ساتھ ہدی ہو اس کا فسخ کرنا درست نہیں ہے **یا سیدھا عرفات کو چلے جائیں تو نہ توڑیں** کیونکہ جو عرفات کو چلا گیا اس نے حج کا ایک بڑا رکن ادا کیا اب وہ حج کے فوت ہونے کے خوف سے امن پا گیا لہٰذا اب اگر وہ یا ہدی ساتھ لانے والا حج فسخ بھی کرنا چاہے تو وہ لغو ہوگا اور اس کا حج باقی رہے گا۔ **متمتع کے ساتھ ہدی ہو تو اس کا احرام کھل نہیں سکتا۔ جس وقت عمرے کے طواف اور سعی سے فارغ ہولے تو سر نہ منڈوائے اور حج کی نیت کر لے۔ پھر نحر کے دن ذبح کر کے دونوں احرام یعنی حج اور عمرہ کے احرام سے باہر ہو جائے۔**

مسئلہ حایض:

حائض مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتی ہے اور نہ طواف کر سکتی ہے کیونکہ ان اعمال کی ادائیگی میں پاکی لازم ہے لہٰذا **اگر تمتع والی عورت کو طواف عمرہ سے پہلے حیض آجائے اور حج جاتے رہنے کا خوف ہو تو حج کی نیت**

کرلینا واجب ہے۔ اس وقت وہ قارن ہو جائے گی ۔ حایض کے سوادوسرے کو بھی فوت حج کا اندیشہ ہو تو ایسا کرنا چاہئے اب قران کی نیت کرنے کی وجہ سے علیٰحدہ عمرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ قران میں عمرہ بھی داخل ہو تا ہے۔ حائض طواف قدوم بھی نہ کرے کیونکہ یہ تحیۃ المسجد کے درجہ میں ہو تا ہے اور حائض کیلئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ متعلق نیت:

جس نے مطلق نیت کی، حج یا عمرے کا نام نہ لیا ہو یعنی صرف حالتِ احرام میں داخل ہونے کی نیت کی اور اس کا تعین نہ کیا کہ وہ کونسا نسک ادا کرے گا تو یہ صحیح ہے اور وہ جس طرف چاہے نیت کو پھیر دے یعنی وہ جو نسک چاہے ادا کر سکتا ہے۔ اگر یوں کہے کہ میں نے وہ نیت کی ہے جو فلاں شخص نے کی ہے تو وہی نیت اس کی بھی ہو جائے گی یعنی ایسا کرنے میں کوئی فساد نہیں ہو گا۔ پھر اس سے پوچھ کر ویسا ہی عمل کرے اگر اس کی نیت معلوم نہ ہو تو عمرے کی نیت ٹھہرائے کیونکہ یہی بہتر بات ہے اور تعین سے پہلے جو افعال کئے ہوں وہ بیکار ہیں کیونکہ یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ اعمال حج کے ہیں یا عمرے کے۔ اگر یوں کہے کہ فلاں شخص نے نیت کی ہے تو میں نے بھی کی، تو یہ درست نہیں کیونکہ نیت میں تردد ہے۔ نیت کے بعد جب کسی سواری مثلاً اونٹ پر سوار ہو تو تلبیہ کہے مگر اصح یہ ہے کہ نیت کے بعد تلبیہ کہنا چاہیے یعنی اصح قول کے مطابق تلبیہ کی ابتداء نیت کے بعد کرنا چاہئے جبکہ المقنع میں ہیکہ جب کسی سواری پر سوار ہو تو تلبیہ کہنا چاہئے۔ تلبیہ یہ ہے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الحمد وَالنَّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَيْكَ کے معنی حاضر ہوں تیرے بلانے پر اور قائم ہوں

تیری اطاعت میں۔لبیک کہتے کسی وقت۔ سنت ہے کہ اس نسک کانام بھی لے جس کی نیت کی ہے حج ہو یا عمرہ یا دونوں اور اسی طرح لَبَّیْكَ بحجة لبیک بعمرة یا لَبَّیْكَ بعمرة وحجة۔ قارن کیلئے سنت یہ بھی ہیکہ قارن لفظ عمرہ حج سے پہلے کہے یعنی وہ یوں کہےلَبَّیْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا۔

مسئلہ (تلبیہ کہنا)

تلبیہ لبی کا مصدر ہے یعنی لبیک کہنا، پکارنے والے کا جواب دینا۔حج کے بیان میں تلبیہ سے مراد مذکورہ بالا الفاظ کہنا ہے۔ تلبیہ کا استعمال تثنیہ کی صورت میں ہوتا ہے لیکن اس سے مراد تکثیر ہوتی ہے۔لبیک اکثر کہا کرے اسی طرح کا عمل سیدینا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے خصوص جب بلندی پر چڑھے یا پستی میں اُترے۔ یافرض نماز پڑھے یا رفیقوں سے ملے یاکسی کولبیک کہتاہوا سنے یاسواری پر چڑھے یابھول کر کوئی ممنوع کام کرے۔ ایسا ہی جب شام ہو جائے اور صبح کو اٹھے۔ مرد پکار کے کہے لیکن اپنی طاقت سے زیادہ آواز بلند نہ کرے کہ اس میں اس کیلئے ضرر ہے مگر حِل کی مسجدوں اور شہروں میں آہستہ کہے اور بیت اللہ کے پاس آواز بلند کرنا مکروہ ہے اگروہ طواف نہ کررہاہو تاکہ طواف کرنے والوں کوان کے مشروع اذکار میں خلل نہ ہو۔ قدرت والے کوعربی میں کہناچاہیئے، نہیں تو اپنے زبان میں مستحب ہیکہ گونگے، مریض اور صغیر کی طرف سے تلبیہ کہی جائے جس طرح دیگر افعال مثلاً: طواف جن میں وہ عاجزہوں ان کی طرف سے کئے جاتے ہیں تاکہ ان کے نسک کی تکمیل ہو۔ تلبیہ کے بعد دعا کرے اور سرورِعالم صل اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے کیونکہ اللہ کے ذکر کیساتھ سیدنارسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مشروع ہے لیکن دعا اور درود بلند آواز سے نہ کہے کیونکہ اسمیں آواز بلند کرنا وارد نہیں

ہے۔ **عورت آہستہ کہے اس قدر کہ اس کا فریق سن سکے** اس سے زیادہ آواز سے کہنا مکروہ ہے کہ اس میں فتنہ کا خوف ہے۔ **بے احرام والا بھی لبیک کہے تو مکروہ نہیں** کیونکہ یہ اللہ کا ذکر ہے اگر یہ محرم کیلئے مستحب ہے تو ضروری نہیں ہیکہ غیر محرم کیلئے مکروہ ہو۔

ممنوعات احرام کا بیان:

احرام میں سات چیزیں ممنوع ہیں حالت احرام محرم کیلئے تربیت گاہ اور حالت مراقبہ ہے جس میں نفس کی تربیت ہوتی ہے لہٰذا تربیت کے دوران بعض جائز چیزوں سے بھی روکا جاتا ہے تاکہ تربیت میں پختگی حاصل ہو۔ جب محرم ان چیزوں سے اجتناب کرے گا تو خشوع اور تواضع کی حالت اجاگر ہوگی۔ **(۱) سیا ہوا کپڑا پہننا، (۲)** سر ڈھانکنا، **(۳) خوشبو سونگھنا یا کام میں لانا (۴) بال یا ناخن دور کرنا** شرح منتھیٰ اور روض المربع میں بال دور کرنا اور ناخن دور کرنا کو دو الگ محظورات کے طور پر بیان کیا گیا ہے **(۵) نکاح کرنا، (۶) جماع یا اسکے متعلقات سے کوئی فعل کرنا** یہ بھی مذکورہ عربی کتب میں دو الگ الگ محظورات کے طور پر بیان ہوئے ہیں **(۷) خشکی کا سفر کرنا** یہ تحریری غلطی ہے صحیح عبارت یوں ہونی چاہئے "خشکی کا شکار کرنا" یعنی چند زمینی جانوروں کا شکار کرنا۔ **اس کی تفصیل یہ ہے:۔**

مسئلہ (سلے ہوئے کپڑے پہننا)

سیا ہوا کپڑا مرد محرم کو منع ہے، کل بدن پر ہو یا بعض، جیسا عمامہ اور کرتہ اور پاجامہ اور ٹوپی، چادر کو گرہ دیکر باندھنا بھی درست نہیں سلے ہوئے کپڑوں کے علاوہ احاطہ کرنے والے لباس سے پورا جسم چھپانا یا جسم کا بعض حصہ چھپانا یا ایک عضو چھپانا جائز نہیں ہے۔ احاطہ کرنے والے لباس کی مثال وہ کپڑے ہیں جو جسم کی ہیئت کے مطابق ایک ہی

ٹکڑے میں بُنے جاتے ہیں اور ان میں کوئی سلائی نہیں ہوتی ہے اس طرح کے لباس کی ممانعت حدیث میں وارد خفین کی ممانعت سے مستنبط ہے ہاں ان مذکورہ کپڑوں کے علاوہ کپڑوں سے اپنا جسم چھپا سکتا ہے مثلاً تہہ بند یا کمر بند ہو یا ہمیاں یہ کمر میں باندھی جانے والی روپیوں کی تھیلی ہے جس میں خرچ کے روپے رکھتے ہوں اور اس کو گرہ دینے کی حاجت ہو تو جائز ہے۔ موزہ بھی نہ پہنے کہ وہ بھی سی ہوئی چیز ہے۔ اگر نعلین نہ ملے تو موزہ پہن لے اور انہیں کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے اور تہ بند نہ ہو تو پاجامہ جب تک نعلین اور تہ بند میسر ہو اس صورت میں فدیہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ معذور ہے۔ اگر سئے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے نیت کرلے تو ساتھ ہی اتار ڈالے۔ اگر اُتارنے میں عادت سے ایک لحظہ بھی دیر ہو تو فدیہ لازم ہے۔

مسئلہ (سر ڈھانپنا)

مردوں کیلئے سر ڈھانپنا کسی بھی چیز سے ممنوع ہے یہ حرمت عمامہ باندھنے اور ٹوپی پہننے کی حرمت سے ماخوذ ہے کل ہو یا بعض سر میں کان بھی داخل ہیں جیسا کہ وضوء میں بھی ہوتا ہے، سر سے متصل رہے یا منفصل، موافق عادت ہو یا نہ ہو اسی طرح روض المربع میں ہے:سواء کان معتادا کعمامة و برنس ام لا،اور یہی الکافی،شرح منتہیٰ میں ہے البتہ الموسوعہ الفقہیہ میں صرف موافق عادت چیز سے ڈھانکنے کو حنابلہ کے نزدیک حرام قرار دیا ہے جو غلطی ہے مثلاً یہ سر کو موافق عادت طریقہ پر ڈھانکنے کی مثالیں ہیں :عمامہ اور ٹوپی پہنے یا یہ سر کو غیر موافق عادت طریقہ پر ڈھانکنے کی مثالیں ہیں:سر کو کسی کپڑے سے باندھے یا کیچڑ یا مہندی لپیٹ دے یا محمل اور عماری کے سائے میں رہے، خواہ سوار ہو یا نہ ہو۔ہاں سر پر کوئی بوجھ اُٹھائے یا گھر اور خیمے اور درخت یا دیوار یا اپنے مقابلہ میں کوئی چیز رکھ کر

اس کے سایہ میں بیٹھے تو مضائقہ نہیں کیونکہ اس سے سر ڈھانکنا مقصود نہیں ہوتا ہے۔عورت کو منہ ڈھانپنا منع ہے نقاب سے ہو یا کسی اور شئے سے۔اگر مردوں کی نظر سے بچنے کو پردہ کرنے کی حاجت ہو تو سر پے سے گھونگھٹ چھوڑدے اگرچہ وہ کپڑا منہ کو لگتا ہو اور دستانہ بھی نہ پہنے عورتوں کو حالتِ احرام میں لباس سے متعلق صرف چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کی تحدید ہے۔مردوں کو سر کھلا رکھنا چاہئے اور عورتوں کو منہ۔حضرت نے فرمایا مرد کا احرام سر میں ہے اور عورت کا احرام منہ ہے ۔ سیا ہوا کپڑا پہننا اور سر ڈھانپنا عورت کو منع نہیں۔باقی سب ممنوعات میں دونوں برابر ہیں۔عورت کو زیور پہنا بھی جائز ہے اور احرام کے وقت مہندی لگانا سنت۔بعد احرام کے نہیں۔

مسئلہ (خوشبو سونگھنا)

محرم کو بقصد خوشبو سونگھنا منع ہے احرام کی نیت کرنے کے بعد جسم یا کپڑوں پر خوشبو لگانا بھی حرام ہے۔اگر خوشبو کوئی دوسرا شخص لگائے اور محرم خاموش رہے تو یہ حرام ہو گا۔اگر یہ ارادہ نہ ہو تو مضائقہ نہیں مثلاً عطار کی دوکان پر کسی کام کو بیٹھے یا عطر فروشوں کے بازار میں یا کعبہ کے اندر جائے یا اپنے استعمال یا تجارت کو عطر خرید کرے اور ہاتھ نہ لگائے تو منع نہیں۔اگر کسی خوشبودار چیز کو مس کرے جو ہاتھ کو لگ جائے یا کسی اور طرح کام میں لائے کھانا پینا ہو یا تیل یا سرمہ یا ناس یا حقنہ تو جائز نہیں۔ہر طرح خوشبو کے استعمال سے پرہیز کرے۔بدن کو اور کپڑے کو نہ لگنے دے۔مشک اور عنبر اور زعفران اور ورس اور بنفشہ اور نیلوفر اور گلابِ سرخ اور چنبیلی یہ سب خوشبو کی چیزیں ہیں عرق گلاب میں بھگوئے ہوئے کپڑے پہننا یا بخور، عود والے کپڑے پہننا یا ان پر بیٹھنا یا سونا

سب منع ہیں۔اگر کوئی میوہ سونگھے تو مضائقہ نہیں کیونکہ نہ یہ خوشبو کی چیز ہے اور نہ اس سے عادۃ خوشبولگائی جاتی ہے یا اگر کی لکڑی بغیر جلانے کی تو مضائقہ نہیں کیونکہ اس کے سونگھنے سے خوشبو نہیں لگتی جب تک کہ اسے نہ جلایا جائے یاریحان فارسی اسمیں خوشبوتو ہوتی ہے مگراس کوخوشبولگانے کی غرض سے استعمال نہیں کیا جاتا ہے اور نمام یہ ایک خوشبودار بنات ہے۔لغات الادویہ میں اس کو کالی تلسی کہا گیا ہے اور شح یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ شیح ہے یہ ایک نبات کا نام ہے جو قیعان اور ریاض میں اُگتی ہے یا وہ تیل اور سرمہ جس میں خوشبونہ ہو تو مضائقہ نہیں مثلاً تِل کا تیل،زیتون کا تیل۔

مسئلہ (سہو سے سلا ہوا کپڑا پہننا یا خوشبو لگانا)

سیا ہوا کپڑا پہننا او سر ڈھانپنا اور خوشبولگانا یہ تینوں فعل اگر سہو یا نادانی یا جبر سے ہوں تو فدیہ نہیں اور جب یاد آئے یا آگہی ہو جائے یا جبر نہ رہے تو ساتھ ہی دور کرے۔ اگر خوشبو دھونے کو پانی نہ ملے تو کسی کپڑے یا مٹی سے رگڑ کر پوچھ ڈالے جس قدر ہو سکے لیکن خوشبو دور کرنا حلال اور پاک چیز سے ہو۔اگر بے عذر ویسا ہی رہنے دے تو فدیہ لازم ہے۔باقی اور ممنوعات میں سہووزیادتی اور جبر سے بھی فدیہ ہے۔

مسئلہ (ناخن اور بال نکالنا)

بلاعذر ناخن اور بال دور کرنا جسم سے کہیں کے ہوں اگرچہ ناک کے ہوں منع ہے،استرے سے ہو یا کسی اور طرح سے ۔اگر آنکھ میں نکلا ہوا بال دور کرے یا ٹوٹا ہوا ناخن کتر ڈالے یا چمڑے کے سات بال اور ناخن نکل جائیں تو فدیہ نہیں۔ اگر کسی نے محرم کے اذن سے اس کا سر مونڈھا تو جس کا سر مونڈھا گیا اس پر فدیہ ہو گا اور مونڈھنے

والے پر نہ ہو گا یا محرم نے **اذن نہ دیا مگر چپ ہو رہا اور منع نہ کیا تو فدیہ** ہے اگر سر مونڈھنے والا محرم ہو تو فدیہ محلوق پر ہو گا کیونکہ یہ عمل اس کے علم سے ہوا اور حالق پر فدیہ نہیں ہو گا کیونکہ ایک ہی عمل ہے کے دو فدیے نہیں ہوتے ہیں۔ محرم حلال شخص کے بال مونڈھ سکتا ہے کیونکہ اسمیں وہ اپنے لئے آسودگی طلب نہیں کر رہا ہے۔ **اگر بالوں میں خلال کرے اور بال ٹوٹنے کا شک ہو تو فدیہ** مستحب ہے اگر آنکھ میں پلک کا بال نکلے یا اس کا ناخن ٹوٹ جائے اور وہ اسے دور کر دے تو اس پر فدیہ نہیں کیونکہ وہ اذیت کو دور کر رہا ہے۔ **اگر بال دور کرنا کسی عذر سے ہو مثلاً جوئیں ستائیں یا سر میں زخم ہو جائیں بالوں کی کثرت اور پریشانی سے بیماری یا درد سر یا زیادہ گرمی ہونے لگے تو نکال** ڈالے گناہ نہیں **مگر فدیہ لازم ہے**۔ گناہ اس لئے نہیں ہے کہ وہ ضرر دور کرنے کی خاطر فعل حرام کر رہا ہے جو بلا عذر نہیں ہے۔

مسئلہ (حالت احرام میں نکاح کرنا یا کرانا)

احرام کے حال میں نکاح کرنا منع ہے بلکہ احرام کی وجہ سے وہ نکاح ہی باطل ہو گا **خواہ اپنے نکاح کا ایجاب یا قبول کرے** احرام میں وطی ممنوع ہے اسلیئے عقد نکاح بھی ممنوع ہے مگر منتھیٰ الارادات میں ہیکہ حالت احرام میں نکاح کرنا سیدنا رسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلیئے ممنوع نہیں ہے آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت احرام میں سیدتنا میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ مگر صحیح مسلم کی روایت ہیکہ سیدنا رسول اللہ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ نکاح اسوقت کیا تھا جبکہ آپ حالت احرام میں نہیں تھے۔ ابن المسیب نے کہا کہ ابن عباس کو وہم ہوا تھا کہ آپ علیہ السلام نے احرام میں نکاح فرمایا **یا اپنی ولایت یا وکالت سے دوسرے کو نکاح کر دے بلکہ محرم کی طرف سے حلال وکیل ہو کر عقد کرے تو بھی صحیح نہیں** احرام میں نکاح کیلیئے اعتبار اس بات کا ہو گا کہ حالت عقد میں وہ حلال تھا یا محرم اور اعتبار

اس کا نہیں ہو گا کہ حالت وکالت میں وہ کیا تھا مثلاً اگر محرم نے حلال شخص کو اپنا وکیل بنایا اور وکیل نے محرم کے احرام سے باہر آنے کے بعد اس کا نکاح کروایا تو یہ درست ہو گا کیونکہ عقد حلال ہونے کی حالت میں ہوا اگرچہ توکیل حالتِ احرام میں ہوئی تھی۔ اگر حلال شخص دوسرے حلال کو وکیل بنائے اور وکیل اس کا نکاح حالتِ احرام میں کروائے تو یہ صحیح نہیں ہو گا یہاں توکیل اگرچہ حلال ہونے کی حالت میں ہوئی لیکن نکاح حالتِ احرام میں ہوا۔ نیز احرام کیوجہ سے وکالت ختم نہیں ہوتی ہے۔ مثلاً حلال شخص نے دوسرے حلال شخص کو وکیل بنایا پھر وکیل نے احرام باندھا تو اس کے محرم ہونے سے اس کی وکالت زائل نہیں ہو گی۔ صرف حالتِ احرام میں اس کا نکاح کروانا صحیح نہ ہو گا۔ **اس میں فدیہ لازم نہیں کیونکہ خود یہ عقد احرام کے سبب سے فاسد ہو گیا** یعنی جب احرام کی وجہ سے جب عقد ہی نہیں ہوا تو فدیہ بھی لازم نہیں ہو گا جیسا کہ احرام کی وجہ سے صید کا خریدنا فاسد ہو جاتا ہے **احرام صحیح ہو یا فاسد دونوں میں بھی عقد نکاح درست نہیں** اگر کسی وجہ سے احرام فاسد ہو جائے تو احرام کا حکم باقی رہے گا اور اس فاسد احرام میں بھی احرام کے ممنوعات سے بچنا لازم ہو گا۔ حالت احرام میں **پیام کرنا یا نکاح کا خطبہ پڑھنا اور گواہ بننا اور مجلس نکاح میں حاضر ہونا محرم کو مکروہ ہے** پیام بھیجنا اسلئے مکروہ ہیکہ وہ نکاح کی طرف لے جاتا ہے جو اس حالت میں ممنوع ہے۔ مجلسِ نکاح میں حاضر ہونا اسلئے مکروہ ہے کہ وہ نکاح پر معاونت ہے لہٰذا وہ پیام بھیجنے کی طرح ہے۔ البتہ محرم کے مجلسِ نکاح میں حاضر ہونے، خطبہ پڑھنے سے نکاح فاسد نہ ہو گا۔ **اپنی عورت سے رجعت کرنا بلا کراہت صحیح ہے کیونکہ یہ امساک ہے عقد نہیں** یعنی طلاق رجعیہ میں منکوحہ زوجہ ہی رہتی ہے لہٰذا اگر وہ رجوع کرے گا جبکہ وہ محرم ہو تو یہ صحیح ہو گا کیونکہ احرام میں نکاح ممنوع ہے اور یہاں نکاح نہیں ہو رہا ہے **اور لونڈی جماع کے لئے خرید کرنا بھی جائز ہے۔** کیونکہ احرام میں خرید و فروخت جائز ہے۔

مسئلہ: جماع اور اس کے متعلق امور:

جیسا کہ قبلہ ہو یعنی بوسہ لینا اور مباشرت محرم کو منع ہے۔ مباشرت کی تعریف اور تفصیل آگے آرہی ہے اگر جماع کرے ایسے جس سے غسل واجب ہوتا ہے یعنے حشفہ داخل کرے آدمی کے یا غیر آدمی کے قبل یا دبر میں پھر انزال ہو یا نہ ہو اور یہ عمل تحلل اول سے پہلے ہو تو دونوں کا احرام فاسد ہو گیا چاہے عمداً کرے یا سہواً یا جانتے ہوئے کرے یا جہالت سے یا اکراہ سے۔ جماع کے علاوہ حج کسی اور شئے سے فاسد نہیں ہوتا ہے۔ الْحَجَّ لَا يَفْسُدُ بِإِتْيَانِ شَيْءٍ فِي حَالِ الْإِحْرَامِ إلَّا الْجِمَاعَ(المغنی)۔ اس عمل سے وہ گناہگار ہوگا اور اس پر فاسد احرام کا اتمام کرنا، اونٹ ذبح کرنا اور قضاء لازم ہے مگر اس احرام سے نکلنا نہیں ہو سکتا یعنی وطی کی وجہ سے مرد ہو یا عورت احرام سے باہر نہیں نکلیں گے۔ اب اس کا حکم احرام صحیح کی طرح ہے یعنی اس کا اتمام ضروری ہے۔ اس فساد والے احرام کے اتمام کا طریقہ یہ ہیکہ پھر تجدید نیت کرے۔ اسی فساد کے ساتھ افعال حج اور عمرے کے ادا کئے جائیں اور احرام صحیح کی طرح اس کو بھی اتمام کو پہنچائے۔ پھر فدیہ دے اور قضاء کرے۔ یہاں صحیح و فاسد دونوں کا ایک حکم ہے یعنی اس کا اتمام ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاتمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لله- وقوف عرفات کے بعد بھی ہو تو فساد حاصل ہے یہ ایک تقدیری سوال کا جواب ہے حدیث شریف میں ہیکہ من وقف بعرفة فقد تم حجه یعنی جس نے عرفات میں وقوف کیا اس نے حج پورا کر لیا یعنی وہ حج کے فوت ہونے سے مامون ہو گیا۔ حدیث کا مقصد حج کے ایک فرض کو یعنی وقوف عرفات کو ظاہر کرنا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہیکہ وقوفِ عرفات ہی حج کا ایک فرض ہے۔ لہٰذا وقوف عرفات کے بعد بھی اور قبل تحلل اول وطی کرے گا تو فساد واقع ہوگا۔ تحلل اول یہ ہے کہ وقوف عرفات کے بعد طواف فرض اور رمی اور حلق ان تین امور سے دو امر بجالایا ہو تو اس وقت عورتوں کے سوا سب چیزیں حلال

ہو گئیں پھر جو ایک امر باقی ہے اس کو اور یعنے فرض کو ادا کرے۔ یہ تحلل ثانی ہے۔ اس وقت عورتیں بھی حلال ہو گئیں اور احرام پورا کھل گیا۔ اگر سعی وقوف سے پہلے کر لیا ہو جہاں جائز ہے تو بعد کرنے کی حاجت نہیں۔ اس کا بیان آئندہ بھی ہو گا۔ عمرے میں سعی تمام کرنے سے پہلے جماع مفسد ہے۔ یعنی یہ عمل کرنے پر گناہ ہو گا اور قضاء، اتمام، دم ادا کرنا لازم ہو گا اگر سعی کے بعد اور سر منڈھانے سے پہلے ہو تو عمرہ فاسد نہیں جس طرح تحلل اول کے بعد حج فاسد نہیں ہوتا۔ دوسرے سال بلا تاخیر حج اور عمرے قضا کرنا واجب ہے یعنی فوری طور پر قضاء اگلے سال کرے اور فدیہ فوری دے، یہ کبیر اور صغیر دونوں پر ہے، اگرچہ حج اور عمرہ نفل ہو، سوائے حج اور عمرے کے دوسری نفل عبادت میں فساد سے اتمام اور قضا لازم نہیں۔ اگر حج تمتع کرنے والے نے عمرہ کے احرام میں وطی کی تو اس کو اتمام عمرہ کے بعد عمرہ کی قضاء کیلئے میقات جاکر احرام باندھنا لازم ہو گا۔ اگر اتنا وقت نہ ہو کہ میقات جاکر احرام باندھے اور عمرہ ادا کرے پھر حج ادا کرے یعنی حج فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مکہ سے حج کا احرام باندھے اور اس پر دم لازم ہو گا پھر حج سے فارغ ہو کر میقات جاکر قضاء کی نیت سے عمرہ کا احرام باندھے اور پھر عمرہ کے فساد سے واجب ہونے والا دم ادا کرے۔

مسئلہ (احرام میں مباشرت)

حالتِ احرام میں مباشرت بھی مطلقاً حرام ہے۔ مباشرت کے معنی بشرہ سے بشرہ ملنا یعنی جلد سے جلد ملنا عورت اور مرد کا شہوت سے، خواہ وطی غیر فرج یعنی قبل اور دبر کے علاوہ کسی جگہ وطی کرنا ہو یا بوسہ دینا یا ہاتھ سے چھونا اگر اس صورت میں انزال ہو جائے تو بھی حج و عمرہ فاسد نہیں یعنی فرج میں وطی نہیں کی صرف مباشرت کی پھر انزال ہوا یا صرف تکرار نظر سے انزال ہوا یا غیر فرج میں وطی کی پھر انزال ہوا تو اس سے حج و عمرہ فاسد نہیں ہوں گے

یعنی اب قضاء لازم نہیں ہوں گے کیونکہ اس عمل سے فساد واقع ہونے کی کوئی نص نہیں ملتی ہے اور نہ اجماع سے یہ ثابت ہے۔ یہاں قاعدہ یہ ہیکہ جماع کے علاوہ کسی ممنوعہ فعل سے احرام میں فساد نہیں آتا ہے۔ **اس کا قیاس دخول حشفہ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ موجب حد ہے یہ موجب حد نہیں مگر فدیہ وہی لازم ہے جو جماع کے لئے مقرر ہے یعنی** اونٹ یا گائے ذبح کرنا ہو گا **اگر تکرار نظر سے انزال ہو یا اپنے فعل سے منی نکالے تو اس کا بھی ہی حکم ہے یعنی بدنہ** لازم ہو گا اسی طرح **روض المربع میں ہے:**"وعليه بدنة ان انزل بمباشرة او قبلة او تكرار نظر او لمس شهوة او امني باستمني قياسا علي بدنة الوطء "**اگر مباشرت یا بوسہ یا تکرار نظر اور شہوت سے ہاتھ لگانے یا اپنے فعل سے منی** نکالنے پر انزال ہو جائے تو وطی کے بدنہ پر قیاس کرتے ہوئے ایسا کرنے والے پر بدنہ لازم ہے اور اسی طرح الانصاف اور الفروع میں بھی ہے۔ **لیکن اگر دیکھا پھر نظر ہٹالی پھر منی نکلی تو دم لازم ہو گا۔** وَإِنْ نَظَرَ، فَصَرَفَ بَصَرَهُ، فَأَمْنَى، فَعَلَيْهِ دَمٌ (المغنی)۔ **اگر ان صورتوں میں انزال نہ ہو تو دم لازم ہو گا اسی طرح روض المربع میں ہے:**وان لم ينزل فشاة كفدية اذي **یا جماع تحلل اول کے بعد ہو تو حج فاسد نہ ہو گا** چاہے وہ مفرد ہو یا قارن یا متمتع لیکن بکری ذبح کرنا لازم ہو گا اور احرام میں فساد ہو گا کیونکہ اب بھی وہ حالتِ احرام میں تھا لہٰذا اب وہ حِل جا کر احرام باندھ کر آئے اور طواف زیارت صحیح احرام کیساتھ ادا کرے کیونکہ وہ رکن حج ہے پھر تحلل ثانی کے ذریعہ احرام سے باہر نکلے **یا عمرہ فاسد ہو جائے تو وہی عام فدیہ جو سب ممنوعات کے لئے ہے اور جو فکر وخیال سے انزال ہو یا احتلام تو کچھ بھی نہیں** کیونکہ فکر بغیر ارادے کے لاحق ہو سکتے ہیں، اسمیں اختیار کا دخل نہیں ہوتا ہے۔ **جماع اور مباشرت سہو و جہل سے ہو یا اکراہ سے** بھول اور ارادہ، علم اور جہل وطی میں برابر ہیں کیونکہ اس سے حج باطل ہوتا ہے اور محرم اس کو رد کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے اسی طرح مباشرت میں بھول اور ارادہ، علم اور جہل برابر ہیں کہ اس سے بدنہ لازم ہوتا ہے (المغنی) **اگر عورت**

اطاعت کرے تو اُس پر بھی وہی واجب ہے جو مرد پر ہے جماع، مباشرت قبل تحلل اول ہو تو بدنہ اور قبل تحلل ثانی تو عام فدیہ دونوں پر لازم ہوں گے۔ اگر جبر ہو تو عورت پر فدیہ ساقط ہے اور قضائے حج وعمرہ کا خرچ مرد پر کیونکہ وہی باعث فساد ہے۔حج قضاء کرتے وقت سفر میں اور تحلل تک عورت سے تھوڑے فاصلے پر رہے مگر اسکے احوال کی خبر رکھے کیونکہ بغیر اس کے عورت کا سفر حج ہی محال ہے۔

مسئلہ (شکار کرنا)

محرم کو صید کا قتل کرنا یعنی اسے ذبح کرنا، اسکا شکار کرنا اسکو تکلیف دینا یعنی زخمی کرنا حرام ہے۔ صید وہ ماکول جانور ہے جو اصل میں وحشی ہو یعنی اس کا وصف کے لحاظ سے وحشی ہونے کا اعتبار نہیں ہے اگرچہ ہل گیا ہو یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت "اگرچہ اہلی ہو گیا ہو" ہونی چاہئے جیسا کبوتر اور بطخ کہ اصل میں یہ وحشی ہیں لہٰذا ان کو قتل کرنا یا اذیت دینا محرم کیلئے حرام ہے۔ اگر اہلی جانور وحشی ہو جائے جیسا اونٹ اور گائے تو وہ صید نہیں اس کو ذبح کرنا جائز ہے کیونکہ یہ اصلاً اہلی ہیں۔ جو جانور ماکول اور غیر ماکول سے یا وحشی اور اہلی سے پیدا ہو تو وہ بھی صید ہے۔ یہاں حرمت اباحت پر غالب ہے۔ جو صید بری سے وہ حرام ہے معلوم ہوا کہ جس جانور میں یہ تین صفات جمع ہوں وہ صید ہے: ماکول ہونا، زمینی ہونا، اصلاً وحشی ہونا اور جو جانور ان جانوروں سے پیدا ہو وہ بھی صید ہیں۔ خلاصۃ صید کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ صید خشکی کے وہ وحشی جانور ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور جو پانی میں رہتا ہو وہ مباح ہے اگرچہ خشکی میں بھی رہ سکتا ہے جیسا کچھوا اور کھیکڑا۔ پانی کے پرندے بھی صید بری میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ یہ پانی میں اسباب زندگی تلاش کرتے ہیں مگر اصلاً پانی میں نہیں رہتے ہیں لأنه يتعيش في البحر ولا يعيش

فیہ(الکافی)۔ **ایساہی ٹڈے** ولأنه لا يعيش إلا في البر فهو كسائر الطير(الکافی) کیونکہ یہ زمین پرہی رہتاہے تو یہ تمام پرندوں کی طرح ہے۔

مسئلہ (حالت احرام میں شکار کرنے والے کی کسی طرح مدد کرنا)

حالتِ احرام میں **پانی والے کو** غالبا یہ تحریری غلطی ہے صحیح عبارت "شکار کرنے والے کو" ہونی چاہئے **صید کا پتہ بتانا یا اشارہ کرنا یا مدد دینا کسی طرح سے ہو اگرچہ چھری ہی ذبح کرنے کو دے** ہو چاہے شکار کرنے والے کے پاس چھری پہلے سے موجود ہو یا نہ ہو یا شکار کرنے والے کو جانور ہانکنے اپنا کوڑا دینا یا صید لے جانے اپنا گھوڑا دینا **یہ سب محرم کے لئے حرام ہے** کیونکہ یہ فعل حرام کا وسیلہ ہے اسلئے یہ بھی حرام ہے لیکن حلال شخص کا محرم کو صید پر دلالت کرنا حرام نہیں ہے کیونکہ وہ حلال کیلئے حرام نہیں ہے ۔ **محرم کو اپنا یا دوسرے محرم کا مارا ہوا صید کھانا بھی حرام ہے** محرم کیلئے صید کا مالک بننا حرام ہے تو صید سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا مثلاً اسکا گوشت کھانا، اسکا دودھ دوہنا بھی حرام ہے۔ **ایسا ہی جس صید میں اس محرم کا اثر ہو** یعنی محرم نے جس صید کا پتہ بتایا، اشارہ کیا یا مدد کی یا **اسی کے واسطے پکڑ لایا ہو یا ذبح کیا ہو** تو محرم کیلئے اس کا کھانا حرام ہے۔ **اگر حلال نے کسی محرم کے لئے شکار کر لایا ہو یا اس محرم نے پتا بتایا ہو یا اشارہ کیا ہو تو دوسرے محرم کو کھانا منع نہیں** اسی طرح جیسا کہ حلال شخص پر یہ کھانا حرام نہیں ہے **کیونکہ اس میں نہ کھانے والے کا کوئی سبب ہے نہ محرم کا کوئی اثر**۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس صید کا گوشت لایا گیا تھا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کھاؤ تو آپ کے ساتھیوں نے کہا کیا آپ نہیں کھائیں گے تو آپ نے کہا میں تمہاری طرح نہیں ہوں اس کا میرے لئے شکار کیا گیا۔

مسئلہ (صید کی جزا لازم ہونا)

جو شخص صید کو مارے یا اس کے سبب سے تلف ہو جائے خواہ دلالت سے ہو یا اعانت سے یا کوئی آلہ صید کے لئے دوسرے کو دینے سے یا اس جانور کے کھندل ڈالنے سے جس پر محرم متصرف ہو یا اس سواری کے کھندل ڈالنے سے جس پر محرم بیٹھا تھا یا اسکو چلا رہا تھا یا ڈھکیل رہا تھا تو جزا لازم ہے اگر محرم نے وہ صید کھالیا جس میں اس کا اثر تھا یا وہ جو اس کیلیئے لایا گیا تھا تو محرم پر اسکی جزا ہو گی اگر محرم نے اپنا شکار کھالیا تو اس پر صرف صید کی جزا لازم ہو گی اور کھانے کی نہیں ہو گی کیونکہ اس پر پہلے ہی اس صید کی جزا تھی تو اب کھانے پر اس کی تکرار نہیں ہو گی، کشاف القناع میں اسی طرح ہے۔ اگر ایک محرم نے دوسرے کو پتہ دیا پھر اس نے مارا تو دونوں بالمناصفہ جزا میں شریک ہیں اگر ایک صید پر ایک محرم کو دوسرے محرم نے دلالت کی پھر تیسرے محرم نے دلالت کی، پھر چوتھے نے اور اسی طرح دسویں نے دلالت کی اور پہلے نے اس کا شکار کیا تو جزا ان دس محرموں پر ہو گی اگر کسی شکاری نے محرم کی دلالت سے پہلے ہی شکار دیکھ لیا تھا تو محرم پر جزا نہ ہو گی (المغنی) لیکن اگر حلال اور محرم صید میں شریک ہوں تو محرم کو پوری جزا دینا ہو گا اور حلال پر کچھ نہیں ہو گا۔ اگر حلال اور محرم شکار کے پیچھے تھے اور دونوں نے شکار کو زخمی کر دیا اور حلال نے پہلے کیا تو محرم پر اس کو مجروح کرنے کی جزا ہو گی۔ اگر محرم نے اسے زخمی کیا اور حلال نے اسے قتل کیا تو محرم پر صرف اسکے زخم کا ارش ہو گا۔ اگر محرم نے اسے زخمی کیا اور دوسرے نے قتل کیا تو پہلے پر ارش اور دوسرے پر جزا کا تتمہ ہو گا۔

مسئلہ (شکار کی ملکیت اور محرم)

ابتداء یعنی نئے سرے سے محرم صید کا مالک نہ ہو گا اللہ تعالیٰ نے محرم پر صید کا مالک بننا حرام قرار دیا ہے جیسا کہ مسلمانوں پر شراب کا مالک بننا حرام ہے لہٰذا محرم پر صید خریدنا یا صید کا ہبہ قبول کرنا اگرچہ بذریعہ وکیل ہو حرام ہے اگر وہ

خرید کر یا ہبہ کے ذریعہ یا رہن کے ذریعہ صید پر قبضہ کر بھی لے تو اس کو جس سے لیا تھا اسے لوٹانا لازم ہے اگر لوٹانے سے پہلے صید تلف ہو جائے تو مساکین حرم میں اس کی جزا دینا لازم ہے اور اس کے مالک کو اس کی قیمت دینا بھی لازم ہے اسی طرح دو ضمان آئیں گے۔ البتہ رہن میں مالک کو ضمان دے کیونکہ اس میں ضمان نہیں ہے۔ رعایہ میں ہے کہ ہبہ میں بھی ضمان نہیں ہے۔ ہاں اگر ترکہ میں آیا ہو تو وہ مالک ہو گا یا احرام کے وقت یعنی احرام باندھنے سے پہلے اس کی ملک میں موجود ہو تو احرام سے ملک زائل نہ ہو گی مگر اس کو چھوڑ دینا لازم ہے تاکہ وہ حالتِ احرام میں صید کا مالک نہ بنا رہے۔

مسئلہ (کونسا جانور مارنا جائز ہے اور کونسا جانور مارنا جائز نہیں ہے)

اہلی جانور کو احرام میں بھی مارنا درست ہے جیسا اونٹ گائے بکری مرغی اور ان کے سوا دیگر پالتو جانور کیونکہ یہ صید نہیں ہیں۔ ایسا ہی در آئے جانور کا شکار حلال ہے یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ دریائی جانور ہے۔ جو جانور ماکول نہ ہو اس کو مارنا منع نہیں جیسا شیر اور چیتا اور کتا اور بلی ۔ جو صید حملہ کرے تو اس کو اپنے سے اور اپنے مال سے ضرر دور کرنے کو مارنا جائز ہے خواہ ہلاکت کا خوف ہو یا کسی قدر ایذا کا کیونکہ اس وقت میں وہ موذی جانوروں میں محسوب ہے موذی جانور کو مارنا سنت ہے جیسا شیر، چیتا، باز، شکرا، سانپ، بچھو مچھر، پسو اور چیچڑ ے محرم کو چیل، کوّا، بچھو، چوہا، پاگل کتّا اور ہر وہ جانور جو صید کے سوا ہو یا اسکو تکلیف دے مارنا جائز ہےوَلَهُ أَنْ يَقْتُلَ الْحِدَأَةَ، وَالْغُرَابَ، وَالْفَأْرَةَ، وَالْعَقْرَبَ، وَالْكَلْبَ الْعَقُورَ، وَكُلَّ مَا عَدَا عَلَيْهِ، أَوْ آذَاهُ، وَلَا فِدَاءَ عَلَيْهِ(المغنی) ان جانوروں کے قتل کے جواز میں کئی احادیث وارد ہیں۔ جن جانوروں کے قتل کے جواز کا ذکر احادیث میں نہیں آیا ہے مگر وہ موذی ہیں جیسے تمام درندے انہیں قتل کرنا محرم کیلئے سنت ہے۔ غیر ماکول جانور، حشرات الارض کو قتل کرنا بھی جائز

ہے مگر جوں اور لک کو مارنا حرام ہے خواہ سر میں ہو یا بدن یا کپڑے میں کیونکہ اس سے آسایش مقصود ہے اور یہ بال کاٹنے کی طرح ہے خواہ ہاتھ سے مارے یا کسی دوا سے۔ جیسا پارہ اور اس کو بدن اور کپڑے سے نکال کر پھینک دینا بھی منع ہے مگر اس میں کچھ جزا نہیں۔ مضطر کو اگر مردار کھانا حلال ہے تو صید بھی جائز۔

مسئلہ (انڈے خراب کرنا یا دودھ نچوڑنا)

محرم اگر صید کے انڈے خراب کر دے یا اگر محرم نے پرندوں کے انڈوں کو منتقل کیا پھر اسکے منتقل کرنے سے وہ خراب ہو گئے اگرچہ پرندے نے اس کے سامان پر انڈے دئے تھے یا اس کا دودھ نچوڑ لے تو دودھ کی قیمت کا ضمان دے دودھ کی مثل انعام میں سے کچھ نہیں ہے اسلئے اس کی قیمت دینا ہو گا۔ جو انڈا گندہ ہو یا اس میں مردہ بچہ ہو تو کچھ نہیں اگر محرم نے انڈا توڑا اور اسمیں سے چوزہ نکلا اور وہ زندہ رہا تو اس پر کوئی ہرجانہ نہیں ہو گا کیونکہ اس نے کوئی چیز تلف نہیں کی یا شتر مرغ کے انڈے میں مطلقاً قیمت کا ضمان ہے، خواہ وہ درست ہو یا خراب کیوں کہ وہ خود قیمتی ہے۔ ممنوعات احرام کا بیان تمام ہوا۔

مسائل متفرقہ

محرم کو کوئی صنعت یا تجارت کرنا جائز ہے مگر اس کام میں رہنے سے واجب یا مستحب ترک نہ ہو کیونکہ یہاں اصل اباحت ہے اور کوئی دلیل نہی کی وارد نہیں ہوئی ہے۔ نہانا جائز ہے اور سرمہ لگانا محرم کیلئے سرمہ لگانا مکروہ ہے اگر زینت کیلئے ہو ورنہ اگر درد سر کیلئے یا کسی اور حاجت کیلئے ہو تو جائز ہے کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہننا جائز ہے کہ وہ خوشبو نہیں اسلئے اس کے استعمال میں حرج نہیں ہے مگر الاقناع میں ہیکہ چونکہ مرد کیلئے کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہننا عام حالت میں بھی

مکروہ ہے اس لئے احرام میں بطریق اولیٰ مکروہ ہے اور بے خوشبو لگائے کوئی بدبو دور کرنا جائز ہے کیونکہ یہ محظورات احرام میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو مطلوب ہے مرد ہو یا عورت مگر اثمد کا سرمہ زینت کے واسطے لگانا مکروہ ہے۔ نزاع جدال جدال کا معنی یہ ہیکہ اپنے ساتھی سے بحث کرتے رہیں یہاں تک کہ اس کو غصہ دلائیں۔ اس کا تقاضا تمام برے اخلاق اور معاملات سے ممانعت ہے اور فحش قیل و قال اس کو قرآن کریم میں رفث سے تعبیر کیا گیا بے ہودہ بات اور جماع کا ذکر کرنا رفث ہیں اور سب برے افعال سے بچے رہے اس کو قرآن کریم میں فسق کہا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرنا۔ کام کی بات کے سوا زیادہ باتیں نہ کرے بلکہ زیادہ تر تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، تلبیہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مصروف رہے۔

مسئلہ (ممنوع چیز کی ضرورت پڑنا)

جو بات ممنوع ہو اور محرم کو اس کے کرنے کی ضرورت ہو تو کرے اس کے کرنے میں گناہ نہیں مگر فدیہ دینا ہو گا مگر بعض جا فدیہ بھی لازم نہیں وہ اس کے محل پر ذکر ہوا ہے۔

مسئلہ (فعل ممنوع کا ایک سے زائد بار ارتکاب)

اگر فعل ممنوع کتنے ہی بار کیا ہو مگر ایک ہی جنس کا ہو اور پہلا کا فدیہ نہ دیا ہو تو ایک فدیہ بس ہے مثلاً کئی بار خوشبو لگائی یا سر ڈھانپنے یا مباشرت کرے خواہ پیاپے یا جدا جدا اگر کرتہ، پاجامہ، موزہ پہنے تو ایک فدیہ کافی ہے کیونکہ یہ ساری چیزیں پہننا سلے ہوئے کپڑے پہننے کے تابع ہے۔ اگر پہلے کا فدیہ دے چکا ہو تو دوسرا فدیہ بھی دے اب دوسرا عمل پہلے کا تابع نہیں ہے بلکہ یہ نئے سرے سے پایا گیا لہذا اس کا سبب الگ ہوا تو فدیہ بھی نیا دینا ہو گا۔ جتنے بار

مکرر ہو۔ اگر وہ افعال مختلف جنس کے ہوں تو ہر ایک کے لئے جدا فدیہ ہے۔ مثلاً بال اکھیڑے اور ناخن کترے اور سیا ہوا کپڑا پہنے تو تین فدیے لازم ہیں۔ پہلے کا فدیہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ ہاں اگر کئی صید مارے ہوں تو ہر اک کی جزا لازم ہے، اگر چہ سب صید ایک ہی جنس کے ہوں، تو ایک ہی دفعہ میں سب کو مارا ہو تو ہر ایک صید کی الگ جزا ہو گی۔

مسئلہ (نیت نسک توڑنا)

نیت نسک توڑنے کے بعد بھی احرام کا حکم باقی رہتا ہے لہٰذا اگر نسک کی نیت توڑ ڈالے تب بھی یہ فدیے ساقط نہ ہوں گے یعنی وہ فدیہ ساقط نہ ہوں گے جو توڑنے سے پہلے کے اعمال کیوجہ سے آئے تھے اور اگر توڑنے کے بعد کوئی ممنوعہ فعل کیا تو اس پر اس کا فدیہ بھی لازم ہو گا کیونکہ محرم احرام سے باہر نہیں ہو سکتا جب تک کہ سب افعالِ نسک پورے بجالائے یا کسی مانع کے سبب حج سے رُک جائے اور ہدی ذبح کر کے احرام سے نکل آئے۔ اگر احرام کے وقت شرط کرلی ہو تو ذبح بھی ضرور نہیں۔ اِن اُمور کے سوا احرام توڑنے سے بھی نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کے تمام ہونے تک سب احکام باقی ہیں۔ نیت فسخ کرنے سے کوئی فدیہ لازم نہیں کیونکہ یہ فقط ارادہ ہے فعل نہیں۔

مسئلہ (سہو، جہل اور اکراہ سے سقوط فدیہ)

لباس اور خوشبو اور سر ڈھانپنا یہ تین چیزیں سہو اور جہل اور اکراہ سے ہوں تو فدیہ نہیں کیونکہ اگر یہ افعال سہو، جہل یا اکراہ سے کر بھی لے تو پھر جب عذر دور ہو تو محرم اس کو دور کرنے کی قدرت رکھتا ہے یعنی سلے ہوئے کپڑے

اتار سکتا ہے اور سر سے ڈھپی ہوئی چیز ہٹا سکتا ہے جبکہ دیگر افعال میں اس فعل کا رد نہیں ہو سکتا ہے یعنی بال مونڈھنا اور ناخن کترنا اور جماع اور صید ان چار چیزوں میں رد نہیں ہو سکتا ہے اور ان میں مطلقاً فدیہ ہے کیونکہ یہ اتلاف ہے اور اتلاف میں عمل اور سہو اور علم اور جہل اور جبر و اختیار سب کا ایک ہی حکم ہے۔ جس طرح آدمی کا مال تلف کرنے میں ضمان ہے۔

فدیہ کا بیان

اس باب میں فدیہ کے احکام اور اسکے اقسام بیان ہوں گے۔ فدیہ کے لغوی معنیٰ اس مال کے ہیں جس کے ذریعہ قیدی کو چھڑایا جاتا ہے۔ اصطلاح میں فدیہ اس بدل کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ مکلف پیش آنے والی تکلیف سے خود کو بچاتا ہے۔ نسک کے باب میں فدیہ تین چیزوں کا نام ہے۔(۱)دم اور(۲)روزہ اور(۳)طعام۔ پھر فدئے کا سبب حرم ہے یا احرام یعنی یا تو وہ فدیہ احرام میں ممنوعہ فعل کرنے کے سبب لازم ہو گا یا حرم میں ممنوعہ فعل کرنے کے سبب لازم ہو گا۔ احرام کے فدئے یہ ہیں: فدیۂ فعل ممنوعہ، فدیۂ ترک واجب، فدیۂ احصار، دم تمتع و قران - حرم کا فدیہ جزائے صید ہے اور ضمان درخت و نبات۔ فدیہ احرام دو قسم ہے۔ ایک وہ جس میں تخییر ہے یعنی چاہے یہ کرے چاہے وہ۔ دوسرا وہ جس میں ترتیب یعنی یہ نہ ہو سکے تو وہ کرے۔ اس کی تفصیل یہ ہے اگر سیا ہوا کپڑا پہنے یا سر ڈھانپے یا خوشبو لگائے یا دو بال یا دو ناخنوں سے زیادہ نکالے یا بے انزال کے مباشرت کرے تو ان پانچوں امور میں فدیہ تخییر ہے ایک بکری ذبح کرے یا تین روزے رہے یا چھ مسکینوں کو کھانا دے، ہر مسکین کو ایک مد گیہوں ایک مد = 553 گرام یا دو مد کھجور یا اس کے سوا وہ چیز جو فطرے میں دینا جائز ہے یعنی کشمش اور

جو اور اقط جزائے صید میں بھی فدیہ تخییر ہے چاہے اس صید کا مثل جانور انعام یعنی اونٹ گائے بکری میں سے ذبح کرے اور مساکین حرم میں تقسیم کرے اور اگر اس کو بغیر ذبح کئے زندہ صدقہ کرے گا تو ادا نہ ہو گا کیونکہ اللہ نے اس کا نام ہدی رکھا ہے اور ہدی وہ ہے کہ جس کا ذبح کرنا ضروری ہوتا ہے یا اس مثل درہموں سے قیمت ٹھہرائے قیمت اس مقام کی ٹھہرائے جہاں صید تلف ہوا۔ پھر ان درہموں سے طعام خرید کر کے مسکینوں کو تقسیم کرے اس قیمت کی نقد رقم صدقہ کرے گا تو فدیہ ادا نہ ہو گا کہ اس میں تین ہی چیزوں میں اختیار ہے اور نقد رقم صدقہ کرنا ان میں سے نہیں ہے کہ سابق کی طرح ہر مسکین کو ایک مد گیہوں یا دو مد دوسری شئے ملے یا ہر مسکین کے کھلانے کے عوض ایک روزہ رکھے۔ اگر وہ طعام چار مد گیہوں ہے تو چار روزے اور چار مد کھجور ہوں تو دو روزے اگر مد کے حساب سے کچھ طعام بچ رہے تو اس کے عوض بھی ایک روزہ رکھے کیونکہ روزے کے الگ الگ اجزاء نہیں ہو سکتے ہیں۔ نیز روزے ایک ساتھ رکھنا بھی ضروری نہیں ہے۔ یہ بھی جائز نہیں ہیکہ ایک جزا کے بعض حصہ کا کھانا کھلائے اور بعض کا روزہ رکھے کیونکہ یہ ایک ہی کفارہ ہے الگ الگ نہیں ہے۔ جس صید کا مثل نہ ہو اس میں دو امر کا اختیار ہے، چاہے اس صید کی قیمت ٹھہرا کر درہموں سے طعام خرید کر کے مسکینوں کو بانٹ دے جیسا پہلے کیا تھا یا اسی طرح روزہ رکھے۔ وہاں مثل کی قیمت تھی یہاں خود صید کی یا اس کے سوائے جو امور ہیں ان میں فدیہ ترتیب ہے وہ یہ ہیں: وطی اور اس کے متعلقات جو ممنوعات احرام ہیں اور ترک واجب اور متعہ اور قران اور احصار، ان پانچوں امور میں دم واجب ہے۔ اگر ہدی نہ پائے یا قیمت میسر نہ ہو رقم اس کے پاس وہاں نہ ہو بلکہ اپنے وطن میں ہو تو اسکو قرض لینا لازم نہیں ہے اگرچہ اس کو قرض دینے والا موجود ہو یہاں اسکی ہدی خریدنے میں عاجزی کا فیصلہ اسکے اپنے ظن پر ہو گا تو دس روزے رکھے۔ تین روزے تو حج میں اور سات روزے جب گھر کو پلٹے۔ افضل یہ ہے کہ ان تین

روزوں کا پہلا روزہ عرفے کے دن ہو کہ اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے نیز یہ تین روزے متمتع عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد حج کے احرام باندھنے سے پہلے رکھ سکتا ہے کہ عمرہ کا احرام تمتع کے احراموں میں سے ایک احرام ہے لہٰذا اسمیں یہ روزہ رکھنا درست ہے مگر عمرہ سے پہلے رکھنا درست نہیں ہے کہ اس وقت سبب وجوب کا وجود ہی نہیں ہوتا ہے۔ جس وقت دم واجب ہوتا ہے اسی وقت یہ تین روزے بھی واجب ہوتے ہیں یعنی طلوعِ فجر یومِ نحر۔ اگر یہ تین روزے ایام تشریق میں ہوں تو بھی جائز ہے اور باقی سات روزے ایام تشریق میں جائز نہیں کہ ان دنوں میں اگرچہ وہ احرام سے باہر تو نکل جاتا ہے لیکن اعمال حج باقی ہوتے ہیں اور باقی سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد ہیں۔ ہاں ان دنوں کے بعد گھر کو پھرنے سے پہلے بھی ہو تو درست ہے کیونکہ اب وہ اعمال حج سے لوٹ چکا ہے، اب گھر جانا اس کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ تین روزے جو حج کے دوران رکھنے تھے کسی عذر جیسے بیماری کے سبب ایام منیٰ میں بھی نہ رکھ سکا تو ایام منیٰ کے بعد کامل دس روزے رکھے اور حج کا واجب تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے دم دے۔ اسی طرح اگر ہدی کو ایام نحر کے بعد ادا کرے گا تو دم لازم ہوگا اگرچہ یہ بسبب عذر ہو۔ یہ تین روزے اور سات روزے خواہ پیا پے رکھے یا جدا جدا کیونکہ یہاں مطلق حکم ہے جو جمع اور تفریق کا مقتضی نہیں ہے۔ احصار میں اگر ہدی کی قدرت نہ ہو تو تحلل کی نیت سے دس روزے رکھ لے، پھر احرام سے باہر ہو جائے یعنی وہ ذبح یا روزوں سے پہلے احرام سے باہر نہیں ہو سکتا ہے۔ احصار کا بیان تفصیل سے آئندہ معلوم ہوگا۔

مسئلہ (ہدی، دم اور فدیہ کا فرق): جہاں دم مذکور اس سے مراد بکری ذبح کرنا ہے مگر وطی اور انزال بالمباشرت سے حج فاسد ہو جائے تو اس وقت فدیۂ وطی لازم ہے۔ فدیہ وطی اونٹ کو کہتے ہیں۔ اگر یہ فعل تحلل اول کے بعد جس سے حج فاسد نہیں ہوتا یا عمرے میں فساد ہو تو وہی بکری لازم ہے جس کا بیان ہم پہلے کر

چکے ہیں۔ ہدی وہ جانور ہے جو حرم میں ذبح کرنے کے لئے ہو کیونکہ وہ درگاہ الٰہی میں ہدیہ ہے خواہ واجب ہو یا سنت یا نفل۔ اس قربانی کے وہی صفات ہیں جو اضحیٰ کے ہیں یہ تحریری غلطی ہے صحیح لفظ اضحیہ ہے جس کا بیان قریب میں ہو گا یعنے بکری ہو تو ایک سالہ اور بھیڑ شش ماہہ یا اونٹ اور گائے میں سے ساتواں حصہ دینا چاہئے۔ اگر پورا اونٹ یا گائے ذبح کرے تو افضل ہے۔ وہ کل واجب میں محسوب ہو گا۔ اونٹ کے عوض گائے بھی ذبح کرنا جائز ہے۔ فطر میں ہو یا جزائے صید میں اور عکس بھی درست۔ سات ہدیوں کے بدلے ایک اونٹ یا گائے ذبح کرنا بھی ممکن ہے مگر جو اس کے خاص احکام ہیں وہ یہاں مذکور ہیں۔

مسئلہ (تڈی کو مارنا)

تڈی کو مارے ٹڈی زمینی پرندہ ہے اور اس کی کوئی مثل نہیں ہے یا انڈا صید کا تلف کرے یا دودھ نچوڑے تو اس کی قیمت دینا لازم ہے۔ اس جای کی قیمت جہاں وہ تلف ہوا ہے۔ ایک بال یا ایک ناخن نکالے تو ایک مسکین کو کھانا دے یعنی ایک مد گندم یا دو مد کھجور۔ دو بال اور دو ناخن ہوں تو دو مسکینوں کو۔ تین اور اس سے زیادہ ہوں تو قربانی جس کا بیان ہو گیا۔

مسئلہ (فدیہ تقسیم کرنا)

ہر قسم کے ہدی اور اطعام جو حرم یا احرام سے متعلق ہو اس کو مساکین حرم پر سے تقسیم کرنا چاہئے۔ جزائے صید اور دم متعہ اور دم قران اور دم ترک واجب ان چاروں کو تو حرم میں میں کرنا لازم ہے یعنی حرم میں ذبح کرنا لازم ہے پھر اس کا گوشت بھی حرم ہی کے مساکین میں تقسیم کرنا لازم ہے۔ اور دم احصار اور ممنوعات احرام کا فدیہ

اسی جگہ ادا کرے جہاں وہ فعل واقع ہوا ہے۔ مثلاً سر مونڈھانا یاخوشبولگانا یاکسی مانع سے رُک جانا اگر حرم کی زمین میں ہو تو وہیں ذبح اور تقسیم طعام و گوشت کر دے اور حل میں ہو تو اسی جا اگر اس کو بھی حرم ہی میں بجالائے تو جائز ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ کل اقسام حرم میں ہو سکتے ہیں اور بعض خارج بھی۔ مقصود اس سے مساکین حرم کی فراغت ہے لہذا وہ حرم ہی کے رہنے والے ہوں یا وہاں آئے ہوئے ہوں خواہ حج کو یا کسی اور کام کو اور وہ ایسے ہوں کہ زکوٰۃ لینا جائز ہوتا ہے جیسے فقیر، مسکین، مکاتب، غارم۔ امام نے فرمایا مکہ اور منیٰ ایک ہی جگہ ہے یعنی منٰی بھی داخل حرم ہے اس لحاظ سے کہ منیٰ میں بھی ہدی ذبح کرنا حرم کی طرح ہے ورنہ حرم کی فضیلت مختلف ہے۔"خواہ وہ حرم ہی کے رہنے والے ہوں یاوہاں آئے ہوئے ہوں، خواہ حج کو یا کسی اور کام کو۔" قوسین میں دی ہوئی عبارت وہی ہے جو چند سطور پہلے آئی تھی، ظاہر ہیکہ یہ تحریری غلطی ہے۔ خواہ وہاں تقسیم کرے یا مکہ میں۔ افضل یہ ہے کہ جو حج کے لئے ہو وہ منیٰ میں ادا کرے اور جو عمرہ کے لئے ہو تو مروہ پر۔ اگر ان کو یعنی مساکین و دیگر مستحقین کو زندہ جانور دیدے پھر وہ ذبح کرلیں تو درست ہے اور جو ذبح نہ کریں تو پھیر لے یعنی جانور ان سے واپس لے لے اور آپ ذبح کرے کیونکہ ہدی ذبح کرنا لازم ہے روزے رکھنا اور سر مونڈھنا ہر جگہ ممکن ہے کیونکہ اس میں دوسرے کو نفع نہیں تو تخصیص نامفید ہے۔

مسئلہ جزائے صید:

جزا مثل کو کہتے ہیں۔ جزا کی دو قسمیں ہیں پہلی وہ کہ جس میں صید کا مثل شرع سے ثابت ہے تو وہی لازم ہے خلقت کے لحاظ سے مثل کا اعتبار ہو گا نہ کہ قیمت کے لحاظ سے۔ دوسری وہ قسم ہے کہ جسکی کوئی مثل انعام میں

سے نہیں ہے تو اس کی قیمت اس جگہ دینالازم ہے جہاں وہ تلف ہوا۔پہلی قسم کی مزید دو قسمیں ہیں۔پہلی وہ کہ جس کی مثل کے بارے میں صحابہ کرام کے فتاویٰ ملتے ہیں۔شتر مرغ میں اونٹ لازم ہے کیونکہ یہ اونٹ کے مشابہہ ہے اور یہ حضرات سادا تنا عمر، عثمان، علی اور زید رضی اللہ عنھم کا فتویٰ ہے اور جنگی لوہا غالباًیہ تحریری غلطی ہے یہاں جنگلی گدھا ہوناچاہئے جو گور خر ہے اس میں گائے ہے یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے یا جنگلی گائے میں گائے ہے یہ فتویٰ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور جنگلی بکری میں گائے ہے یہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے اور وہ تیتل یعنی پہاڑی بکری یا بکرا جس کے دانت نکل آئیں ہوں اس میں گائے ہے یہ بھی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے اور ایل یعنی بارہ سنگھا میں گائے ہے یہ فتویٰ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور ترڑس یعنی لگڑ بھگا میں نر بھیڑ ہے جو سیدنا عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنھم کا فتویٰ ہے اور ہرن میں بکری ہے یہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ،سیدنا عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنھم کا فتویٰ ہے اور برادر ضبٔ یعنی گوہ میں چھے مہینے کا بکرا ہے یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے اور یربوع میں چار مہینے کی بکری ہے یہ سادا تنا عمر، ابن مسعود اور جابر رضی اللہ عنھم کا فتویٰ ہے اور خرگوش میں اس سے چھوٹے جو چار مہینے سے کم ہو یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے اور حمام میں بکری ہے یہ سادتنا عمر، ابن عمر ، عثمان، سیدنا بن عباس رضی اللہ عنہم کا فتویٰ ہے ۔حمام کبوتر کو کہتے ہیں۔قمری اور فاختہ اور اس کے مانند حرم کے کبوتر کے جزا کے لئے صحابیوں نے ایک بکری ٹھہرایا ہے۔احرام میں بھی اسی قیاس پر ۔اگر اس میں حدیث اور کسی صحابی کا قول نہ ہو تو قیمت معتبر ہے یہ دوسری قسم ہے ۔خواہ کبوتر کے برابر ہوں یا اس سے بڑے ہوں جیسا آدز اور تیتر اور کلنگ۔قیمت وہ جو دو شخص عادل جاننے والے مقرر کریں۔ان میں سے ایک صید کا قاتل ہو تو

بھی جائز ہے مگر اسمیں یہ احتمال ہونا چاہئے کہ اس نے خطا یا جہالت سے یا اپنے کھانے کی حاجت کی خاطر صید کو قتل کیا ورنہ اسمیں اس کی عدالت باقی نہیں رہے گی۔

صید حرم کا بیان:

حرم یعنی حرم مکہ کا صید مطلقاً حرام ہے۔ خواہ شکار کرنے والا محرم ہو یا حلال کافر ہو یا لڑکا یا غلام کے صید حرم اور صید احرام کا ایک ہی حکم ہے صید مثلی ہو تو جزا دینا لازم ہو گا ورنہ قیمت دینا لازم ہو گا سوائے جوں کے کہ اس کو حرم میں حلال مارے گا تو جزا نہیں ہو گی اور نہ اس کا مارنا مکروہ ہے مگر زمین حرم میں پانی کا شکار بھی حرام ہے۔ احرام میں نہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس میں جزا نہیں بری یعنی زمینی میں جزا ہے۔ محرم صید حرم کو مارے تو وہی ایک جزا لازم ہو گی دو نہیں کیونکہ احرام اور حرم صید کی تحریم میں یکساں ہیں۔

مسئلہ (حدود حرم کے درختوں اور پودوں کا کاٹنا)

حضور اکرم صلاللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لایختلی خلاھا ولا یعضد شجرھا یعنی حرم مکہ کی سبزی نہ نکالی جائے اور اس کا درخت نہ کاٹا جائے۔ حرم کا ہرا درخت کاٹنا اور ہری گھاس اکھیڑنا حرام ہے اگرچہ اس میں منفعت نہ ہو بلکہ ضرر ہو جیسا کہ خاردار درخت مگر وہ گھاس اور درخت جس کو آدمی نے لگایا یا بویا نہ ہو۔ الکافی میں ہیکہ: ویحرم قلع شجر الحرم وحشیشہ کلہ لحدیث ابن عباس الا الاذخر وما زرعہ الانسان لانہ کالحیوان الاھلی یعنی حرم کے تمام درخت اور گھاس اکھیڑنا حرام ہے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی حدیث کی وجہ سے سوائے اذخر اور وہ جس کو انسان نے لگایا ہو کیونکہ وہ پالتو جانور کی طرح ہے۔ اسمیں اصل یہ ہیکہ جو شجر مملوک الاصل نہ ہو یعنی حرم کا وہ

درخت جس کو کسی آدمی نے نہ لگایا ہو اس کا کاٹنا حرام ہے ہاں سوکھا درخت اور گھاس کو کاٹنا منع نہیں ہے اسلئے کہ وہ میت کی طرح ہے اور وہ جس کو آدمی نے بویا ہو یا حرم کے باہر سے لا کے لگایا ہو وہ منع نہیں، خواہ ترکاریاں اور خوشبو کے جھاڑ ہوں یا اس کے سوا کیونکہ وہ اس کا مالک ہے لہٰذا وہ کاٹ سکتا ہے۔ مگر اذفر مستثنٰی ہے یہ تحریری غلطی ہے صحیح لفظ اذخر ہے۔ اذخر کیلیئے رسول اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیدنا ابن عباس رضی اللہعنھما نے رخصت چاہی تھی کہ اسمیں اہل مکہ کیلیئے نفع ہے تو آپؐ نے رخصت عنایت فرمای تھی اور قدرتی مستثنٰی ہے یہ بھی تحریری غلطی معلوم ہورہی ہے جیسا کہ عربی متون کے مطالعہ سے ظاہر ہورہا ہے یہاں کھمبی ہونا چاہئے جسے سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں اور نفع مستثنٰی ہے یہ بھی تحریری غلطی ہے اس نبات کا نام فقع ہے، اس کا اکھیڑنا اور پھل کسی قسم کا ہو توڑنا جائز ہے۔ جو نبات یا درخت بغیر فعل آدمی کے اکھڑ جائے یا ٹوٹ جائے اگرچہ بالکل جدا نہ ہو تو اس سے نفع لینا جائز ہے جسطرح ٹوٹے ہوئے ناخن کو نکال دینے میں کوئی فدیہ نہیں آتا ہے یہ بھی اسی طرح ہے۔

مسئلہ (چھوٹے اور بڑے درختوں کا ضمان)

جو درخت عرف میں چھوٹا گنا جاتا ہے اس کا ضمان ایک بکری ہے، اس سے بڑا ہو تو گائے ذبح کرے۔ گھاس اور پتوں کا ضمان اس کی قیمت ہے اور ڈالی کا ضمان وہ ہے جس قدر درخت میں نقصان ہو گیا ہو۔ اگر درخت کاٹنے یا گھاس اکھیڑنے کے بعد دوسرا درخت یا گھاس اس جگہ پیدا ہو جائے تو ضمان ساقط ہے مگر جس قدر کمی ہوا اتنا نقصان دینا ہو گا اگر حرم کا درخت اکھیڑا پھر دوبارہ وہیں لگا دیا اور وہ لگ گیا یعنی نہیں سوکھا تو اسمیں کوئی ضمان نہیں۔ اگر اگنے کے بعد اس میں نقص آیا تو اس کا ضمان دینا ہو گا۔ حرم کی مٹی اور پتھر دوسری جگہ لیجانا مکروہ ہے امام

نے کہا کہ شفا کی غرض سے کعبہ کو لگا عطر لیجانا چاہے تو وہ نہ لے بلکہ اپنے پاس سے پہلے اسے عطر لگائے اور وہ لے۔ **زمزم کا پانی لیجانا مضائقہ نہیں کیونکہ زمزم لینے پر دوبارہ آجاتا ہے۔ اسی طرح مسجدوں کی مٹی اور خوشبو اور کوئی شے تبرک کے لئے اٹھا لیجانا نہیں چاہئے۔**

حرم مدینہ منورہ:

مدینہ مطہرہ کا صید مارنا اور جھاڑ کاٹنا اور گھاس اکھیڑنا بھی حرام ہے جس طرح مکہ کا مگر اس میں جزا نہیں سیدنا رسول اللہ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جزا یا ضمان کا حکم نہیں دیا اور نہ آپ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب نے اس کا فتویٰ دیا۔ اگر مدینہ منورہ میں صید مارا اور اسے ذبح کیا تو اس کا تذکیہ صحیح ہو گا **مگر یہ چند چیزیں** حرم کے دخت سے بنانا جائز ہے **مسند** مسند چرخی کی لکڑی کو کہتے ہیں **اور عارضہ** یہ وہ ہے جس سے **محمل** کی چھت بنائی جاتی ہے **اور وسادہ** یہ وہ ہے جس پر گھرنی کا محور واقع ہوتا ہے **اور قائمتان** قائمۃ کجاوہ کے پایہ کو کہتے ہیں **اور آلہ حرب** یہ کتابت کی غلطی ہے روض المربع میں یہاں آلہ حرث یعنی کھیتی کا آلہ ہے **اور گھاس جانوروں کے لئے** نبیٔ اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہل مدینہ کے سواری اور کھیتی کی غرض سے اور جانوروں کو چارہ کھلانے کی غرض سے حرم کے درخت کاٹنے کی رخصت دی ہے کیونکہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں ان اغراض کیلئے دیگر دخت ملنا دشوار تھا، **اس کے سوا گھاس یا پتی توڑنا منع ہے۔ اگر کوئی باہر کا صید حرم مدینہ میں لائے تو اس کو رکھنا اور ذبح کرنا جائز ہے۔** حد اس حرم مبارک کی **ایک برید طول ایک برید عرض ہے۔ عیر سے لیکر ثور تک جو زمین ہے وہ سب حرم ہے۔ عیر** بفتح **عین ایک پہاڑ کا نام ہے**

جو مدینے میں مشہور ہے اور ثور بھی ایک پہاڑ ہے چھوٹا سا، کچھ مدور جس کا رنگ سرخی مائل ہے، اُحد کے پیچھے شمال کی جانب۔

مسئلہ (مکہ اور مدینہ کی افضلیت)

مکہ میں رہنا مستحب ہے۔ کیونکہ مکہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جاء میلاد ہے نیز اللہ نے حضور اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے اس شہر کی قسم کھائی ہے، اس کو بلد امین بھی کہا گیا ہے، یہ ام القریٰ بھی ہے، اس شہر میں بیت اللہ موجود ہے، یہاں زمین کی سب سے پہلی مسجد یعنی مسجد الحرام ہے اس میں ایک نماز دیگر مساجد میں نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ درجہ بہتر ہے اور مکہ، مدینہ سے افضل ہے۔ اور حجرہ مطہرہ جس میں سرور عالم علیہ السلام مدفون ہیں وہ تو کعبہ سے بلکہ عرش سے افضل ہے کیونکہ اس میں وہ جسد مبارک ہے جس کی تمام خدائی ہم وزن نہیں ہو سکتی۔ افضل جائے میں نیکیاں اور برائیاں دونوں بڑھ جاتے ہیں، مکہ ہو یا مدینہ۔

فرائض حج:

حج کے چار فرض ہیں یہاں فرائض سے مراد ارکان ہیں جیسا کی دیگر کتب میں بھی آیا ہے۔ اگر ان ارکان میں سے کوئی رکن ترک ہو گا تو حج ادا ہی نہیں ہو گا(۱) احرام اور (۲) وقوف عرفات اور (۳) طواف اور (۴) سعی احرام نیت کو کہتے ہیں۔ اگر فقط دل سے ارادہ کیا اور پہنے ہوئے کپڑے نہ اتارا یعنی سلے ہوئے کپڑے نہ اتارا اور لبیک نہ کہا تو بھی حج ہو جائے گا کیونکہ یہ حج کے ارکان نہیں ہیں نیز سلے ہوئے کپڑے پہنے گا تو کفارہ کے ذریعہ تلافی ہو سکتی ہے جبکہ نیت نہ کرنے کی کوئی تلافی نہیں ہے کیونکہ حج یا عمرہ بلا نیت منعقد ہی نہیں ہوتے ہیں اگر نیت نہ کیا اور سب کچھ کیا

تو وہ امور لغو اور نا معتبر ہیں کیونکہ یہ چیزیں نیت کے تابع ہیں عرفات پر ٹھہر نا خاص وقت میں ضرور ہے اس کا وقت عرفے کے دن یعنے نویں تاریخ ذی الحجہ کے زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور عید کی صبح صادق تک باقی رہتا ہے۔ یہ تو اجماعی مسئلہ ہے وقوف کا آخری وقت طلوع فجر یوم نحر ہونے میں اہل علم کے نزدیک اختلاف نہیں ہے۔ولا نعلم فیہ خلافا بین اھل العلم فی ان آخر الوقت طلوع فجر یوم النحر (المغنی)۔حنفیہ اور چافعیہ کے نزدیک وقوف کا اول وقت یوم عرفہ کا زوال ہے امام خرقی بھی اسی کے قائل ہیں۔حافظ ابن عبد البر نے اس کو بطور اجماع بیان کیا ہے حالانکہ اس پر اجماع نہیں ہے مگر ہمارے پاس عرفے کی صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ وہی صبح عید تک یعنے پورے ایک دن اور ایک رات تک اس کا وقت ہے۔ اگر کوئی اس مدت میں ایک لحظہ بھی عرفات میں رہے تو فرض حج ادا ہو جائے گا، خواہ وہ عرفات کو جائے یا نہ جائے یہ عبارت "جائے یا نہ جائے" کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ بغیر عرفات کو گئے وہاں ایک لحظہ گزارنا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ راہ چلتا ہوا اور ادھر سے گزر جائے جاگتا ہوا یا سوتا اور کسی قدر بھی نہ ٹھہرے کیونکہ مشروع وقت میں عرفات میں اس کا جانا ہو گیا۔ وقوف کیلئے نیت شرط نہیں ہے لہٰذا اگر لاعلمی میں عاقل محرم یوم عرفات کو میدان عرفات میں رہے گا تو بھی وقوف ادا ہو گا۔ وقوف کیلئے طہارت، ستارت اور استقبال بھی شرط نہیں ہے۔ جو شخص نشہ سے مست ہو یا دیوانہ یا بیہوش تو اس کا وقوف صحیح نہیں اسلئے کہ عقل وجوب اور صحت کی شرط ہے ۔ ہاں اگر وہیں ایک لحظے افاقہ ہو جائے یا وہاں سے نکلنے کے بعد افاقہ ہو اور پھر وہ کو پلٹ آئے تو صحیح ہے۔ اگر آٹھویں یا دسویں تاریخ کو سب لوگ دھوکے سے نویں سمجھ کر عرفات پر ٹھہریں یعنی تاریخ شمار کرنے میں غلطی ہو یا رؤیتِ ہلال میں غلطی ہو یا مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے اجتہاد کیا جو غلط ثابت ہو تو حج صحیح ہے دار قطنی میں روایت ہیکہ یوم عرفة الذی یعرف الناس فیه یعنی یوم عرفہ وہ ہے جسمیں

سب لوگ (وقوف کا)اہتمام کریں۔ اگر اس میں چند اشخاص ٹھہریں تو مضائقہ نہیں، اکثر کا اعتبار ہے اور اسی پر دفع حرج کی بناء ہے۔ قصداًاس طرح کریں تو نا جائز۔ طواف فرض کا وقت شب عید میں آدھی رات کے بعد سے شروع ہوتا ہے مگر اس شخص کو جو وقوف کر چکا ہو۔ وگرنہ وقوف سے پہلے طواف معتبر نہیں اور اس کے اخیر وقت کی کوئی حد نہیں عید کے دن طواف کرنا افضل ہے۔ صفا مروہ میں پھرنا بھی فرض ہے جس کو سعی کہتے ہیں۔

واجبات حج

حج کے سات واجبات ہیں واجب ترک کرنے پر دم لازم ہوتا ہے چاہے واجب بھول کر ہی ترک ہو(۱)میقات سے نیت کرنا اور(۲)عرفات میں غروب آفتاب تک ٹھہرنا اور(۳)شب عید آدھی رات کے بعد مزدلفہ میں ٹھہرنا(۴)ایام تشریق کی راتیں منیٰ میں رہنا اور(۵)جمروں کو ترتیب سے کنکر مارنا اور(۶)سر منڈھانا یا بال کترنااور(۷)رخصت کے وقت طواف بجالانا۔

مسئلہ (عرفات میں بعد غروب اور مزدلفہ میں بعد نصف شب پہنچنا)

اگر دن رہے عرفات میں پہنچا ہو تو غروب تک وہیں رہنا واجب ہے۔ اگر بعد غروب وہاں داخل ہوا تو کچھ نہیں یعنی دم لازم نہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہیکہ جس نے عرفات کو رات میں پالیا اس نے حج پالیا۔ جس شخص نے دن میں وقوف نہیں پایا وہ اس شخص کی طرح ہے جس کا گھر میقات اور مکہ کے درمیان ہو اور وہ اپنے گھر سے احرام باندھے۔ ایسا ہی اگر آدھی رات سے پہلے مزدلفے میں آگیا ہو تو آدھی رات پر کچھ وقت گزرنے کے بعد وہاں سے نکلے اور جو

بعد آدھی رات کے وہاں پہنچا ہو تو ٹھہرے رہنا واجب نہیں کیونکہ شب کے نصف اول کو اس نے نہیں پایا تو یہ حکم اس سے متعلق نہیں ہے۔

ایام تشریق تین دن ہیں۔ ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں ۔ ان دنوں کی راتوں میں منیٰ میں رہے۔ اگر بارہویں کو منیٰ سے چلے آئے تو جائز ہے۔ اس وقت تیرہویں شب کا رہنا اور اس دن رمی کرنا ساقط ہے اس طرح جلدی لوٹنے والا بقیہ کنکریاں دفن کر دے۔ اسی طرح شرح منتھیٰ اور الاقناع میں ہے۔ طواف وداع حج کے احکام میں داخل نہیں۔ یہ فقط اس کے واسطے ہے جو مکہ سے رخصت ہو کے اپنے وطن کو جاتا ہو اگر مکہ میں رہنے کا ارادہ ہو تو طواف وداع نہ کرے۔ فرض واجب کے سوا باقی سنتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

سنت حج:

سنت ترک ہو تو کوئی کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے(۱)احرام کے وقت سئے ہوئے کپڑے اتار ڈالنا(۲)نہانا(۳)خوشبو لگانا(۴)چادر اور تہہ بند سفید ستھری پہن لینا،(۵)لبیک کہنا اور(۶)اس میں حج اور عمرے کا نام لینا(۷)نیت کے وقت شرط کرنا،(۸)مکے میں اونچی طرف سے اور مسجد میں باپ بنی شیبہ سے داخل ہونا(۹)بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانا اور(۱۰)ذکر مسنون بجالانا،(۱۱)طواف قدوم ادا کرنا اور (۱۲)اس میں اضطباع اور رمل کرنا(۱۳)مکہ والوں کو آٹھویں تاریخ مکے سے احرام باندھ لینا، (۱۴)عرفہ کی رات منیٰ میں رہنا،(۱۵)ظہر و عصر عرفات پر اور مغرب وعشاء مزدلفہ میں ملا کر پڑھنا اور اس کے سوا کئی سنتیں اور آداب ہیں۔ جو ہر جگہ تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں۔

عمرہ کابیان

عمرہ کے تین رکن ہیں،(۱)نیت(۲)طواف(۳)سعی اور واجب دو چیزیں واجب ترک کرنے پر دم لازم ہوتا ہے چاہے عمداًہو یاسہواً یالا علمی یاعذر کیوجہ سے ہو۔اگر واجب معدوم ہوا تو یہ صوم متعہ کی طرح ہے یعنی دس دن روزے رکھنا(۱)حل سے نیت کرنا اور(۲)حلق کرنا بالتقصیر یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت "حلق یا تقصیر" ہے۔جو حرم میں ہو ان کو چاہئے عمرہ کی حل سے نیت کرے وہ مکہ کا ساکن ہو یا کوئی اور تنعیم خارج حرم اور بیت اللہ سے قریب ہے باقی حدود دور دور ہیں۔ یہیں سے نیت کر لینا آسان ہے اور افضل بھی ہے۔ حضرت عائشہ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ سے عمرہ کی نیت کرنے کا حکم فرمایا۔خواہ عمرہ فرض ہو یا نفل اور قارن کے عمرہ سے عمرہ فرض ادا ہو جاتا ہے قارن کو دوبارہ فرض عمرہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

مسئلہ (عمرہ کاوقت)

عمرہ ہر وقت جائز ہے۔خواہ حج کے مہینے ہوں یا عرفے کا نحر کا دن ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم پر ایک ماہ میں دو مرتبہ عمرہ ادا کیا تھا۔امام احمد نے فرمایا اگر چاہو تو ہر مہینہ میں ایک بار عمرہ ادا کرو۔فقہاء کی ایک جماعت نے دس دن میں ایک بار عمرہ کرنا مستحب قرار دیا ہے عمرے بہت کیا کرنا پیاپے مکروہ ہے یہ نص اور سلف سے ثابت ہے ہاں رمضان میں تکرار بھی مستحب ہے کیونکہ عمرہ کا ثواب رمضان میں حج کے برابر ہے۔

شرائط طواف:

طواف صحیح ہونے کی گیارہ شرطیں ہیں(۱)نیت ،(۲)اسلام،(۳)عقل دیگر عبادات کی طرح عمرہ میں بھی یہ تینوں شرائط ہیں(۴)ستر عورت، (۵)دونوں حدث سے طہارت کیونکہ یہ نماز ہے(۶)اجتناب نجاست،(۷)فرض طواف میں دخول وقت(۸)بیت اللہ کو اپنی بائیں طرف رکھتے ہوئے (۹)سات چکر(۱۰)پیاپے(۱۱)پاؤں سے چلتے ہوئے ادا کرنا ضرور ہے۔ اگر بے تمیز لڑکا ہو تو اُس کو وضو شرط نہیں کیونکہ وضو میں تمیز شرط ہے ہاں نجاست سے بچانا لازم۔ اگر درمیان طواف حدث ہو جائے یعنی وضوءٹوٹ جائے چاہے عمداً ٹوٹے یا نچ میں دیر تک فاصلہ تو سرے سے شروع کرے کیونکہ اسمیں موالات شرط ہے۔ تھوڑی سی دیر ہو تو مضائقہ نہیں۔ اگر فرض نماز کھڑی ہو جائے یا جنازہ آگیا ہو تو نماز پڑھ لے اور باقی چکر پورے کرے اور ناتمام شرط کو یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت "ناتمام شوط کو" ہونی چاہئے حجر اسود سے شروع کرے۔ اگر پاؤں سے چلنے میں معذور ہو تو جس طرح ہو سکے۔ الاقناع میں طواف کے تیرہ شرائط کا ذکر ہوا۔ حضرت مصنف نے طواف جمیع کعبہ کو بطور شرط تو ذکر نہیں کیا البتہ اگلے صفحات پر اسکا بیان کیا کہ حطیم اور شاذرواں کے باہر سے طواف کرنا لازم ہے، اسی طرح مسجد کے اندر سے طواف کرنے کا حضرت نے بطور شرط ذکر نہیں کیا لیکن اگلے صفحہ پر لکھا کہ طواف خارج مسجد ہو تو جائز نہیں ہے۔ اس طرح ان دونوں شرائط کو حضرت نے علیٰحدہ مسئلوں میں شرط ہی کے طرز پر بیان کیا ہے۔ البتہ حجر اسود سے طواف شروع کر کے اسکے سامنے ہونے کو حضرت نے بطور شرط ذکر نہیں کیا۔ الکافی میں بھی طواف جمیع کعبہ اور حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرتے ہوئے اسکے محاذی ہونے کو بطور شرط بیان کیا گیا ہے۔

سنت طواف

طواف کی سنتیں یہ ہیں: حجر اسود کے پاس سے شروع کرنا پھر حجر اسود سے آگے بڑھنا اس طرح سے کہ کل جسم اس کے مقابل سے گزر جائے کشاف القناع میں ہیکہ (فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ) أَيْ: يُحَاذِي الْحَجَرَ أَوْ بَعْضَهُ بِكُلِّ بَدَنِهِ بِأَنْ ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ عَنْ جَانِبِ الرُّكْنِ مِنْ جِهَةِ الْبَابِ بِحَيْثُ خَرَجَ شَيْءٌ مِنْ بَدَنِهِ عَنْ مُحَاذَاةِ الْحَجَرِ (أَوْ بَدَأَ بِالطَّوَافِ مِنْ دُون الرُّكْنِ) الَّذِي بِهِ الْحَجَرُ (كَالْبَابِ وَنَحْوِهِ) كَالْمُلْتَزَمِ (لَمْ يُحْتَسَبْ بِذَلِكَ الشَّوْطُ) لِعَدَمِ مُحَاذَاةِ بَدَنِهِ لِلْحَجَرِ وَيُحْتَسَبُ لَهُ بِالثَّانِي وَمَا بَعْدَهُ وَيَصِيرُ الثَّانِي أَوَّلًا اگر حجر اسود کے مقابل نہ ہوا یا حجر اسود کے کچھ حصے سے اپنا پورا جسم مقابل نہ کیا کہ باب کی جہت سے رکن کی جانب سے طواف شروع کیا اسطرح کہ اس کے جسم کا کچھ حصہ حجر کے سامنے سے ہٹ گیا یا طواف کی ابتدا حجر اسود کے رکن کے علاوہ کسی دوسرے رکن سے کی جیسے باب یا ملتزم سے تو وہ چکّر شمار نہیں ہوگا کیونکہ اس کا جسم حجر کے مقابل نہ ہوا اور دوسرا چکر اور اس کے بعد کا شمار ہوگا اور دوسرا چکر پہلا ہوگا۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کل جسم حجر اسود کے بعض کے مقابل کرنا لازم ہے اسلئے کہ جس کی طرف استقبال لازم ہوتا ہے تو پورے جسم کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔ **حجر اسود کو بوسہ دینا اور اس وقت بسم اللہ واللہ اکبر کہنا، رکن یمانی کو چھونا، حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیانی** رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً **آخر تک پڑھنا اور باقی طواف میں مسنون دعائیں پڑھنا بیت اللہ کے قریب سے طواف کرنا اور اس کے بعد دو رکعت نفل ادا کرنا، اگر حجر اسود کو اژدہام کے سبب بوسہ دینا نہ ہو سکے تو دائیں ہاتھ سے مس کرے اور ہاتھ کو بغیر آواز کے چوم لے** حجر اسود کو ہاتھ لگانا استلام کہلاتا ہے یہ سلام سے نکلا ہے۔ شرح منتہیٰ میں ہیکہ اہل یمن حجر اسود کو مُحیا کہتے ہیں کیونکہ لوگ استلام کے

ذریعہ اس کو تحیت پیش کرتے ہیں اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرے،ہاتھ کو نہ چومے۔رکن یمانی کو بھی چھونا نہ ہوسکے تو وہی اشارہ۔ طواف میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں، ان میں سے یہ ہے

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ حَجًّا مَبْرُورًا وَسَعْيًا مَشْكُورًا وَ ذَنْبًا مَغْفُورًا رَبِّ اغْفِر وَارْحَمْ وَتَجَاوَز عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَم ۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت یوں کہے: اللّٰهُمَّ إِيمَانًا بِكَ وَتَصْدِيقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّد صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم -

طواف میں تلاوتِ قرآن بھی مسنون ہے۔ اگر مسجد کے اندر ہو اور طواف دور سے کرے تو جائز ہے۔ خارج مسجد ہو تو جائز نہیں الاقناع میں لکھاہیکہ طواف مسجد کے اندر رہ کر ادا کرنا شرط ہے یہی بات یہاں لکھی گئی ہے مگر اس کا بیان سنن کے ذیل میں آنے سے قاری کو اشتباہ نہیں ہونا چاہئے۔ طواف کے دوگانے میں پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ سورہ کافرون اور دوسری رکعت میں اخلاص پڑھنا بہتر ہے۔ طواف کا دوگانہ سنت موکدہ ہے۔ اگر طواف کے بعد فرض نماز پڑھے تو اس میں یہ دوگانہ بھی نکل آتا ہے جیسا کہ کسی مسجد میں داخل ہو کر فرض نماز پڑھنے میں تحیت السجد بھی ادا ہو جاتی ہے۔ مقامِ ابراہیم کے پاس ہو تو افضل ہے۔ ورنہ مسجد کے دیگر حصوں میں بھی جائز ہے۔ نیز یہ نماز بغیر سترہ ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ سامنے طواف کرنے والے گزریں۔

مسئلہ (رمل اور اضطباع)

طواف قدوم میں رمل اور اضطباع بھی غیر حامل معذور، مردوں اور غیر محرمِ مکہ کیلئے سنت ہے۔ اضطباع یہ ہے کہ چادر کو سیدھے بغل کے نیچے سے لیکر پلو اس کے بائیں کاندھے پر ڈالدے۔ طواف سے فارغ ہو جائے تو اس

کے حاجت نہیں اور رمل یہ ہے کہ طواف میں نزدیک نزدیک قدم رکھے اور جلد جلد چلے رمل اس خاص چال کو کہتے ہیں کہ جب پہلوان اکھاڑے میں اتر کر سینہ تان کر اکڑتے ہوئے بہادری دکھاتے ہوئے چلتا ہے۔جب حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے کہا کہ تم کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا اس پر آقا علیہ وآلہ الصلاۃ والسلام نے پہلے تین اشواط میں رمل کرنے کا حکم دیا۔اب بھی رمل کرنا سنت ہے کیونکہ زوال علت کے باوجود اس کا حکم باقی ہے۔اول کی تین شوط میں رمل کرنا چاہئے المغنی میں لکھا ہیکہ اضطباع اور رمل طواف قدوم اور طواف عمرہ میں سنت ہیں۔الاقناع میں ہیکہ رمل اور اضطباع طواف قدوم اور حج تمتع کے عمرہ کے علاوہ سنت نہیں ہے اور باقی چار چکر میں اپنے طور پر رمل اس کو سنت ہے جو مکہ میں دور سے آیا ہو جس کو آفاقی کہتے ہیں۔اگر سوار ہو یا کسی معذور کو اُٹھایا ہو یا نزدیک سے آیا ہو تو رمل نہ کرے۔عورت پر نہ رمل ہے نہ اضطباع۔اگر پہلے تین شوط میں رمل نہ کیا ہو تو بعد والے چار چکر میں قضاء کرے المغنی میں ہیکہ اگر رمل پہلی چکر میں چھوڑا تو باقی دو میں ادا کرے اور اگر دونوں میں چھوڑا تو تیسری چکر میں ادا کرے اور اگر تینوں میں چھوڑا تو وہ ساقط ہے۔فَإِنْ تَرَكَ الرَّمَلَ فِي شَوْطٍ مِنْ الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ، أَتَى بِهِ فِي الِاثْنَيْنِ الْبَاقِيَيْنِ. وَإِنْ تَرَكَهُ فِي اثْنَيْنِ أَتَى بِهِ فِي الثَّالِثِ. وَإِنْ تَرَكَهُ فِي الثَّلَاثَةِ سَقَطَ۔رمل صرف پہلے تین شوط میں سنت ہے اگر ان میں ادا نہ کیا تو ساقط ہوں گے اور ان کی قضا باقی چار اشواط میں نہ کرے کیونکہ باقی چار اشواط میں صرف چلنا ہے۔اگر باقی چار اشواط میں رمل کرے گا تو پورے طواف کی ہیئت ترک ہوئی کہ پہلے میں رمل ترک کیا اور باقی میں چلنا ترک کیا۔أَنَّ الرَّمَلَ لَا يُسَنُّ فِي غَيْرِ الْأَشْوَاطِ الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ مِنْ طَوَافِ الْقُدُومِ، أَوْ طَوَافِ الْعُمْرَةِ، فَإِنْ تَرَكَ الرَّمَلَ فِيهَا لَمْ يَقْضِهِ فِي الْأَرْبَعَةِ الْبَاقِيَةِ؛ لِأَنَّهَا هَيْئَةٌ فَاتَ مَوْضِعُهَا، فَسَقَطَتْ، كَالْجَهْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَتَيْنِ، وَلِأَنَّ الْمَشْيَ هَيْئَةٌ فِي الْأَرْبَعَةِ، كَمَا أَنَّ الرَّمَلَ هَيْئَةٌ فِي الثَّلَاثَةِ، فَإِذَا رَمَلَ فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَخِيرَةِ، كَانَ تَارِكًا لِلْهَيْئَةِ فِي جَمِيعِ طَوَافِهِ، كَتَارِكِ الْجَهْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَتَيْنِ مِنْ الْعِشَاءِ، إذَا جَهَرَ فِي

الْآخِرَتَیْنِ. اگر اژدہام ہو تو بغیر کسی کو تکلیف دئے طواف کرنا چاہیئے اور جب کوئی کھلی جگہ ملے تب اسمیں رمل پہلے تین چکروں میں کرنا چاہیئے۔اسی طرح شرح منتہیٰ میں بھی ہے۔کعبہ کے نزدیک ہو کر اژدہام میں طواف کرنے سے دور سے رمل اولیٰ ہے کیونکہ نفس عبادت سے متعلق فضیلت کی حفاظت اس مکان سے متعلق برکات کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔ طواف کو اس وقت تک مؤخر کرنا بہتر ہے کہ جب تک کہ اژدہام ختم ہو جائے پھر رمل اور کعبہ سے نزدیک ہو کر طواف کرنا دونوں ممکن ہو بجائے اس کے کہ رمل یا کعبہ سے نزدیک ہو کر طواف کرنے میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے۔

مسئلہ (کوئی شرطِ صحت کا ترک ہونا):

اگر کسی نے کوئی شرط طواف کی ترک کی یا چکر میں سے کچھ ذرا سا چھوڑ دیا تو جائز نہیں کیونکہ مکمل سات شوط ادا کرنا شرط صحت طواف ہے۔ طواف حطیم اور شاذ رواں کے باہر سے لازم ہے اسلئے کہ طوافِ جمیع کعبہ لازم ہے، حطیم اور شاذرواں کعبہ کے حصے ہیں۔ حطیم وہ چھوٹی دیوار ہے جو کعبہ کی ایک جانب رکن شامی اور عراقی کے درمیان نصف دائرہ کی طرح بنائی گئی ہے۔ حضرت کے وقت میں اعلانِ نبوت سے پہلے جب کافروں نے کعبہ کی تعمیر کی اور خرچ کم پڑ گیا تو اس زمین کو باہر کر دیا۔اس زمین کو حجر کہتے ہیں۔کعبہ کا پرنالا اسی زمین پر گرتا ہے۔ کعبہ کی مستطیل عمارت ہے۔اس کے چار کونوں میں سے ایک میں حجر اسود نصب ہے۔ حجر اسود سے طواف میں آتے ہوئے جو رکن ملتا ہے وہ شامی ہے۔اس کے بعد کا عراقی، پھر اس کے بعد کا یمانی شاذروان وہ بنا ہے جو زمین سے کچھ اونچی یا دیوار کعبہ سے متصل پشت دیوار کی مانند ہے۔یہ دو تہائی ذراع کے بقدر بیت اللہ کی دیوار سے

باہر نکلی ہوئی بنیاد ہے۔حنابلہ کے نزدیک یہ کعبہ کا حصہ ہے لہٰذا اس پر چلتے ہوئے طواف کرنے سے طواف ادا نہیں ہوتا ہے۔

شرائط سعی :

سعی کی آٹھ شرطیں ہیں: (۱) نیت،(۲) اسلام،(۳) عقل،(۴) سات اشواط پیاپے ادا کرنا،(۵) قدرت والے کو پاؤں سے چلنا اور (٦) وقت مقررہ میں ادا کرنا۔ سعی کے وقت کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ساتویں شرط یہ ہیکہ سات چکر مکمل کرے۔آٹھویں شرط یہ ہیکہ صفا اور مروہ کے درمیان پورا فاصلہ طئے کرے ۔اگر سات شوط سے کم کرے یا کوئی جگہ صفا مروہ کے درمیان سے چھوڑ دے تو صحیح نہیں ہے الکافی میں اسی طرح ہے۔اگر صفا و مروہ کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ بھی چھوڑے گا تو سعی ادا نہ ہوگی۔غالباً متن میں یہاں " صحیح" کے بعد نہیں چھوٹ گیا۔ظاہر ہیکہ یہ کتابت کی غلطی ہے جیسا کی سیاق کلام سے معلوم ہو رہا ہے اگر صفا پر نہ چڑھے تو اس کے انتہا پر اپنی ایڑی لگا دے اور مروہ کی انتہا پر اپنے پاؤں کی انگلیاں (لگائے) تا کہ صفا مروہ کے درمیان کا کوئی فاصلہ ایسا نہ چھوٹے جو طئے نہ ہوا ہو ۔صفا سے مروے کو جانا ایک شوط ہے۔پھر مروے سے صفا کو آنا دوسرا شوط۔ابتداء صفا سے ہوگی اور ختم مروہ پر۔اگر مروہ سے ابتداء کرے تو وہ چکر شمار میں نہیں۔سعی کا وقت حج میں بعد طواف فرض کے ہے۔اگر وقوف کے بعد پہلے سعی کرے اور بعد طواف تو درست نہیں، ہاں حج کی سعی قارن اور مفرد وقوف سے پہلے کرے تو جائز ہے مگر طواف قدوم کے بعد ہو تو درست ہے۔پہلے نہیں سعی طواف کی طرح مفرد عبادت نہیں ہے بلکہ سعی اسی وقت درست ہوگی جب طواف کے بعد ادا کی جائے۔عمرہ کی سعی تو بعد طواف ہی لازم ہے اگر محرم نے

طواف بے وضو کیا پھر سعی کی تو طواف اور سعی دونوں ادانہ ہوں گے اسلئے کہ طواف کیلئے دونوں حدث سے پاکی شرط ہے اور سعی کا طواف کے بعد ہونا بھی شرط ہے ۔

سنت سعی :

سعی میں (۱) طہارت اور (۲) ستر عورت اور (۳) طواف کے ساتھ ہی ادا کرنا سنت ہے طواف کے فوری بعد سعی کرنا شرط نہیں ہے لہٰذا ان دونوں کے درمیان وقفہ آنے سے نفس عبادت میں نقصان نہیں ہو گا مگر سنت ترک ہو گی (۴) اور صفا پر چڑھنا اس قدر کہ وہاں سے کعبہ نظر آئے مگر اس زمانے میں عمارتیں حائل ہونے سے کعبہ کو دیکھنا مشکل ہے۔ (۵) کعبہ کو دیکھ کر تین بار اللہ اکبر کہنا چاہئے (۶) اور جو ذکر اور دعا اس جائے کے لئے خاص ہے وہ پڑھنا مستحب ہے ان میں سے یہ ہے **الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى مَا هَدَانَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَ نَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ** صفا سے جب چلے اور علم اول تک پہنچے تو وہاں سے دوسرے علم تک دوڑنا سنت ہے اس کو علمیں کہتے ہیں وہاں سبز میل اس کے علامت بنی ہوئی ہے آج کے دور میں علمین کی جگہ دو سبز ٹیوب لائٹ لگی ہوئی ہیں پھر مروہ سے پلٹے تو ویسا ہی کرے۔ غرض کہ ہر شوط میں علمین کے درمیان دوڑنا اور باقی مسافت اپنے حال پر چلنا چاہئے۔

مسئلہ (عورت کی سعی میں ہیئت) :

عورت کو صفا یا مروہ کے اوپر چڑھنا اور علمین میں دوڑنا نہیں چاہئے۔

آداب دخول مکہ:

مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے چاہے داخل ہونے والی حیض ونفاس والی عورت ہی ہو مکہ میں جانب اعلا سے داخل ہوا یعنی ثنیۃ کَدَاء سے داخل ہونا چاہئے۔" ثنیۃ کَدَاء" وہ پہاڑی راستہ ہے جو مکہ مکرمہ کے شمالی جانب واقع ہے۔اور مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے جس کو اب باب السلام کہتے ہیں صحیح مسلم میں ہیکہ حضور صل اللہ علیہ وآلہ وسلم باب بنی شیبہ سے مسجدِ حرام میں داخل ہوئے تھے اور داخل ہوتے وقت یوں کہے بِسْمِ اللهِ وَبِاللَّهِ وَمِنَ اللَّهِ وَإِلَى اللهِ اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو دونوں ہاتھ اُٹھائے اور مسنون دعائیں پڑھے ان میں سے یہ ہے اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامُ اللَّهُمَّ زِدْ هَذَا الْبَيْتَ تَعْظِيمًا وَتَشْرِيفًا وَتَكْرِيمًا وَمَهَايَةً وَبِرًّا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ كَمَا هُوَ أَهْلُهُ وَكَمَا يَنْبَغِي لِكَرَمِ وَجْهِهِ وَعِزَّ جَلَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَلَغَنِي بَيْتَهُ وَرَاٰنِي لِذَلِكَ أَهْلًا الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالِ اللَّهُمَّ أَنْتَ دَعَوْتَ إِلَى حَجِّ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَ قَدْ جِئْتُكَ لِذَالِكَ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي وَاعْفُ عَنِّي وَاصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلُّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ بلند آواز سے ذکر اور دعا بہتر ہے کیونکہ یہ مشروع ذکر ہے لہٰذا اس میں بلند آواز مستحب ہے جیسا کہ تلبیہ میں۔ پھر جس کیلئے رمل اور اضطباع مشروع ہے وہ اس کے ساتھ طواف بجالائے۔ اگر عمرہ کی نیت کی ہے تو طواف عمرہ کی نیت چاہئے اور قارن اور مفرد ہو تو طواف تحیت کی۔ مسجد کی تحیت دوگانہ نماز ہے اور مسجد حرام کی تحیت طواف۔اس کو طواف قدوم بھی کہتے ہیں یعنے آنے کا طواف۔ طواف عمرہ میں تحیت بھی ادا ہو جاتی ہے۔ طواف سے فارغ ہو کر مسجد ابراہیم کے پیچھے دوگانہ ادا کرے اسطرح کہ مقام ابراہیم اسکے اور کعبہ کے درمیان ہو۔ اگر مقام ابراہیم کے پیچھے یہ دوگانہ نہ بھی ادا کرے تو مسجد میں کسی

دوسری جگہ ادا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔اس دوگانہ کی پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ الاخلاص پڑھے جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔ یہ دوگانہ بھی مسجد حرام کی تحیت ہے فرق اتناہیکہ طواف مجمل تحیت ہے اور دوگانہ مفصل تحیت ہے۔اگر طواف کے بعد فرض نماز ادا کرے گا تو یہ دوگانہ ادا کرنے کی حاجت نہ ہوگی جس طرح مسجد میں داخل ہوتے ہی فرض نماز ادا کرنے سے تحیت المسجد بھی ادا ہو جاتی ہے۔ **عمرہ کی نیت والا دوگانہ پڑھ کر پھر حجر اسود کو چومے** کہ یہ مسنون ہے جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے **اور باب الصفا سے سعی کرنے کو نکلے۔ معتمر کو طواف کے ساتھ ہی سعی کرنا سنت ہے** یعنی طواف اور سعی کے درمیان لمبا عرصہ نہ ہو۔ **اگر تمتع کیا ہو اور ہدی ساتھ نہ ہو تو بعد سعی ادا کرنے کے بال اپنے کترلے** یعنی تقصیر کرے۔ **اور احرام سے باہر ہو جائے** یہاں تحلل میں تاخیر کرنا سنت نہیں ہے کیونکہ **عمرہ پورا ہو گیا مگر اس کو سر نہ منڈھانا مستحب ہے۔ حج کے بعد سب بال پورے نکالے۔**اگر **متمتع کے ساتھ ہدی ہو تو اس کا احرام حج تک کھل نہیں سکتا بال کترنا تو منع ہے جب حج کرے گا تو دونوں احرام کھل جائیں گے۔ اگر تمتع نہ ہو فقط عمرہ ادا کرنا مقصود ہو تو ہدی ساتھ ہو یا نہ ہو حج کے مہینے ہوں یا دوسرے، ہر حال میں وہ احرام سے باہر ہو جاتا ہے۔ متمتع اور معتمر طواف شروع کرنے کے وقت سے تلبیہ موقوف کر دے** کیونکہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسی طرح کیا۔ **طواف قدوم میں تلبیہ کہنا مضائقہ نہیں** شرح منتھیٰ میں ہیکہ طواف قدوم میں تلبیہ آہستہ کہنا چاہیئے۔ابن قدامہ نے کہا کہ بلند آواز سے کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے طواف کرنے والے دوسرے افراد کے اذکار میں خلل ہو سکتا ہے۔اسی طرح سعی میں ذکر آہستہ کرنا چاہیئے۔ **قارن اور مفرد اگر حج کی سعی پہلے ہی کرنا چاہیں تو طواف قدوم کے بعد کرلیں۔ قارن کو دو بار طواف**

اور دوبار سعی ضروری نہیں۔حج کے طواف اور سعی میں عمرہ کا طواف اور سعی داخل ہے اگر طوافِ قدوم کے بعد سعی نہیں کی یاوہ متمتع ہو تو طواف زیارت کے بعد سعی کرے تاکہ حج کارکن اداہوا۔

صفت ادائی حج:

جو لوگ مکہ میں یا اس کے قریب رہتے ہوں اور متمتع احرام سے باہر ہو گیا ہوں ان لوگوں کو سنت ہے کہ آٹھویں کو ذی الحجہ کے زوال سے پہلے مکہ سے احرام باندھ لیں مفرد اور قارن مذکورہ بالا اعمال ادا کر کے حالتِ احرام میں رہتے ہیں۔ میزاب کے نیچے حج کے احرام کی نیت کرنا افضل ہے احرام باندھتے وقت وہ سارے اعمال ادا کرے جو احرام کے باب میں ذکر ہوئے مثلاً غسل کرنا، صفائی کرنا وغیرہ۔ مکہ کے سوااور کسی جائے حرم سے ہو تو بھی درست ہے بلکہ خارج حرم سے یعنی حل سے بھی جائز ہے اور دم لازم نہیں کیونکہ ایسا صحیح مسلم کی روایت میں ہے جو سیدنا جابر سے مروی ہے ۔ جس متمتع کے پاس ہدی نہ ہو اور وہ روزہ رکھنا چاہے تو ذی الحجہ کی ساتویں سے روزہ کی نیت کرلے تاکہ تینوں روزے احرام کے حال میں اداہوں۔ پھر آٹھویں کو احرام باندھ کر منیٰ کو قبل زوال چلے یہ مندوب ہے۔ المغنی میں ہیکہ اگر یومِ ترویہ جمعہ کے دن آئے اور زوال ہو جائے تو جس پر جمعہ واجب ہو وہ مکہ سے جمعہ ادا کر کے ہی نکلے کیونکہ جمعہ فرض ہے اور منیٰ میں اسوقت جانا فرض نہیں ہے۔ اگر زوال نہ ہو اور وہ مکہ میں ہو تو چاہے تو جمعہ ادا کر کے جائے یا پہلے جائے۔ اور نماز ظہر امام کے ساتھ پڑھے اور رات کو وہیں رہے کہ پانچ نمازیں اداہوں۔ آٹھویں ذی الحجہ کو یومِ ترویہ کہتے ہیں۔ ترویہ کا مطلب سونچنا یا پانی پلانا ہوتا ہے۔۸ ذی الحجہ کو حاجی منیٰ میں جمع ہو کر عرفات جانے کیلئے پانی کا ذخیرہ کرتے تھے اسلئے اس کو یوم ترویہ کہا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہیکہ سیدنا ابراہیم علیہ

السلام نے ۸ ذی الحجہ کو خواب میں دیکھا تھا کہ وہ اپنے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دے رہے ہیں وہ سوچتے رہے یعنی ترویہ کرتے رہے کہ آیا یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں۔ اسلئے اس دن کو یومِ ترویہ کہا جاتا ہے جب آفتاب نکلے تو عرفات کو روانہ ہو اور وہاں نمرہ کے پاس زوال تک ٹھہرا رہے نمرہ عرفات میں ایک مقام ہے جہاں مسجد نمرہ ہے اس کا غربی حصہ عرفہ میں داخل نہیں ہے۔ میدان عرفات میں سوائے بطن عُرَنہ ہر جگہ وقوف جائز ہے عرفہ وادیٔ عرنہ سے اس پہاڑ تک ہے جو ابن عامر کے باغوں سے متصل ہے۔ عرفہ کی زمین کے ارد گرد کچھ علامات ہیں جن سے عرفہ کے حدود معلوم ہوتے ہیں۔ حاجی کو ان حدود کا جاننا ضروری ہے تاکہ اس کا وقوف عرفہ کے باہر نہ ہو۔ مسجد نمرہ میں بھی ایسی علامات ہیں جن سے حاجی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسا حصہ عرفہ کی حد میں ہے۔ وہاں امام یا اس کا نائب مختصر خطبہ پڑھے جس کی ابتداء تکبیر سے ہو اور اس میں وقوف عرفات اور اس کا وقت اور وہاں سے مزدلفے کو روانہ ہونے کے امور مذکور ہوں۔ وہاں ظہر کے ساتھ بطور جمع اس کی شرطوں سے عصر بھی پڑھ لے، اگر مسافر ہو یا معذور جس کو جمع کرنا جائز ہے۔ پھر سوار ہو کر عرفات کے پہاڑ کے پاس قبلہ رو ٹھہرا رہے جس پہاڑ کو جبل الرحمۃ یا جبل الدعاء بھی کہتے ہیں۔ اس کے اوپر چڑھنا سنت نہیں اس کو جبل اِلال بھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کے نچلے حصے میں ٹوٹی ہوئی چٹانیں ہیں جہاں نبیٔ اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقوف فرمایا تھا۔ یہاں استقبال کعبہ کے ساتھ ذکر اور استغفار میں مشغول رہے اور خالص دل سے دعا کرے۔ عجز و نیاز سے گناہوں کی معافی چاہے۔ یہ جگہ اور وقت بہت مبارک ہے۔ یہاں گناہ بخشے جاتے ہیں۔ یہاں مطلب بر آتے ہیں، دعا قبول ہوتی ہے اور مراد کا حصول ہوتا ہے۔ اس دن یہ ذکر بھی مسنون ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَه لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِير .

اللَّهُمَّ اجْعَلُ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَيَسِّرْ لِي أَمْرِی۔ پھر غروب کے بعد یہاں سے امام کے ہمراہ مازمین کے راستے سے اطمینان اور سکون سے مز دلفے کو چلے امام سے پہلے مز دلفہ جانا مکروہ ہے۔ راستہ میں اطمینان سے جانا رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منقول ہے۔ راستہ میں استغفار کرتے ہوئے جانا چاہئے ۔ جہاں کشادہ جائے نظر آئے تو پاؤں اٹھائے یعنی تیز چلے نہیں تو آہستہ کیونکہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کشادہ جائے پر اپنی سواری کو تیز کیا تھا۔

مسئلہ (مز دلفے) کے اعمال:

مز دلفہ الزلف سے ہے اسکا معنیٰ تقرب ہے۔ کہا جاتا ہے: ازدلف الی اللہ برکعین اس نے دو رکعت پڑھ کے اللہ کا قرب حاصل کیا۔ اس جگہ کو مز دلفہ اسلئے کہتے ہیں کہ جب حاجی عرفات سے نکلتا ہے تو اس سے قریب ہوتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہیکہ لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں اسلئے اس کو مز دلفہ کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: ازلفت الشیء یعنی میں نے ایک چیز جمع کی۔ مز دلفہ عرفات کے دونوں پہاڑی راستوں یعنی مازمین اور وادئ محسر کے درمیان ایک جگہ ہے۔ وادی محسر مز دلفہ اور منیٰ کے درمیان ایک وادی ہے۔ جب مز دلفے کو پہنچے اپنا سامان اتارنے سے پہلے مغرب اور عشاء بطور جمع تاخیر اس کی شرطوں سے ادا کرے یعنی اگر اس کیلئے جمع جائز ہو۔ یہاں اور عرفات میں جمع کرنا بھی افضل ہے۔ لیکن جمع کرنا جائز نہ ہو تو ہر نماز اپنے وقت پر ادا کرے جس کی امام کیساتھ عرفات اور مز دلفہ میں نماز فوت ہو جائے تو وہ تنہا جمع کرلے۔ اس کا جواز سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے ملتا ہے۔ آدھی رات کے بعد مز دلفے میں کچھ دیر رہنا واجب ہے۔ اگر آدھی رات سے پہلے وہاں سے چلے آئے تو دم لازم ہے۔ پانی پلانے والے اور جانور چرانے والے آدھی رات سے پہلے بھی چلے آئیں تو ان پر دم لازم نہیں کیونکہ نبئ اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو

رخصت دی ہے۔ اور بعد آدھی رات کے نکلے تو جائز ہے ۔ اگر طلوع فجر کے بعد مزدلفے کو پہنچے تو بھی دم لازم ہے۔ فجر سے پہلے پہنچے تو نہیں۔ ایسا ہی اگر مزدلفے سے آدمی رات کے پہلے نکل جائے پھر فجر سے آگے پاٹ آئے تو دم لازم نہیں اب یہ اس شخص کی طرح ہے جو مزدلفہ کو نصف شب کے بعد پہنچا اور نصف شب سے پہلے کا حصہ اس نے مزدلفہ میں نہیں پایا تو اب یہ حکم اس سے متعلق نہیں ہے مگر وہاں صبح تک رہنا سنت ہے ۔ جب صبح ہو جائے تو اندھیرے سے اول وقت نماز پڑھ کر مشعر حرام پر چڑھے یا اس کے پاس ٹھہرے اول وقت میں نماز اس لئے پڑھے کہ مشعر حرام کے پاس وقوف کر سکے۔

مسئلہ (مشعر حرام):

مزدلفے میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے اس کو مشعر حرام کہتے ہیں اور وہ علامت حج ہے اسلئے اس کو مشعر حرام کہتے ہیں ۔اس کا ایک نام قُزَح بھی ہے۔

مسئلہ (اعمال مشعر حرام) :

وہاں تحمید و تکبیر و تہلیل میں مصروف رہے اور یہ دعا پڑھے اللَّهُمَّ كَمَا وَقَفْتنَا فِيهِ وَأَرَيْتَنَا إِيَّاهُ فَوَفِّقْنَا لِذِكْرِكَ كَمَا هَدَيْتَنَا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا كَمَا وَعَدْتَنَا بِقَوْلِكَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ اور یہ آیت پڑھے: فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُ واللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ اجالا ہونے تک اس کی تکرار کرے۔ متن میں مذکور اس آیت میں وَاِنْ چھوٹ گیا ہے جو کتابت کی غلطی ہے۔

طلوع آفتاب سے پہلے جب خوب اجالا ہو جائے تو وہاں سے منیٰ کو اطمینان سے روانہ ہونا چاہئے ۔ منیٰ اور مزدلفہ کے بیچ میں مُحسّرِ ایک وادی ہے وہاں جب پہنچے تو پتھر گرنے کی مسافت تک دوڑے اور سوار ہو تو جانور کو جلد جلد چلائے۔ پھر عادت کے موافق چلے۔ وادی محسر سے جمرہ عقبہ تک منیٰ کی حد ہے۔

مسئلہ (رمی کیلئے کنکروں کا چننا):

جمروں کو مارنے کے کنکر کہیں سے بھی چن لے تو ہو سکتا ہے مگر منیٰ اور سارے حرم میں کہیں سے بھی لینا مکروہ ہے کیونکہ حرم کی کوئی چیز حتیٰ کہ مٹی، کنکر وغیرہ لینا مکروہ ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا۔ کشاف القناع میں ہیکہ ویکرہ اخذ الحصا من مني و سائر الحرم هذا معني كلامه في الانصاف والتنقيح والمنتهي بعد ان قدمه في الانصاف مگر بعض صحابہ مثلاً سیدنا ابن عمر اور سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما مزدلفے سے اُٹھا لیتے تھے تو اس لئے یہی افضل ہے تاکہ منیٰ آنے کے بعد رمی سے پہلے کسی چیز کی مشغولیت نہ ہو۔ رمی منیٰ کی تحیت ہے تو رمی سے پہلے کوئی اور کام نہ ہو۔

ستر کنکر جو چنے اور ریٹھے کے درمیان ہو چن لے۔ پہلے دن کے لئے (۷) سات اور بعد کے تین دن کیلئے ہر دن کے اکیس (۲۱) بہت چھوٹے یا بڑے ہوں تو ناجائز ہے یعنی وہ اتنے بڑے بھی نہ ہوں کہ ان کو پتھر کہا جائے اور بہت چھوٹے بھی نہ ہوں۔ کنکر کے سوا موتی یا جواہر یا کوئی معدنی چیز مثلاً سونا، چاندی، لوہا وغیرہ رمی کیلئے استعمال کی جائے تو جائز نہیں۔ ایک بار مار چکے تو پھر وہ کنکر دوبارہ کام میں نہ لائے کیونکہ وہ عبادت میں مستعمل ہو گیا ہے

جس طرح وضو کا پانی نجس کنکر سے رمی کرنا مکروہ ہے اگر اس کو دھولے تو کراہت دور ہو جائے گی ورنہ کنکروں کو دھونا سنت نہیں۔

مسئلہ (رمیٔ جمار کیسے کی جائے):

رمی لغت میں پھینکنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔جمار جمرہ کی جمع ہے یہ چھوٹے پتھر یعنی کنکر کو کہا جاتا ہے۔رمیٔ جمار حج کا واجب ہے۔ایام رمی چار ہیں یعنی ذی الحجہ کی دس سے تیرہویں تک رمی کی جاتی ہے۔اس باب میں رمی کا عمومی طریقہ خاص طور پر یوم نحر یعنی دس ذی الحجہ کی رمی کا طریقہ بیان ہو گا۔جب **منیٰ میں پہنچے** محسر وادی اور جمرہ عقبہ کے درمیان منیٰ ہے منیٰ کی شروعات جمرہ عقبیٰ سے ہوتی ہے **تو جمرہ عقبہ کو سات کنکر ایک کے بعد ایک مارے اور ہر مارنے کے ساتھ اللہ اکبر کہے اور مارنے کے وقت ہاتھ اچھی طرح بلند کرے۔ کنکر اس پر رکھ دینا کافی نہیں۔ اگر کنکر رمی کی جگہ سے باہر گرے پھر ڈھل کر اپنے محل پر آجائے تو بس ہے** رمی میں کنکر کا محل تک پہنچنے کا علم ہونا شرط ہے اگر ظن ہو تو یہ کافی نہیں ہے یعنی رمی کی ادائیگی باقی ہے۔علم،یقین کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ۔ **ہر کنکر کے ساتھ یوں کہے اللهُمَّ اجْعَلْ حَجًّا مَبْرُورًا وَسَعِيًّا مَشْكُورًا وَذَنْبًا مغْفُورًا رمی کے بعد جمرہ عقبہ کے پاس ٹھہرنا سنت نہیں** کیونکہ مرفوع احادیث سے اسی طرح ثابت ہے۔**ہاں بطن وادی میں کھڑے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کرکے اپنے سیدھے طرف کنکر مارنا چاہئے۔ بطن وادی وہ پست زمین ہے جہاں سے پانی کا بہاؤ ہے** چونکہ **رمی منی کی تحیت ہے** تو وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے یہ بجالائے۔**رمی کے آگے ہی تلبیہ موقوف کر دے** یہ بھی احادیث سے ثابت ہے جو متفق علیہ ہیں۔ **رمی طلوع آفتاب کے بعد سنت ہے۔ اگر آدھی رات کے بعد بھی ہو تو مضائقہ**

نہیں المغنی میں ہیکہ رمئ جمرہ عقبہ کے دو اوقات ہیں۔پہلا:وقتِ فضیلت جو بعد طلوع آفتاب ہے۔دوسرا: وقت الجواز جس کی ابتداء نصف شبِ نحر سے ہوتی ہے۔اگر رمی کو یوم نحر کے آخر وقت تک مؤخر کیاتو بھی یہ جائزہے۔اگر آفتاب غروب ہو جائے تو رمی نہ کرے۔ پھر ہدی ساتھ ہو تو ذبح کرے واجب ہو یا نفل اگر ہدی ساتھ نہ رکھتا ہو اور اس پر ذبح واجب ہو تو خرید کر کے ذبح کرے اور واجب نہ ہو تو بھی ذبح کرنا سنت ہے۔ سر منڈھانا یا بال کترنا بھی واجب ہے حلق کے وقت محلوق قبلہ رو بیٹھے اور اپنے سیدھی جانب سے شروع کرے کیونکہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر کام سیدھے جانب سے شروع کرتے تھے یامنڈھانے کے بدلے بال کترے حلق کے وقت تکبیر کہے کیونکہ یہ نسک ہے۔ عورت کو ہر لٹ میں سے ایک انگل یا کم بال کترنالازم ہے۔ ایسا ہی غلام تقصیر کرے اور غلام بے اجازت میاں کے حلق نہ کرے کیونکہ غلام کے سر کے بال مونڈنے سے اس کی قیمت میں کمی آتی ہے لہٰذا اس میں آقا کی اجازت لازم ہے۔ سر منڈھانے کے ساتھ موچھیں اور بغل اور زیر ناف کے بال اور ناخن بھی دور کرنا سنت ہے۔جب رمی اور حلق دونوں ہو جائیں تو اس کو عورتوں کے سوا سب چیزیں حلال ہو گئیں۔ عورتوں سے جماع اور مباشرت اور عقد نکاح درست نہیں۔ حلق کو ایام تشریق سے کرے تو مضائقہ نہیں بالکل ترک کر دے تو دم لازم ہے کیونکہ یہ واجب ہے۔

مسئلہ (پہلے رمی پھر ذبح پھر حلق):

اگر رمی اور ذبح سے پہلے حلق کیا یا رمی سے پہلے ذبح یا طواف تو کچھ ضرر نہیں چاہے بھولے سے یا لاعلمی سے یا جانتے ہوئے کرے ۔ حاصل یہ ہے کہ ان چار چیزوں میں تقدیم و تاخیر ہو تو معاف ہے لیکن جانتے ہوئے ایسا کرنا

مکروہ ہے حلق ورمی وطواف ان تین میں دو ادا ہو جائیں تو تحلل اول حاصل ہے جو ایک امر باقی ہے۔اس کو اور سعی فرض کو ادا کرے چاہے متمتع ہو یا قارن ہو یا مفرد تو پورا احرام کھل گیا اور عورتیں بھی حلال ہو گئیں۔ نحر کے دن منٰی میں امام خطبہ پڑھے جس کی ابتدا تکبیر سے ہو اور اس میں رمی اور ذبح کے احکام بیان کرے کیونکہ اس دن حج کے افعال زیادہ ہوتے ہیں۔وقوفِ مشعرِ حرام، پھر منیٰ آنا، پھر رمی، پھر ذبح و حلق اور طواف افاضت پھر منیٰ جانا تاکہ رات وہاں گزرے اسلئے اس دن کو یون حج اکبر بھی کہا گیا۔

مسئلہ (طواف زیارت):

پھر نحر کے دن منٰی سے مکہ کو آئے۔ قارن اور مفرد فرض کی نیت سے طواف ادا کرے۔اس کو طواف زیارت اور طواف افاضت بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ منیٰ سے مکہ افاضت کرتے وقت (یعنی آتے وقت) ادا کیا جاتا ہے ۔ یہ طواف حج کا رکن ہے۔ جس کے بغیر حج صحیح نہیں۔ اگر مفرد اور قارن پہلے مکہ میں نہ آئے ہوں سیدھے عرفات کو چلے گئے ہوں تو ان کو طواف قدوم کی حاجت نہیں۔ جس طرح اقامت فرض کے وقت مسجد میں داخل ہونے والے کو فرض ہی پڑھنا بس کرتا ہے۔ تحیت مسجد بھی اس میں ادا ہو جاتی ہے۔ بعضوں نے کہا اس وقت میں ان کو یعنی مفرد اور قارن کو طواف قدوم رمل اور اضطباع کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ پھر طواف زیارت ادا کرنا چاہیئے تمتع والے کا بھی یہی حکم ہے اور وہی اختلاف الاقناع اور منتھیٰ الارادات میں ہیکہ مفرد اور قارن رمل اور اضطباع کیساتھ طواف قدوم اسوقت کریں گے جبکہ وہ وقوف عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ پھر وہ طواف زیارت کریں گے۔ متمتع طواف قدوم بغیر رمل و اضطباع کے ادا کرے گا اور پھر طواف زیارت کرے گا۔ یہ اصح قول ہے جبکہ ابن قدامہ نے کہا کہ صرف طواف زیارت کرنا کافی ہے شرح منتھیٰ: ثم یفیض الی مکۃ فیطوف مفرد

و قارن لم یدخلاھا ای مکة قبل وقوفھا بعرفة طوافا للقدوم نصا برمل واضطباع ثم لزیارة و یطوف متمتع للقدوم بلا رمل ولا اضطباع ثم یطوف للزیارۃ۔ **طواف زیارت کے وقت کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: وقتِ فضیلت** ہے یہ وقت نحر کے دن رمی، نحر اور حلق کے بعد ہے۔ اگر رات تک تاخیر کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسری قسم وقت جواز ہے جس کے بارے میں حضرت مصنف نے یوں فرمایا: **اس طواف کا اول وقت نحر کی آدھی رات کے بعد سے شروع ہے اور آخر کی حد نہیں۔ اگر ایام تشریق سے دیر کرے تو جائز ہے مگر نحر کے دن سنت ہے۔ پھر صفا و مروہ میں سعی کرے۔ قارن ہو یا مفرد یا تمتع کوئی ہو متمتع نے پہلے جو سعی کی ہے وہ عمرے کی تھی** وہ سعی حج کی ادائیگی کیلیئے کافی نہیں ہے کیونکہ عمرہ الگ نسک ہے یہ سعی حج کی ہے۔ **قارن اور مفرد اگر پہلے نہ کئے ہوں تو اب ضرور ہے۔ اگر پہلے کر چکے ہوں** یعنی اگر طواف قدوم کے بعد سعی کرلی تھی تو اب سعی نہ کریں **کیونکہ سعی مکرر کرنا مشروع نہیں جیسا رمی جمار اور دوسرے احکام جو خاص نسک میں کئے جاتے ہیں کیونکہ وہ عبادت مطلق نہیں** یعنی سعی صرف طواف کیساتھ ہی کی جائے اور صرف سعی نہ کی جائے جیسا کہ صرف رمی نہیں کی جاتی ہے۔ الاقناع میں ہیکہ اگر سعی طواف سے پہلے کرلی چاہے جانتے ہوئے یا بھولکر یالاعلمی سے تو اسکو طواف کے بعد پھر کرےفان فعله قبل الطواف عالما او ناسیا او جاھلا اعادہ۔ **ہاں طواف نماز کی طرح البتہ عبادت مطلق ہے** یعنی صرف طواف کسی بھی وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔ **جب رمی اور حلق اور طواف و سعی سب ادا ہو گئے تو احرام پورا کھل گیا اب سب چیزیں حلال ہیں** حتیٰ کہ عورتیں بھی حلال ہو گئیں۔ تحلل کے بعد خوشبو لگانا مستحب ہے۔ اب زم زم خوب پینا چاہیئے حتیٰ کہ وہ سیر اب ہو جائے۔ منتھیٰ الارادات میں ہیکہ زم زم اپنے کپڑوں اور بدن پر چھنک لے اور زم زم پیتے وقت یوں کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَرِيًّا وَشِبَعًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ وَاغْسِلْ بِهِ قَلْبِي وَامْلَأْهُ مِنْ خَشْيَتِكَ۔

مسئلہ (منیٰ میں قیام):

پھر مکہ سے منی کو جائے اگر طواف، سعی سے جلد فارغ ہو جائے منیٰ میں ظہر ادا کرے کہ رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایسا کیا تھا۔ یہ بھی مستحب ہیکہ منی کی مسجد یعنی مسجد خیف میں امام کیساتھ ادا کرے اور وہاں تین راتیں رہے۔ تیرہویں تاریخ کو وہاں سے پلٹے اور اگر جلدی مقصود ہے کہ مکہ مکرمہ میں رہنا چاہے تو بارہویں کو چلے آئے اس میں کچھ گناہ نہیں لیکن مقیم امام کو 13 تک رکنے والوں کی خاطر جلدی نہیں کرنی چاہئے مگر غروب سے پہلے وہاں سے نکلے۔ اگر بارہویں کا آفتاب غروب ہو جائے تو تیرہویں شب کا رہنا بھی لازم ہو گا۔ نحر کے دن تو فقط جمرہ عقبہ کنکر مارنے تھے اس کے دوسرے یعنے گیارہویں کو تینوں جمروں کو رمی کرے۔ ابتداء جمرہ اولیٰ سے کرے جو مسجد خیف کے قریب ہے اور جمرہ کو اپنے بائیں طرف رکھے۔ بعد رمی کے روبقبلہ ہاتھ اُٹھائے ہوئے دیر تک دعا کرے۔ پھر جمرہ وسطیٰ کو اور وہاں بھی اسی طرح دعا کرے۔ پھر جمرہ عقبہ کو۔ دونوں کو اپنے سیدھے طرف رکھے اور یہاں دعا کے لئے نہ ٹھہرے کیونکہ یہ جگہ تنگ ہے۔ اسی ترتیب اور کیفیت سے دوسرے دن بھی تینوں کو رمی کرے اور جو تیرہویں کو رہے تو اس دن بھی اسی طرح جمرات کو ترتیب وار مارنا شرط ہے کہ حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسی ترتیب سے رمی کی تھی۔ اگر ترتیب الٹی کرے گا تو رمی ادا نہ ہو گی۔ اور نحر کے سوا ان تین دنوں میں زوال کے بعد رمی کیا کرے۔ زوال سے پہلے اور رات کو جائز نہیں یعنی اگر ان اوقات میں کرے گا تو ادا نہ ہو گی۔ ہاں پانی پلانے اور جانور چرانے والوں کو دن اور رات کو درست ہے۔ افضل یہ ہے کہ بعد نماز ظہر کے ہو جمرات میں ترتیب واجب ہے۔ اگر کل رمی تیرہوئیں کو کرے تو بھی جائز ہے مگر اس سے افضل

طریقہ ترک ہو گا۔ کل رمی تیرہویں کو کرنے کا طریقہ: یعنے ان ستر کنکروں کو نیت کے ساتھ ترتیب سے مارتے چلے جائے۔ اول جمرہ عقبہ کو پہلے دن کی سنت سے پھر اولے اور وسطے اور عقبہ۔ دوسرے دن کے ارادے سے یہ ترتیب سات سات کنکر۔ پھر تیسرے دن پھر چوتھے دن کے قصد سے، جس طرح فرض نماز بہ ترتیب قضا کرتے ہیں۔ مگر یہ قضا ہے ادا نہیں کیونکہ ایام تشریق کل رمی کا وقت ہے۔ ہاں یہ دن گزر جائیں اور رمی نہ کی ہو تو دم لازم ہے اور اس وقت واجب کے قضا نہیں اگر ایک کنکر مارنا ترک کرے تو اتناہی فدیہ دے جتنا احرام میں ایک بال نکالنے پر ہوتا ہے یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلانا اور دو ترک کرے تو دو کو کھلائے۔ دو سے زیادہ ترک ہو تو دم لازم ہے۔ معذور شخص اور مریض یا محبوس کو رمی کیلیئے نائب بنانا جائز ہے۔ دوسرے دن سعی کرے گیارہویں کو یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت یوں ہونی چاہیئے: "دوسرے دن رمی گیارہویں کو" کیونکہ گیارہویں تاریخ کو مفرد رمی کرنا کہیں پر بھی مذکور نہیں ہے۔ پھر امام خطبہ پڑھے اور اس میں باقی احکام منیٰ میں رہنے کے اور مکہ سے رخصت ہونے کے بیان کرے۔ اگر بارہویں کو چلے آئے تو اس دن کے کنکر جو رکھے ہیں زمین میں دفن کر دے۔ پانی لانے اور چرانے والے اگر راتوں کو منیٰ میں نہ رہیں تو مضائقہ نہیں۔

طواف رخصت (طواف وداع)

منٰی سے مکہ میں آئے اور اب وطن کو جانے کا قصد ہو تو سفر کی تیاری سے فراغت پا کے طواف کرلے کہ ختم کار طواف پر ہو۔ یہ طواف اس کیلیئے واجب ہے جو مکہ سے رخصت ہونے والا ہے۔ اس طواف کو طواف وداع اور طواف صدر بھی کہتے ہیں عربی میں صدر کا مطلب ہے واپسی یا نکلنا۔ چونکہ یہ طواف مکہ سے روانگی کے وقت کیا جاتا ہے

اس لئے اسے طواف صدر کہا جاتا ہے۔اس طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے جیسا کہ ہر طواف کے بعد پڑھتا ہے۔اگر اس طواف کے بعد پھر کچھ اقامت ہو تو وہی قرین رخصت دوبارہ طواف کرنا چاہیئے کیونکہ مسافروں کی یہی عادت ہے کہ جانے کے وقت بھی سب سے مل لیتے ہیں۔اگر یہ طواف نہ کئے چلے جائے اور ابھی زمین حرم ہی میں ہو تو بے احرام کے پلٹ آئے اور اس پر دم لازم نہیں ہو گا اور جو حرم کے باہر ہو گیا ہو تو عمرہ کی نیت کر لے پھر داخل ہو کے طواف وسعی کے بعد طواف رخصت کر کے روانہ ہو۔اگر مکہ سے مسافت قصر پر نکل گیا ہو یا اس سے کم مگر پلٹ آنا مشقت ہو تو بازگشت ضرور نہیں۔ ذبح کرنا بس ہے چاہے طواف وداع عمداً ترک کیا یا سہواً یا عذر کی وجہ سے ہو یا اور کوئی وجہ سے اور اگر دور ہونے کے باوجود لوٹ آئے تب بھی دم ساقط نہ ہو گا کیونکہ وہ اس پر لازم ہو چکا تھا۔اگر طواف زیارت میں تاخیر کی اور وقت رخصت اس کو ادا کیا تو بس ہے۔دونوں طواف ادا ہو گئے کیونکہ غرض یہی تھی کہ انجام کار طواف پر ہو وہ حاصل ہے مگر اس طواف میں طواف زیارت کی نیت ہو جو فرض ہے۔اگر طواف وداع کی نیت کرے گا تو فرض ادا نہ ہو گا۔

مسئلہ (حائضہ پر طواف وداع):

حیض و نفاس والی عورت پر یہ طواف واجب نہیں۔ہاں مکہ سے باہر ہونے سے پہلے پاک ہو جائے تو پلٹ آئے اور جو پاک نہ ہو تو رخصت کے وقت مسجد کے دروازے پر کھڑی رہے اور بیت اللہ کو دیکھے اور دعا کرے۔ مسافر رخصت کے وقت ملتزم سے لپٹے اور اپنا منہ اور سینہ اور ہاتھ اور پہنچے کھولے ہوئے وہاں لگا دے اور دعا کرے جس طرح حدیثوں میں وارد ہے ان میں سے یہ ہے: اَللّٰهُمَّ هَذَا بَيْتُكَ وَأَنَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ

وَابْنُ اَمَتِكَ حَمَلْتَنِي عَلَى مَا سَخَّرْتَ لِي مِن خَلْقِكَ وَسَيَّرتَنِي فِي بِلَادِكَ حَتَّى بَلَّغْتَنِي بِنِعْمَتِكَ إِلى بَيْتِكَ وَأَعِنَّنِي عَلَى آدَاءِ نُسُكِي فَإِنْ كُنْتَ رَضَيْتَ عَنِّي فَازْدُدُ على رِضًا وَإِلَّا فَمَنِ الْآنَ قَبْلَ ثَنَاءً عَنْ بَيْتِكَ إِلَى دَارِي وَهٰذَا آوَانُ انْصِرَافِي إِنْ أَذِنْتَ لِي غَيْرَ مُسْتَبْدِلٍ بِكَ وَلَا بَيْتِكَ اللَّهُمَّ فَاصْحِبْنِي العَافِيَة فِي بَدَنِي فَالصَّحَّةَ فِي جِسْمِي وَالْعِصْمَةَ فِي دِينِي فَاحْسِن مُنْقَلَبِي وَارْزُقْنِی طَاعَتِكَ مَا أَبْقَيْتَنِي فَاجْمَع لِي بَيْنَ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ پھر جو چاہے دعا کرے اور حضرت پر درود پڑھے حطیم میں بھی جائے اور میزاب کے نیچے کھڑے ہو کے دعا کرے۔ پھر زمزم کا پانی پیئے اور حجر اسود کو چوم کر باہر نکلے۔

زیارت شریف

مسئلہ (آداب زیارت):

سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت مستحب ہے اور بڑی فضیلت ہے اور زیارت کے لئے شدّر حال یعنے سفر کرنا بھی مستحب کیونکہ حج کے بعد بغیر سفر کے حضرت کی زیارت میسر نہیں ہو سکتی اگر حج نفلی ہو تو پہلے مدینہ منورہ میں حاضر ہونا چاہیئے کیونکہ وہاں کی حاضری نفلی حج سے بہتر ہے۔ جب حرم مدینہ میں داخل ہو تو غسل کرلے اور بڑے ادب سے مسجد نبوی صل اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جائے اور تحیت ادا کرے۔ پھر قبر شریف کی طرف منہ کئے ہوئے اور کعبہ کی سمت پیٹھ کئے ہوئے سلام پڑھے۔ سرور عالم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سلام عرض کرے۔ الاقناع میں ہیکہ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس طرح سلام عرض کرتے تھے: السلام علیک یارسول اللہ لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ بھی کہے تو حسن ہے اور پھر ایک قدم آگے بڑھ کر شیخین یعنے ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کرے۔ پھر حجرہ شریف کی سیدھی طرف کھڑے ہو اور قبلہ رو دعا کرے قبلہ رو بھی ایسا نہ ہو کہ روضۂ مقدسہ کو پیٹھ ہو جائے۔ وہاں آواز بلند نہ کرے کیونکہ بارگاہ نبوی صل اللہ علیہ و آلہ وسلم میں آواز بلند کرنا نص قرآنی سے حرام ہے اور جو منھیات قبور ہیں اس سے بچے شرح منتہیٰ میں ہیکہ قبر نبی صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حصول برکت کی نیت سے بھی ہاتھ لگانا یا روضہ کی دیوار کو ہاتھ لگانا یا اس سے اپنا سینہ لگادینا یا اسے چومنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں سوء ادبی ہے۔ مسجد شریف میں نماز پڑھنا بھی موجبِ فضیلت ہے۔ ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے۔ مکہ میں لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو کا۔ بقیع میں حضرت کے بہت سے صحابہ اور اہل بیت

مدفون ہیں۔ وہاں اور شہدائے احد کے پاس جائے اور ان کی زیارت سے مشرف ہو۔ مسجد قبا اور دوسری مسجد میں اور آثار جو حضرت سے منسوب ہیں وہاں نماز پڑھنا اور دعا کرنا بھی مستحب بات ہے۔

مسئلہ (حج سے واپسی) :

جب گھر کو پلٹے تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ آئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ رَبَّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللهُ وَحْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ اللَّهُمَّ اطْوَلْنَا الْبُعْدَ وَهَوِّن عَلَيْنَا السَّفَرَ

فوات اور احصار کا بیان

فوات فات یفوت کا مصدر ہے اس کے معنٰی کسی چیز کے جاتے رہنے **اور احصار** احصر یحصر کا مصدر ہے اور یہ روکنے کے معنے ہیں۔ جس کا حج فوت ہو جائے یعنی ابھی وہ عرفات کو پہنچا نہیں کہ دسویں کی صبح صادق طلوع کرے خواہ راستے میں دیر ہونے کے سبب سے یا دشمن کے روکنے سے یا اور کسی عذر سے تو اس کو حج نہ ملا کیونکہ وقت مقرر جاتا رہا وقوف عرفات کے فوت ہونے سے حج کے فوت ہونے میں اصل نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:الحج عرفة فمن جاء قبل صلاة الفجر لیلة جمع فقد تم حجه یعنی حج وقوفِ عرفہ ہے جو شخص جمع بین الاصلاتین کی رات میں طلوع فجر سے قبل آجائے وہ حج کو پالے گا۔ معلوم ہوا کہ اس کے بعد آنے والے کا حج فوت ہو گیا۔ وقوف عرفات کے متعلق جو اُمور ہیں وہ بھی بیکار ہو گئے۔ مزدلفہ اور منیٰ نہ رہے اور رمی جمار کرنے کی حاجت نہ رہی کیونکہ جب وقوف ہی فوت ہو گیا تو باقی ارکان کی ادائیگی بے معنٰی ہو گئی کیونکہ باقی ارکان اس کے تابع تھے۔ اب یہ اس کو اختیار ہے یا اسی احرام کو حج کرنے کے لئے سال آئندہ تک باقی رکھے گویا آئندہ سال تک وہ اس مشقت سے راضی ہے المغنی میں ہیکہ احرام کی مدت کا طویل ہونا نسک کے اتمام کو مانع نہیں ہے یا عمرہ پورا کرلے یعنی اس احرام کو عمرہ کا احرام بنادے اسلئے کہ عمرے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ نیز جو حج فوت نہیں ہوا اس کا احرام عمرہ سے بدلنا جائز ہے تو جو حج فوت ہوا اس کا احرام عمرہ سے بدلنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔ فوات کے احرام کو عمرہ سے بدلنے کا فتویٰ سیدنا عمر اور سیدنا زید بن ثابت، سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم نے دیا۔ عمرہ کی نیت سے طواف اور سعی ادا کرے حلق یا تقصیر کے بعد احرام سے باہر ہو جائے اور سال آئندہ اس حج کی قضاء کرے اگرچہ فوت ہونے والا حج نفلی تھا اور حج قضاء کرنے کے وقت قربانی ذبح کرے، خواہ قارن ہو یا کوئی اور۔ قربانی ایک بکری سے یا

ساتواں حصہ اونٹ یا گائے کا۔ اور یہ عمرہ فرض عمرہ کی جگہ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس عمرہ کی نیت نہیں کی تھی حج کی قضاء لازم ہے کیونکہ حج اور عمرہ شروع کرنے سے نذر کی طرح لازم ہو جاتا ہے دوسری عبادتیں لازم نہیں ہوتی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ احرام کے وقت شرط کرنا سنت ہے یعنے یوں کہنا پروردگار اگر میں بیمار ہو جاؤں یا عاجز یا بے خرچ یا کوئی اور عذر تو اسی جگہ احرام سے باہر ہو جاؤں گا یا مختصر طور پر اس طرح کہ اگر کوئی روکنے والی شئے مجھے روکے تو وہی میری جگہ ہے جہاں رک گیا ہوں۔ اس شرط کرنے سے یہی فائدہ ہے کہ اس پر قربانی اور حج کی قضاء لازم نہ ہو گی کیونکہ اس وقت اس کا احرام وہیں تک ہے جہاں وہ رک گیا ہے تو گویا اپنی نیت پوری کر چکا ہے۔ اس وقت یعنی جب احرام میں شرط نہ کی ہو تو عمرہ کے افعال بجالا کر احرام سے نکل آئے۔ ہاں اگر فرض حج نہ کیا ہو تو وہ ذمے پر باقی ہے۔ اس کو ہر حال میں ادا کرنا ضرور ہے خواہ سال آئندہ ہو یا اسکے بعد۔

مسئلہ (نیت نسک کے بعد کعبہ تک نہ پہنچ پانا) :

جس نے کسی نسک کی نیت کی ہو پھر دشمن نے اس کو ظلماً کعبہ تک پہنچنے سے روک دیا یا وہ مجنون یا بے ہوش ہو گیا کہ حج اور عمرہ کرنا ممکن نہیں تو جہاں روکا گیا ہو وہیں تحلل کی نیت سے ہدی ذبح کرے یعنی ایک بکری ذبح یا گائے یا اونٹ کے ایک حصہ میں شریک ہو پھر حلق یا تقصیر کرے اور احرام سے باہر ہو جائے یہ تحلل قبل اتمامِ نسک ہے لہٰذا اسمیں ہدی واجب ہو گی خواہ قران ہو یا حج یا عمرہ، سب حاجیوں کو روک دیا ہو یا فقط اسی کو۔ ایسا ہی جو دوسرے کے حق کے لئے روکا گیا ہو اور وہ اس حق کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو تحلل جائز ہو گا لیکن اگر کسی ایسے حق کیلئے

روکا گیا جس کی ادائیگی ممکن ہو تو وہ معذور نہیں۔ اسی طرح اگر ایک راستہ سے روکے جانے پر دوسرا راستہ اختیار کرنا ممکن ہو تو اس وقت تحلل جائز نہیں ہو گا بلکہ دوسرے راستہ سے حج کیلئے جانا لازم ہو گا۔ اگر ہدی میسر نہ ہو تو احرام کھولنے کی نیت سے دس روزے رکھے۔ اس کے بعد احرام سے نکل آئے۔ یہاں دو ہی امر ہیں یا قربانی کرنا یا یا روزے رکھنا۔ مسکینوں کو کھانا دینا کافی نہیں مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم یہاں وارد نہیں ہوا ہے اس لئے مسکینوں کو کھانا کھلانا اس کی ادائیگی کیلئے کافی نہیں ہو گا۔ بعضوں نے مثلاً صاحب الرعایہ اور صاحب الاقناع قربانی یا روزوں کے بعد حلق یا تقصیر کرنا بھی واجب کہا ہے لیکن بعضوں نے یعنی امام خرقی نے کہا ضروری نہیں۔

مسئلہ (نیت نسک کے بعد عرفات تک نہ پہنچ پانا) : اگر مکہ میں جانے سے کوئی مانع نہ ہو مگر عرفات کو جانے نہ دے تو وقوف سے پہلے ہی عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول ڈالے اور کوئی ذبح لازم نہیں کیونکہ ابھی وقوف کا وقت فوت نہیں ہوا اور اس کے لئے نیا احرام ممکن ہے۔ حج کی نیت کو عمرہ کی نیت سے بدل دینا بے عذر کے بھی جائز ہے مانع ہو تو بطریق اولی جائز ہو گا۔

مسئلہ (فرض طواف سے روکا جانا) :

وقوف عرفات اور رمی اور حلق سب کر چکا ہے پھر فرض طواف سے روکا گیا تو احرام سے باہر نہیں ہو سکتا، جب تک اس کو ادا نہ کرے، کیونکہ اب سوائے عورتوں کے سب چیزیں حلال ہیں۔ باہر ہونا تو اس احرام سے مشروع ہے جس میں سب اُمور ممنوع ہیں اور اسمیں فقط عورتیں حرام ہیں تو یہ تحلل اس سے ملحق نہیں لہٰذا جب حصر

ختم ہو جائے تو طواف افاضہ ادا کرے اور اس کے بعد سعی بھی کر لے اگر طواف قدوم کیساتھ سعی نہیں کیا تھا۔یہی حکم صرف سعی سے روکے جانے پر ہے۔

مسئلہ (نیت نسک کے بعد واجب ادانہ کر پانا): اگر کسی واجب سے روکا گیا ہو تو ترک واجب کے بدلے قربانی کرے تو محض واجب سے روکے جانے پر احرام نہ کھولے **اور باقی افعال بجالائے** جیسا کہ اپنے اختیار سے واجب ترک کرنے کی صورت میں کرتا تھا۔اس کا حج صحیح ہو گا کیونکہ کوئی رکن نہیں چھوٹا۔

مسئلہ (تاخیر سے پہنچنا):

اگر کوئی بیمار ہو گیا یا خرچ راہ اس کے پاس نہ رہا یا کسی نے چھین لیا یہ راستہ بھول گیا تو وہ بھی احرام سے نہیں نکل سکتا الکافی میں حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما کا قول ہیکہ حصر صرف حصر عدو ہے یعنی دیگر وجوہات جیسے مرض وغیرہ کیوجہ سے اگر روکا جائے تو اسوقت تک احرام سے نہیں نکل سکتا جب تک مکہ جانے اور نسک ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔**مکہ میں پہنچنے تک وہ محرم ہی رہے گا۔اگر وہ حج کے بعد وہاں پہنچے تو عمرہ بجالائے اور احرام سے نکل آئے۔ ہدی ساتھ رکھتا ہو تو حرم ہی میں ذبح کرے۔اگر شرط کر لی ہو تو سب صورتوں میں احرام سے باہر نکل آنا جائز ہے اور کوئی شیئ لازم نہیں۔**

ہدی اور اضحیہ کا بیان

ہدی وہ جانور ہے جو حرم میں ذبح کرنے کے لئے ہو۔ اس کو ہدی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خداوند عالم کی درگاہ میں ہدیہ ہے اور اضحیہ وہ جو ذی الحجہ کی عید میں ذبح کرتے ہیں اس کی جمع اضاحی ہے اور عقیقہ وہ جانور جو بچہ پیدا ہونے کے بعد ذبح کیا جائے لال رنگ کے عمدہ پتھر یا نومولود بچے کے بال کو لغت میں عقیقہ کہتے ہیں۔ یہ تینوں یعنی ہدی، اضحیہ اور عقیقہ انعام میں سے ہی ہونا چاہیئے۔ انعام اونٹ اور گائے اور بکری کو کہتے ہیں اسمیں اونٹ اور اونٹنی، گائے اور بیل، بھینس اور بھینسا، دنبا اور دنبی سب داخل ہیں۔ چونکہ یہ عبادت ہے اس کے سوا کوئی جانور جائز نہیں۔ اگر کوئی ان میں سے وحشی ہو یا ان کے ماں یا باپ وحشی ہو تو نادرست ہے یعنی صرف پالتو ذبح کرنے سے ادا ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ ہدی اور اضحیہ میں افضل اونٹ ہے پھر گائے اگر ایک ہی شخص کی طرف سے ہو پھر بکری اسلئے کہ اونٹ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور اسمیں زیادہ گوشت ہوتا ہے جو فقراء کیلئے زیادہ نفع بخش ہے۔ جبکہ گائے میں اس سے کم گوشت ہوتا ہے اور بکری میں اس سے کم ہوتا ہے، پھر ساتواں حصہ اونٹ کا یا گائے کا چونکہ بکری کا گوشت اچھا ہوتا ہے اسلئے بکری ساتویں حصہ سے افضل ہے۔ نیز بھیڑ بکری سے افضل ہے (المغنی)۔ اور ہر جنس میں وہ جانور افضل ہے جو فربہ اور گراں قیمت ہو کیونکہ اس کا نفع اور اجر زیادہ ہوتا ہے نیز یہاں مذکر اور مونث برابر ہیں۔ امام احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمیں خصی جانور زیادہ پسند ہے کیونکہ اس کا گوشت وافر اور اچھا ہوتا ہے۔ رنگ میں سفید بہتر ہے پھر جس میں سفیدی سیاہی سے زیادہ ہو حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفید جانور کی قربانی اللہ کو سیاہ جانور کی قربانی سے زیادہ پسند ہے کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اضحیہ کا رنگ ہے پھر زرد پھر سیاہ یعنی وہ جو اچھے رنگ والا ہو افضل ہے۔

مسئلہ (واجب قربانی):

اضحیہ سنت ہے اور نذر کرنے سے ہدی اور اضحیہ واجب ہو جاتا ہے۔ موجز میں ہیکہ جس وقت ذبح کے لفظ سے نذر کیاہو مثلاً یوں کہا کہ اللہ کی خاطر مجھ پر اس بکری کا ذبح کرنالازم ہے تو ذبح کر کے فقیروں پر تقسیم کرنا ہی لازم ہے المغنی میں ہیکہ لا یاکل من کل واجب الا من ھدی التمتع والقران یعنی ہر واجب قربانی سے نہ کھائے سوائے تمتع اور قران کے ہدی کے۔ امام احمد سے روایت ہیکہ نذر کی ہوئی قربانی اور صید کی جزاء میں سے نہ کھائے۔ ابن قدامہ نے کہاناذر نے نذر کو اللہ کیلئے بنایاہے۔ اگر کسی جانور کی طرف اشارہ کر کے کہے یہ قربانی ہے یا یہ خدا کے لئے ہے تو وہی جانور قربانی کے لئے مقرر ہو گیاان الفاظ کا استعمال اپنے ایجاب کا متقاضی ہے اب شرعی طور پر اس کا مقتضٰی لاناواجب ہو گا اور ذبح کرناواجب جیسا غلام کو کہنا یہ حُر ہے یعنی آزاد ہے کیوں کہ یہ لفظ شرع میں واجب کرنے کے لئے مقرر ہے۔ ایسا ہی نیت کیساتھ اشعار اور تقلید سے متعین ہو جاتا ہے۔ اشعار یہ کہ اونٹ کے کوہان زخم کر دے اور تقلید یہ کہ جانور کے گلے میں کوئی چیز نشانی کے لئے باندھ دے فعل کیساتھ جب نیت آجائے تو وہ الفاظ کے قائم مقام ہو گی جبکہ فعل مقصود پر دلالت کرے۔ اگر خرید نے یاہانکنے کے وقت قربانی کے لئے نیت کرے تو واجب اور متعین نہ ہو گی کیونکہ یہاں صرف نیت ہے اور فعل مقصود پر دلالت نہیں کر رہاہے۔ جانور خرید نا قربانی کیلئے ہو یہ ضروری نہیں ہے جیسا مال خیرات کرنے کے ارادہ سے نکالے اور پھر نہ دے تو مضائقہ نہیں یہاں بھی صرف نیت ہے اور فعل نہیں ہے۔ پیسہ نکالنا صرف خیرات کی غرض سے نہیں ہو تا ہے۔

مسئلہ (قربانی کیلئے مقرر کردہ جانور بیچ دینا):

جس وقت ھدی یا اضحیہ مقرر ہو جائے تو اس کو بیچنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے جبکہ بدل برابر یا کم درجہ کا ہو۔ہاں اس سے بہتر جانور سے بدل لے تو جائز ہے کیوں کہ اس سے فقیروں کا نفع مقصود ہے وہ بات بدل سے حاصل ہے علی ھٰذاالقیاس متعین کرنے کے بعد ہدی یا اضحیہ میں عیب کا علم ہو تو اس کو لوٹا کر دوسرا خریدنا جائز ہو گا۔اگر حاجت ہو تو ایسے جانور پر سوار ہونا بغیر ضرر کے جائز ہے چونکہ اس میں مساکین کا حق ہے لہٰذا ضرر ہو تو سوار ہونا جائز نہیں ہے اور اگر ضرر اس کے سوار ہونے سے واقع ہو تو اس پر ضمان ہو گا۔اگر اس کے بال اور صوف کترنا اس کے حق میں مفید ہو تو جائز ہے مگر اس کو خیرات کر دے الاقناع میں ہیکہ مصلحت کے تحت کترنے کے بعد اون سے خود فائدہ حاصل کرنا جائز ہے مگر صدقہ کرنا افضل ہے اور اگر رکھنا مفید ہو تو کترنا جائز نہیں۔اس کے بچے کے دودھ پینے کے بعد جو دودھ بچ رہے اس کا پینا مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں نہ اس کو ضرر ہے اور نہ اس کے بچہ کو ضرر ہے مگر اس کا صدقہ کرنا افضل ہے۔

مسئلہ (جانور کا عیب دار ہو جانا):

اگر بعد تعین کے بغیر کسی کے فعل کے وہ جانور از خود عیب دار ہو جائے تو اس کو ذبح کرنا کافی ہے۔اگر اس شخص کے یعنی مالک کے اور کسی کے فعل سے یا بے خبری سے تلف ہو جائے یا عیب دار تو اس کا بدل اس پر لازم ہے جس نے اسے تلف کیا یعنی تعدی کی ۔ جس طرح امانتی چیز میں ضمان آتا ہے لیکن اگر تعدی نہ کی ہو تو بدل لازم نہیں ہے۔ہاں اگر تعین سے پہلے ہی وہ قربانی ذمی پر یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ "ذمہ" ہے واجب تھی، مثلاً دم تمتع یا

دم قران اس پر واجب تھا پھر اس نے کسی جانور کو خرید کر اس کے لئے یعنی دم تمتع یادم قران کیلئے متعین کر دیا اور وہ عیب دار ہو گیا تو ہر حال میں دوسرا جانور اس کی مانند واجب ہے کیونکہ اس پر دم تمتع یادم قران واجب ہے تعیین کے عمل سے بدل کے ساقط ہونے کا مذکورہ قاعدہ یہاں مؤثر نہیں ہو گا۔ ایسا ہی پہلے سے ذمہ پر واجب قربانی تھی اور جانور خرید کر اسے متعین کیا اور وہ اگر چوری گیا یا گم ہوا یا اس کے سوا تو بہر حال اس کے جیسا دوسرا جانور خرید کر قربانی دینالازم ہو گا۔

مسئلہ عمر:

اضحیہ، دم تمتع وغیرہ میں اگر دنبہ ہو تو چھ مہینے کا بھی جائز جس کو جذع کہتے ہیں۔ اور بکری برس بھر کی اور گائے دو برس کی اور اونٹ پانچ برس کا جائز ہے اگر مذکورہ اعمار سے کم ہو تو قربانی ادانہ ہو گی اور مذکورہ اعمار سے زیادہ عمر والے جانور ہوں تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوں گے اس عمر میں ہر ایک کو سنی کہتے ہیں یہ تحریری غلطی ہے صحیح لفظ ثنی ہے۔

مسئلہ: (پورے گھر کی طرف سے قربانی):

ایک دنبہ یا بکری اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بس ہے یعنی اپنی بیوی، اپنی اولاد اور غلاماسی طرح الاقناع میں ہے: وتجزئ الشاة عن واحد وعن اهل بيته وعياله مثل امراته و اولاده و مماليكه۔ اونٹ اور گائے ہو تو بطریق اولیٰ اپنے اور اپنی عیال کی طرف سے جائز ہے۔ اگر ایک اونٹ یا گائے میں سات شخص اجنبی شریک ہوں تو بھی جائز یعنی ایک اونٹ یا ایک گائے زیادہ سے زیادہ میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ جانور کو ذبح کرنا اس کی قیمت کر دینے سے بہتر ہے۔ ہدی ہو یا اضحیہ یا عقیقہ کیونکہ حضرت نے فرمایا کوئی عمل آدمی کا نحر کے دن خون

بہانے سے بہتر نہیں نیز ہدی ہو یا اضحیہ ہو یا عقیقہ جانور ذبح کرنا سنتِ رسول صل اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے اگر صدقہ کرنا افضل ہوتا تو رسول اللہ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم صدقہ فرماتے تھے۔ اگر ان میں صدقہ کیا جائے گا تو سنت ترک ہو گی۔

مسئلہ وقت:

ہدی خواہ نفل ہو یا نذر اور دم متعہ و قران اور اضحیہ ان سب کا وقت نماز عید کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اگر عید کی نماز شہر میں کئی جگہ ہو تو پہلی نماز کے بعد جائز ہے اگرچہ خطبہ سے پہلے ہو مگر افضل وقت بعد خطبہ ہے اور جہاں نماز نہ ہوتی ہو وہاں بعد طلوع نماز پڑھنے کی مقدار ٹھہر جائے پھر ذبح کرے۔ عید کی صبح سے بارہویں کے شام تک ان تین دن میں جب چاہے ذبح کرے مگر رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے افضل یہ ہیکہ یوم عید بعد نماز اور خطبہ ذبح کرے۔ اگر وقت گزر جائے اور واجب قربانی نہ کی ہو تو اس کی قضا کرے، وہی ادا کے طور پر وقت فوت ہونے سے قربانی ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور جو نفل قربانی ہو تو ساقط ہے کیونکہ اس کا محل فوت ہو گیا۔ اگر بے وقت کیا ہے تو وہ قربانی نہیں، فقط گوشت کے خیرات کا ثواب ہے۔ احرام میں کوئی فعل ممنوع کیا ہو تو اس کے لئے قربانی اسی وقت سے کرنا جائز ہے۔ اگر کسی عذر سے ممنوع کام کرنے کا ارادہ ہو تو اس کام سے پہلے بھی درست کیونکہ یہاں اس کا سبب موجود ہے اگر کوئی واجب حج یا عمرہ میں ترک ہو تو اس کے لئے بھی اسی وقت سے ذبح کرنے کا وقت شروع ہو گا جب وہ واجب ترک ہوا ۔ کسی ایک مسجد میں بھی نماز عید ہو جائے تو قربانی کی جاسکتی ہے۔ ذبح کرنے والے کا نماز عید ادا کرنا ذبح کرنے کی شرط نہیں ہے۔

مسئلہ ذبح:

اونٹ کی قربانی میں سنت یہ ہے کہ اس کو کھڑا کریں اور بایاں ہاتھ باندھ دیں۔ پھر بھالے سے یا اور کسی ہتھیار سے اس کی پیچ گردن اور سینے کے درمیان ماریں۔ حضرت اور صحابہ کرام نے ایسا ہی کیا ہے۔ اونٹ کے سوا دوسرے جانور کو قبلہ رخ بائیں کروٹ پر لٹا کر ذبح کریں۔ اس کا پورا بیان کتاب الذبائح میں ہے۔ اگر اونٹ کو ذبح کریں اور دوسرے جانور کو نحر تو بھی جائز ہے کیونکہ ذبح کی جگہ میں دونوں جان میں تفاوت نہیں۔ ذبح اور نحر کے وقت ہاتھ کی حرکت کے ساتھ بسم اللہ کہنا واجب اور اللہ اکبر کہنا سنت ہے اور یہ بھی کہے اللھُمَّ ھَذَا مِنْكَ وَلَكَ یعنے یا اللہ یہ تیری ہی چیز ہے اور تیرے ہی لئے ہے۔ اللھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّی یا من فلان کہنا درست ہے۔ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا بہتر ہے۔ اگر نہ کر سکے تو دوسرے مسلمان کو وکیل کر دے اور آپ وہاں حاضر رہے کیونکہ حدیث شریف میں ہیکہ اسے ذبح کرتے وقت حاضر رہو کیونکہ اس کے پہلے خطرہ خون سے تمہاری مغفرت ہوتی ہے ۔اگر ذمی کو وکیل کرے تو بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا مسنون ہے کیونکہ یہ عمل اللہ کی قربت کے حصول کیلیئے ہے تو یہ چاہیئے کہ ایک مسلمان ہی یہ عمل ادا کرے ۔

مسئلہ قسائی (قصاب):

قسائی کی مزدوری قربانی یاہدی کے گوشت اور اجزاء میں سے دینا درست نہیں کیونکہ یہ معاوضہ ہے قسائی کو اس کی محنت کے بدلے قربانی کا کوئی جز دینا اس کو بیچنے کی طرح ہے اور اس کا کوئی بھی جز بیچنا حرام ہے ہاں اس کے فقر کی وجہ سے اس کو کوئی جز بطور ہدیہ یا صدقہ دے تو ممکن ہے۔ قربانی کا چمڑا اور اس کا کوئی جز بیچنا جائز نہیں، خواہ واجب

ہو یا نفل کیونکہ وہ ذبح کرنے سے متعین ہو گئی ۔ہاں چمڑے سے آپ نفع لے کیونکہ چمڑااس کا جز ہے اور اس کا تابع ہے تو اس سے خود فائدہ اٹھانا جائز ہے یا خیرات کر دے تو جائز۔

مسئلہ (قربانی کے گوشت کی تقسیم) :

قربانی کرنے والے پر واجب ہے کہ کچھ گوشت اس میں سے مسلمان فقیر کو دے، اتنا کہ اس کو گوشت کہہ سکیں۔بعضوں نے کہا ایک اوقیہ دینالازم ہے گویا یہ ایک حق ہے جس کا مستحق کو دینالازم ہے ۔ اس میں کھلانا بس نہیں کرتا بلکہ فقیر کو اس کا مالک کر دے۔جس طرح تملیک زکات اور کفارہ میں واجب ہے کشاف القناع میں ہے: ویعتبر تملیک الفقیر کالزکاۃ والکفارۃ۔ سنت یہ ہے کہ اضحیہ میں تہائی آپ کھائے اور تہائی ہدیہ دے اور تہائی خیرات مستحب یہ ہیکہ افضل حصہ صدقہ دے،اوسط حصہ تحفہ دے اور ادنیٰ حصہ خود کھائے۔نیز یہ شعار صالحین ہیکہ قربانی میں سے ایک لقمہ بطور تبرک کھائے۔اضحیہ میں سے کافر کو تحفہ دینا جائز ہے۔اگر وہ واجب ہے تو کافر کو اسمیں سے کچھ نہ دے جیسا کہ زکات اور کفارے میں ہوتا ہے ۔ اگر سب آپ ہی کھائے اور ایک اوقیہ خیرات دے دے تو جائز ہے کیونکہ کھانے اور کھلانے کا حکم مطلق ہے اور قلیل و کثیر دونوں کو شامل۔اگر ایک اوقیہ بھی نہ دیا اور اس کا گوشت ختم ہو گیا تو اس کا دان ذمی پر ثابت رہا یہ کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح عبارت یہ ہے: ضمان ذمہ پر ثابت رہا کیونکہ یہ حق واجب الاداتھا اب کچھ گوشت یعنی ایک اوقیہ (30 گرام)صدقہ کرنالازم ہو گا ۔ نفل ہدی میں سے کھانا مستحب ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُلُوا مِنها امر کا ادنی درجہ استحباب ہے مستحب یہ ہیکہ اس میں سے تھوڑا ہی کھائے اور اسمیں سے صدقہ کرنا بھی ضروری ہے جیسا کہ اضحیہ میں سے ضروری ہے ۔ایسا ہی دم متعہ اور قران سے

کھانا جائز ہے جیسا کہ اضحیہ میں سے مطابقا کھانا جائز ہے۔ نفل ہو یا واجب کیونکہ دم تمتع کا اور قران کا شکرانہ ہے اور محظور نہیں ہے لہٰذا یہ نفلی ہدی کی طرح ہے۔ مگر واجب ہدی میں سے کھانا جائز نہیں نذر سے واجب کر لیا ہو یا تعین ہے۔ یتیم اور مکاتب کی طرف سے جو ذبح کیا ہو اس میں سے نہ ہدیہ دے نہ صدقہ کیونکہ ان کے مال میں سے بطور احسان انفاق جائز نہیں ہے۔ مکاتب کے مال میں سے اگر آقا اجازت دے تو بطور احسان انفاق جائز ہے۔ اگر نذر کے ذریعہ یا تعیین کے ذریعہ قربانی کو واجب کر لیا اور قبل ذبح مالک مر جائے یا اگر ذبح کرنے کے بعد مالک قربانی کا مر جائے تو اس کا وارث کھانے اور دینے میں اس کی جگہ پر ہے جیسا کہ دیگر حقوق میں وارث مورث کا قائم مقام ہوتا ہے۔

مسئلہ (عیب دار جانوروں کی قربانی):

جو قربانی یا ہدی صاف کانی ہو یعنے ایک آنکھ اس کی بیٹھ گئی ہو تو ناجائز ہے۔ اگر آنکھ دیکھنے میں درست ہو مگر اس سے نظر نہ آتا ہو تو مضائقہ نہیں کیونکہ اس سے اسکے گوشت میں نقص نہیں آتا ہے۔ ہاں دونوں آنکھیں بظاہر اچھی ہوں مگر کچھ نظر نہ آئے تو جائز نہیں کیونکہ اندھاپن جانوروں کے ساتھ چلنے اور چرنے کو مانع ہے۔ اور نہ ایسے دبلے جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو اور نہ وہ لنگڑے جو تندرست کے ساتھ چل نہ سکے اور وہ جس کے دانت جڑ سے نکل گئے ہوں اور وہ بوڑھی جس کی پستان سوکھ گئی ہوں اور وہ بیمار جس کی بیماری صاف ظاہر ہو اور جس کا آدھے سے زیادہ سینگ یا کان کٹا ہوا کیونکہ اکثر کا حکم کل کی طرح ہے۔ کان، سینگ کٹے ہوئے جانور کی قربانی سنت کی رو سے ممنوع ہے اور جس کے سینگ کا غلاف نکل گیا ہو اور جس کے ذکر اور خصئے دونوں کٹے ہوئے

ہوں۔ ان سب کی قربانی جائز نہیں ہدی میں ہو یا اضحی یا عقیقے میں۔ وہ جانور جس کے صرف خصیتین کٹے ہوئے ہوں اور قضیب کٹا ہوا نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے۔

<u>مسئلہ (سینگ اور دم وغیرہ کا کٹا ہونا) :</u> جس کو پیدائش سے سینگ یا کان نہ ہوں اور جس کو دم نہ ہو خواہ پیدائشی ہو یا کاٹ ڈالے ہوں اور خصہ جس کے فقط خصئے کاٹے ہوں یا مل دیئے ہوں اور حامل اور جس کے چکتے یا کان آدھے سے کم کٹا ہوا ہو یہ سب جائز ہیں مگر جس کا کان چیرا ہوا یا سوراخ دار ہو یا آدھا کٹا ہوا ہو تو مکروہ ہے۔

<u>مسئلہ (ذی الحجہ کے پہلے دہے میں ناخنوں اور بالوں کا کاٹنا):</u> جو قربانی کرے یا اس کی طرف سے کی جائے تو اس کو ذی الحجہ کے دہے میں اپنے بال اور ناخن اور جسم کی کوئی چیز نکالنا قربانی کرنے تک حرام ہے۔ قربانی کے بعد سر منڈھانا بھی سنت ہے۔ اگر اس کے خلاف کرے یعنی پہلے دہے میں اپنے بال ناخن یا جلد میں سے کچھ نکالے تو کوئی فدیہ لازم نہیں ہو گا چاہے عمداً کرے یا سہواً مگر سوائے توبہ کے چارہ نہیں کیونکہ یہ گناہ ہے اور گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے ۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں کیونکہ محرم کو عذر سے یہ باتیں جائز ہیں غیر کو بطریق اولیٰ جائز ہو گا۔

عقیقے کا بیان

اصلا عقیقہ وہ بال ہیں جو نومولود کے سر پر ہوتے ہیں مگر اہل عرب نومولود کے بال مونڈتے وقت جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو عقیقہ کہنے لگے کیونکہ ان کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ کسی چیز کی تسمیہ اس کے سبب پر یا اس کے پڑوس پر کرتے ہیں پھر وہ اسی طرح مشہور ہو گیا حتیٰ کہ عقیقہ سے ذبح ہونے والا جانور ہی مراد لیا جانے لگا۔ابن عبد البر نے کہا کہ **امام احمد** نے اس تفسیر کا انکار کیا اور **فرمایا عقیقہ خود ذبح کرنے کو کہتے ہیں** کیونکہ عق کاٹنے کو کہتے ہیں اور ذبح کرتے وقت حلقوم کاٹا جاتا ہے۔عقیقہ میں خوشی اور نعمت کا اظہار ہے۔**بچہ ہونے کے بعد اس کی طرف سے ذبح کرنا باپ کے حق میں سنت مؤکدہ ہے** کشاف القناع میں ہیکہ باپ کے علاوہ کوئی نہ کرے سوائے یہ کہ باپ کا انتقال ہو جائے یا باپ عقیقہ کرنے سے منع کرے۔ لیکن اگر کوئی اور کرے تو وہ مکروہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی کراہیت کی دلیل نہیں ہے لیکن یہ عقیقہ بھی نہ ہوگا۔اگرچہ **باپ مفلس** ہو۔بچہ غنی ہو یا فقیر کا ۔**لڑکا ہو تو اس کی طرف سے دو بکریاں، جو عمر میں اور وضع میں برابر ہوں۔ اگر دو نہ ہو سکیں تو ایک۔ اور لڑکی ہو تو اس کی طرف سے ایک بکری کیونکہ مرد و عورت کی نسبت بہت احکام میں دوچند ہے۔ اگر باپ کے پاس کچھ نہ ہو تو قرض لیکر کرے۔ امام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اس کا بدلا دے کیونکہ اس نے اس سنت کو تازہ کیا۔ بچہ جب بڑھا ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ ہوا ہو تو اس کو اپنی طرف سے کرنا سنت نہیں** کیونکہ یہ باپ کے حق میں مشروع ہے ۔جو جانور اضحیہ کی ادائیگی میں کافی ہوتے ہیں وہی عقیقہ کیلئے بھی کافی ہوتے ہیں یعنی اونٹ، گائے اور بکری البتہ **اگر اونٹ یا گائے ذبح کرے تو پوری ہی کرنا چاہئے اس میں شرکت جائز نہیں** کیونکہ اسمیں سات افراد کو شریک کرنے کا حکم وارد نہیں ہوا ہے۔

مسئلہ (سنت عقیقہ) :

سنت یہ ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن ہو۔ اگر اس دن نہ کیا تو چودھویں دن۔ اس وقت بھی نہ ہو تو اکتیسویں روز یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ" اکیسویں" ہے یعنی سات سات دن کی رعایت کرے اکتیسویں دن یعنی اکیسویں کے بعد سات دن کا حساب معتبر نہیں جب چاہے کرے کوئی دن ہو کیونکہ اس وقت قضا ہے جس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ ساتویں دن سے پہلے بھی کرے تو جائز ہے لیکن ولادت سے پہلے کرنے سے ادا نہیں ہو گا کہ اسمیں سبب پر تقدیم ہے۔

مسئلہ (طریقہ ذبح):

عقیقے کی نیت سے اس جانور کو ذبح کرے، ایک ہو یا دو۔ اور اس کے اعضاء جوڑ جوڑ سے جدا کرے اور ہڈیاں نہ توڑے کیونکہ یہ نومولود کی طرف سے پہلا ذبیحہ ہے یہ گویا بچہ کی سلامتی کیلئے فال نیک ہے اسی طرح کرنا سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے۔ کچا گوشت خیرات کر دے تو بھی جائز ہے مگر اس کو پانی اور نمک کے ساتھ پکانا اور پڑوسیوں اور محتاجوں اور گھر والوں کو کھلانا بہتر ہے اور کچھ گوشت اس میں شیرینی کے ساتھ پکانا بھی اور یہ بھی بچہ کے اخلاق کی حلاوت کیلئے نیک فال ہے۔ عقیقے کا خون بچے کے سر کو لگانا مکروہ ہے کیونکہ یہ نجس شئے ہے۔ زعفران لگا دے تو بہتر ایام جاہلیت میں نومولود کے سر پر خون لگایا جاتا تھا آمدِ اسلام کے بعد مسلمانوں نے زعفران لگانا شروع کیا۔ اس کے لئے صبح کا وقت افضل ہے کشاف القناع میں ہیکہ یہ بھی نیک فال ہے۔

مسئلہ (سر منڈھانے اور نام رکھنے کے احکام):

اگر لڑکا ہو تو ساتویں دن اس کا سر منڈھانا سنت ہے اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دے۔ لڑکی کا سر نہ منڈھائے۔ ساتویں دن یا اس سے پہلے اس کا نام رکھنا چاہئے۔ اس میں اختیار باپ کا ہے۔ اس کے ہوتے دوسرا نہ رکھے۔ اچھا نام رکھنا چاہئے کیونکہ بندہ کو اسی نام سے روزِ قیامت بلایا جائے گا۔ ہر وہ نام جس کی اضافت اللہ کی طرف ہو اچھا ہے جیسا عبد اللہ اور عبد الرحمن اور اس کے سوا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو یا سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام جیسا محمد اور احمد یا دوسرے پیغمبروں کا فرشتوں کا نام رکھنا بھی جائز ہے عبد الکعبہ اور عبد المسیح اور عبد النبی نام رکھنا حرام ہے بعض علماء نے کہا عبد سے مراد حقیقت عبودیت نہیں بلکہ خادم اور تابع کہنا مقصود ہے تو کوئی حرمت نہیں۔ بہت سے نیک لوگوں نے ایسے نام رکھے ہیں۔ حرب اور حزن اور خیر اور یسار، سرور، نعمت ایسے نام مکروہ ہیں کیونکہ اس میں بد فالی کی راہ ہموار ہو سکتی ہے ۔ اسی طرح وہ نام جس میں اپنی بڑھائی ہو جیسا تقی اور زکی اور ستالنسایہ کتابت کی غلطی معلوم ہو رہی ہے غالباً صحیح عبارت " سید الناس ہے"

مسئلہ (اضحیہ میں عقیقہ کی نیت) :

اگر اضحیے کے دنوں میں عقیقہ ہو مثلاً نو مولود کی پیدائش کے ساتویں دن یوم عید واقع ہو اور اضحیے میں عقیقے کی بھی نیت کر لے تو دونوں ادا ہو جاتے ہیں جس طرح دو رکعت پڑھنے میں تحیت مسجد اور سنت راتبہ دونوں کی نیت

ہو تو دونوں کا ثواب حاصل ہے۔ ایسا ہی اگر طواف کے بعد فرض نماز یا سنت راتبہ پڑھے تو طواف کا دو گانہ نکل آتا ہے۔ اگر نحر کے دن متمتع یا قارن متعہ یا قران کے لئے ذبح کرے تو اضحیہ اور ہدی واجب بھی ادا ہو گیا۔

مسئلہ (منع اور مستجب امور) :

جو امور اضحیہ میں جائز اور منع اور مستحب ہیں عقیقے میں بھی اسی طرح ہے مگر عقیقے کا چمڑا اور سرا اور ردی اجزا بیچ ڈالے اور اس کی قیمت خیرات کر دے تو درست ہے اور اونٹ گائے میں شرکت ناجائز۔ اضحیے میں اونٹ گائے افضل ہے اور بقول "نہایہ" عقیقے میں بکری افضل ہے۔

مسئلہ (فرعہ اور عتیرہ کی اصل):

فرعہ اور عشیرہ سنت نہیں اور مکروہ بھی نہیں۔ چاہے کرے چاہے نہ کرے۔ جاہلیت میں یعنی قبل اعلان نبوت اوٹنی کو جو بچہ پہلے ہوتا اسے ذبح کرتے اور اس کو فرع کہتے۔ اور رجب میں بھی قربانی کرتے اس کو عشیرہ کہتے تھے۔ حضرت نے فرمایا اسلام میں فرع ہے نہ عشیرہ یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ عتیرہ ہے۔

کتاب الجہاد

کتاب الجہاد پر عبادات کا بیان اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ جہاد افضل عبادتوں میں سے ایک ہے اسلئے اس کا بیان عبادتوں کیساتھ کیا جارہا ہے۔ لغت میں کوشش کرنا اور طاقت ووسائع خرچ کرنے کو جہاد کہتے ہیں جہاد جاھد کا مصدر ہے اس کا مادہ جھد ہے اور اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کی خاطر کافروں سے لڑنے کو جہاد کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں جو باغی یا چور ہوں ان سے جہاد نہیں ہوتا ہے کیونکہ جہاد کفار سے ہوتا ہے بلکہ باغیوں وغیرہ سے قتال ہوتا ہے۔ قتال اور جہاد کے درمیان نسبت عموم مطلق ہے۔ جہاد تین مواضع میں فرض عین ہوجاتا ہے پہلا:۔ جب کفار جنگ میں لڑنے کو آمادہ ہوجائیں اور دونوں لشکروں کی صفیں آمنے سامنے جمع ہوجائیں۔ مقام جنگ سے اس وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنا حرام ہوتا ہے یا دوسرا موضع یہ ہیکہ کفار بستی پر مسلمانوں کی چڑھ آئیں تو وہاں کے لوگوں پر ان سے قتال کرنا اور ان کو دفع کرنا فرض ہوتا ہے یا تیسرا یہ ہیکہ امام سب کو لڑنے کے لئے نکلنے کا حکم کرے اور ان کو عذر نہ ہو تو جہاد فرض ہوجاتا ہے۔ اگر بعض لڑنے کو تیار ہوں اور ان سے کام نکل آتا ہے اور بادشاہ نے عام حکم نہیں دیا ہے تو باقی مسلمانوں پر فرض نہیں یعنی ابتداء اس کا حکم فرض عین ہوتا ہے پھر جب ضرورت کے مطابق افراد جمع ہوں تو باقیوں سے اس کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے البتہ حصول ثواب کی خاطر وہ شریک ہوسکتے ہیں ۔ ہاں ان کو بھی سنت موکدہ ہے۔ اگر کوئی بھی اس کام کو تیار نہ ہو تو سب گنہ گار تارک فرض ہیں۔ اگر امام کسی حادثے میں مسلمانوں کے جمع کرنے کو منادی کردے تو بے عذر کو حاضر ہونا لازم یعنی فرض ہے مشورت کے واسطے ہو یا کسی اور کام کو اسلئے کہ جنگ کی تیاری خفیہ طور پر ہوتی ہے اور جہاد کرنا فرض ہے۔

مسئلہ (جہاد اور شہادت کی فضیلت)

بعد فرض کے **نفل عبادت جہاد** سب سے **افضل** ہے امام احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا مجھے فرائض کے بعد جہاد سے بہتر کوئی عمل نہیں معلوم ہے اور اسی طرح کا بیان احادیث سے بھی ثابت ہے۔ **اس کے بعد جہاد میں مال خرچ کرنا بہتر ہے۔ اور دریا کی لڑائی خشکی کی لڑائی سے افضل ہے۔** شہادت سوائے **قرض کے سب گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اور دریا کی شہادت سے قرض بھی معاف ہو جاتا ہے** کیونکہ بحری جہاد میں زیادہ مشقت اور خطرہ ہوتا ہے کہ اسمیں دشمن اور غرقابی دونوں کا خطرہ ہوتا ہے اور اس میں فرار کا کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے

مسئلہ (شروط فرضیت جہاد)

یہاں سے سات شروط فرضیت جہاد بیان ہوں گے **جہاد فرض ہے۔ اُس مرد پر** یعنی جہاد مرد پر فرض ہوتا ہے اور عورت و خنثی مشکل پر فرض نہیں ہوتا ہے **جو مسلمان اور آزاد اور مکلف اور تندرست ہو** مسلمان، عاقل اور بالغ ہونا تو ہر عبادت کی فرضیت کے شرائط میں داخل ہے۔ کافر تو جہاد میں غیر مامون ہے۔ بچے اور دیوانے سے جہاد کی ادائیگی محال ہے۔ غلام پر جہاد اسلئے فرض نہیں ہیکہ جہاد میں لمبی مسافت طئے کرنا پڑ سکتا ہے جیسا کہ حج میں بھی ہوتا ہے جو غلام کو آقا کی خدمت سے مانع ہے۔ اندھے، لنگڑے شخص اور مریض پر جہاد فرض نہیں ہے۔ اندھے کیلئے تو قتال کرنا محال ہے۔ لنگڑے کو سواری کرنا اور لمبی مسافت چلنا محال ہے۔ شدید مرض میں مبتلاء شخص کیلئے بھی جہاد کرنا محال ہے۔ البتہ صداع خفیف یا کوئی اور خفیف مرض ہو تو جہاد کی فرضیت اس پر سے ساقط نہیں ہوگی۔ **اور اگر جہاد اتنی مسافت پر ہو کہ** اس میں نماز قصر نہ ہوتی ہو اور مجاہد **اس قدر مال رکھتا ہو کہ اس کی ضروری حاجتوں کے سوا اس کو اور اس کے**

غیبت میں آنے تک اس کے اہل کافی ہو تو اس پر جہاد کرنا فرض ہے اور اسمیں سواری شرط نہیں ہے کیونکہ وہ قریبی سفر ہے۔ اور اگر سفر قصر ہو یعنی اگر سفر اتنی مسافت کا ہو کہ جس میں نماز قصر ہو تو اپنے اور اپنی عیال کے خرچ کیساتھ سواری بھی شرط ہے معلوم ہوا کہ جہاد فقیر پر واجب نہیں ہوتا ہے سوائے اس کے کہ جہاد شہر کے دروازے یا آس پاس ہو رہا ہو تو اس پر واجب ہو جائے گا۔ عورت اور کافر اور غلام اور لڑکے اور دیوانے اور بیمار پر فرض نہیں۔ ایسا ہی اندھے یا ضعیف بصارت والے جن کو ہتھیار کے وار سے بچنا ممکن نہ ہو پر فرض نہیں۔ کانے افراد پر جہاد فرض ہو گا اور لنگڑے پر فرض نہیں ہو گا یہاں لنگڑاہٹ سے مراد ایسا شدید نقص ہے جو چلنے اور سواری کرنے سے مانع ہو ورنہ معمولی نقص والے پر جہاد فرض ہو گا یا ایسا شخص جس کی اکثر انگلیاں نہ ہوں یا انگوٹھا نہ ہو جس کی وجہ سے اب وہ دشمن پر زخم نہیں لگا سکتا ہے۔ البتہ پیر کی انگلیوں کا نہ ہونا مانع نہیں ہے۔ سطور بالا میں ضروری حاجتوں کا ذکر آیا اسلئے حضرت مصنف نے اس کی وضاحت یوں بیان کی کہ: ضروری حاجتیں قرض کی ادائی ہے اور مکان اور لباس اور اس کے سوا۔ جس طرح حج کے باب میں بیان ہو چکا۔

مسئلہ (ماں باپ یا قرض خواہ کی اجازت کے بغیر نفل جہاد)

جس کے ماں باپ موجود ہوں یا ایک ان میں سے اور وہ مسلمان حر ہوں تو ان کی بے اجازت نفل جہاد کرنا منع ہے اسلئے کہ برِوالدین فرض عین ہے۔ اگر والدین دونوں آزاد اور مسلمان ہوں تو دونوں کی اجازت لی جائے اور ان میں سے ایک مسلمان ہوں تو ایک کی اجازت لی جائے۔ اگر وہ مسلمان اور آزاد والدین کی اجازت کے بعد نفلی جہاد کیلئے نکل گیا پھر تھوڑی دور جانے کے بعد انھوں نے اسے منع کیا جبکہ ابھی جہاد متعین نہیں ہوا تھا تو اس کو پلٹ آنا واجب ہے۔ اگر وہ

کافر ہوں یا دیوانے یا غلام یا جہاد فرض عین ہو تو ان کی اجازت لینا لازم نہیں ہے یا ماں باپ موجود نہ ہو مگر جد اور جدہ ہوں تو ان سے اذن لینا ضرور نہیں۔ کفار والدین سے اجازت لینا عمل صحابہ سے ثابت نہیں ہے۔والدین غلام ہوں تو ان کی ولایت معدوم ہو جاتی ہے اور اگر مجانین ہوں تو ان کے حکم کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے۔ جد اور جدہ سے اجازت لینا اخبار سے ثابت نہیں ہے بلکہ اجازت لینا تو والدین سے ثابت ہے۔ یہاں سے فرض کفایہ جہاد یا نفلی جہاد میں والدین سے اجازت لینے کی وجہ بیان ہو رہی ہے: کیوں کہ ماں باپ کی خدمت فرض عین ہے اور فرض کفایہ پر مقدم۔ جو شخص قرضدار ہو اور اس کے پاس ادائی کے موافق مال نہ ہو تو وہ اپنے قرض خواہ کی بے اجازت نہ جائے اگرچہ قرض مؤجل ہو کیونکہ جہاد میں شہادت ہو سکتی ہے اور جان کے فوت ہونے سے قرضدار کا حق بھی فوت ہو جائے گا۔ اگر ادائی میں کوئی مال رہن رکھ دے یا کسی تونگر کو کفیل کر دے تو جائز ہے اسلئے کہ ایسا کرنے سے قرضخواہ کا حق فوت نہ ہو گا۔

مسئلہ (ثغر اور رباط)

جس بستی والوں کو دشمن ستاتے ہوں یا ان کو دشمن کا ڈر ہو۔ اسکو ثغر کہتے ہیں۔ وہاں کی حفاظت کرنے کا نام رباط ہے یہ رباط خیل سے ماخوذ ہے جو جہاد کیلئے بندھے ہوئے گھوڑوں کیلئے مستعمل ہے۔ اس کا بڑا ثواب ہے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہیکہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا رباط مجھے مسجد حرام یا مسجد نبوی صل اللہ علیہ و آلہ وسلم میں لیلۃ القدر پانے سے زیادہ پسند ہے۔ کم سے کم ایک ساعت میں بھی اجر حاصل ہے۔ اور پوری حفاظت چالیس دن ہے۔ جہاں زیادہ دشمن کا خوف ہو وہاں کی حفاظت میں اجر بھی زیادہ ہے۔ اور مکہ میں رہنے سے ایسی جگہ یعنی ثغر میں رہنا افضل۔ اپنے اہل کو یعنی بیوی بچوں کو جو اہل ثغر نہ ہوں خوف کی جگہ یعنی ثغر لیجانا مکروہ ہے۔

مسئلہ (میدان جہاد سے بھاگنا)

مسلمانوں کو جہاد میں ثابت قدم رہنالازم ہے-میدان جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ بھاگنے کی تعریف اور اسکا حکم حضرت مصنف نے یوں یکجابیان فرمایاہیکہ: **مسلمانوں کو دوچند کافروں سے بھاگنا جائز نہیں۔ ایک ہو تو دو سے نہ بھاگے، اگرچہ اپنی ہلاکت کا ڈر ہو۔ لڑائی کی داؤ کے لئے** مثلاً تنگ جگہ سے کشادہ جگہ جانا یا جہاں پانی نہ ہو وہاں سے پانی کے مقام پر جانا یا صفیں درست کرنے کی خاطر بھاگنا یادشمن سے بچنے پہاڑ کی آڑ میں جانا **یا اپنے لوگوں میں مل جانے کو ہو تو مضائقہ نہیں۔ اگر کافر دوچند سے زیادہ ہوں تو جان کے** تلف ہونے کے خدشہ کیساتھ **بھاگنا حرام نہیں** مگر جان کے تلف ہونے کا ظن نہ ہو **تو ثابت قدم** رہنا سنت ہے اور واجب نہیں ہے اور ان میں ہر دو صورتوں میں یعنی جب کفار دوچند سے زیادہ ہوں اور جان کے تلف ہونے کا خدشہ ہو یا نہ ہو **ثابت قدمی اولیٰ ہے** تاکہ شہادت کا مرتبہ حاصل ہو اور مقبولین بارگاہ میں شمار ہو۔

مسئلہ (ہجرت)

دار الحرب یعنی **کافروں کے ملک سے نکل کر مسلمانوں کی بستی میں آرہنا ہجرت کہلاتا ہے۔ جہاں کفر یا بدعت کا غلبہ ہو اور مسلمان وہاں اپنے دین کو ظاہر نہ کرسکے تو اس جائے سے نکل جانا واجب ہے** اسلئے کہ امور دین قائم کرنا واجب ہے اور اسکی تکمیل ہجرت سے ہوتی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہیکہ واجب کی تکمیل کا انحصار جس چیز پر ہوتا ہے وہ بھی واجب ہوتی ہے "ومالایتم الواجب الا بہ فھو واجب"۔ لہٰذا ہجرت بھی واجب ہے۔ **اگر وہاں سے نکلنے کی قدرت نہ ہو تو معذور ہے** لیکن شرح منتہٰی میں ہیکہ ہجرت میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں یعنی اگر عورت عدت میں ہے یا اسکے پاس

سواری یا محرم نہیں ہے تب بھی ہجرت کرنا چاہئے۔اسی طرح کا مفہوم الا قناع میں بھی بیان ہوا۔ رفض اور خروج اور اعتزال اور اس کے مانند سب بدعتیں ہیں۔ اگر وہیں رہ کر اپنے دین کو ظاہر کر سکتا ہے تو اس کو ہجرت سنت ہے تا کہ کفار کی تکثیر اور ان کی مخالطت اور ان کے برے افعال دیکھنے سے تخلص حاصل ہو اور مسلمان بستی کی اعانت ہو اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو۔

مسئلہ (وہ چیزیں جو امام پر جہاد میں لازم ہیں)

جب امام سب کو ساتھ لیکر جہاد کو نکلے یا کوئی لشکر روانہ کرے تو پہلے ان کے حال سے آگاہ ہولے کیونکہ اس میں بہت حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ جو سوار یا پیادہ لڑائی کے لائق نہ ہو مثلاً: وہ ضعیف ہو یا اندھا ہو تو اس کو جانے نہ دے۔ لڑائی میں جو شخص کم جرات اور ڈرنے والا ہو جیسے یہ کہنے والا کہ مسلمانوں کے لشکر ہلاک ہوگئے اور ان کی کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا یا دوسروں کو ڈرانے والا اور ہمت گھٹانے والا ہو جیسے یہ کہنے والا کہ گرمی یا سردی بہت ہے یا مشقت بہت ہے یا مسلمانوں کی چھپی خبریں کافروں کو سناتا ہو کہ مسلمانوں کے لشکر کے راز بتلاتا ہو یا اور کسی طرح کا فتنہ اُٹھاتا ہو یا جسکا منافق یا زندیق ہونا معروف ہو تو ایسے شخص کو ساتھ نہ جانے دے اور ہر قوم کے لئے نقیب مقرر کرے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یوم خیبر ہر دس لشکریوں پر ایک نقیب مقرر فرمایا تھا۔ اور نشان اور جھنڈیاں ان کے پاس دے جھنڈا مربع یعنی چوکور ہونا چاہئے۔ مستحب یہ ہیکہ جھنڈا سفید ہو مگر جوق کے علم کا رنگ مختلف ہونا چاہئے تا کہ اس جوق کی پہچان ہو سکے اور معرکے کیلئے بہتر جگہ مقرر کرے جہاں سے دشمنوں کے آنے کا ڈر ہو تا کہ وہ اپنے دشمن پر ان کی غفلت میں حملہ آور ہوں، اس جگہ کو محفوظ رکھے اور دشمن کا حال

دریافت کرنے کو جاسوس روانہ کرے تاکہ دشمنوں کا کوئی حربہ پوشیدہ نہ رہے اور اس سے بچاؤ کی تیاری فرصت میں کی جائے۔

مسئلہ (وہ چیزیں جو لشکر پر جہاد میں لازم ہیں)

مسلمانوں کو امیر کی اطاعت کرنا لازم ہے اسلئے کہ قرآن حکیم میں ہیکہ واطیعوا اللہ والرسول واولی الامر منکم یعنی اللہ اور رسول صل اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ نیز امیر کو نصیحت کرنا بھی لشکریوں پر لازم ہے اور وہ امور جو امیر سے مخفی ہیں ان سے امیر کو واقف کروانا بھی لازم ہے کیونکہ امیر کو نصیحت کرنا مسلمانوں کو نصیحت کرنے کی طرح ہے کہ وہ مسلمانوں سے ضرر کو دفع کرتا ہے **اور اس کے ساتھ صبر کرنا** کیونکہ صبر نصرت اور کامیابی کی کلید ہے **اور اس کی اجازت سے لڑنا لازم ہے** اسلئے کہ امیر اپنے لشکر کے حال اور دشمنوں کے حال سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ اگر کوئی امیر کی اجازت کے بغیر جلد بازی میں دشمن سے لڑے تو ممکن ہے کہ وہ دشمن کے ہاں پھنس جائے اور ہلاک ہو جائے۔ **اگر یکایک دشمن آلڑیں کہ اذن لینے کی فرصت نہ ملے تو ان سے لڑنا ہی مصلحت ہے** نیز اس وقت لڑنا فرض عین ہے اور یہاں لڑنے میں تاخیر کرنے میں ضرر کا امکان زیادہ ہے۔ **کفار پر شب خون مارنا** یعنی رات میں ان پر حملہ آور ہو کے ان کو قتل کرنا جبکہ وہ غافل ہوں **اور گوپن چلانا** یعنی منجنیق چلانا **اور اس کی مانند** دیگر تدابیر اختیار کرنا مثلاً ان پر پانی بند کرنا سب جائز ہے۔ **اگرچہ اس میں بے قصد کوئی بچہ یا اس کے مانند مارا جائے** المغنی میں ہیکہ اگر کفار پر غلبہ بغیر اس عمل کے نہ ہو کہ جس میں بے قصد کفار کے بچے یا عورتیں مارے جائیں تو اس حالت میں حملہ کرنا جائز ہے۔

مسئلہ (کس کو مارنا جائز نہیں)

کافروں کے بچے اور کافر عورت اور خنثیٰ اور اندھا اور بہت بوڑھا اور جو جگہ سے نہ ہل سکے اور راہب اور دیوانہ کو مارنا جائز نہیں کیونکہ یہ اہل قتال نہیں ہیں۔ خنثیٰ کے بارے میں یہ احتمال ہیکہ وہ عورت ہے لہٰذا اسے بھی قتل نہ کیا جائے ۔ہاں اگر کوئی ان میں لڑنے والا ہو یارائے بتانے والا یا اور ان کو لڑائی پر آمادہ کرنے والا تو منع نہیں اسلئے کہ درست رائے دینا جنگ میں بہت بڑی مدد ثابت ہو سکتی ہے ۔ راہب وہ جو عبادت کو گوشہ گزیں ہو۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ہاتھ آنے سے مملوک ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کو لڑنے کی قدرت نہیں، ضعیف اور عاجز ہیں۔ ان کا مال میں شمار ہے لہٰذا ان کو قتل کرنا اتلاف مال ہے۔ تقسیم کے وقت مسلمان سپاہیوں کو بانٹ دیئے جائیں گے۔

مسئلہ (گرفتار ہونے والے کافر)

جو مرد لڑنے والے ہوں اور وہ مغلوب اور گرفتار ہو جائیں تو کسی کو یہ اختیار نہیں کہ انہیں قتل کرے حتیٰ کہ انہیں امام کے پاس لایا جائے۔ اگر زبردستی کرنے اور مارنے کے باوجود اسیر امام کے پاس نہ چلے یا وہ بھاگ جائے یا اسکے بھاگ جانے کا خوف ہو تو وہ اس سے قتال کیا جائے یا وہ بیمار ہو یا اسکے ساتھ بیمار ہو جائے یا زخمی ہو جائے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ اس کو زندہ چھوڑنے میں مسلمانوں کیلئے ضرر ہے اور کفار کیلئے تقویت ہے تو امام کو اختیار ہے چاہے ان کو مار ڈالے یا بردہ بنا رکھے یا مفت چھوڑ دے یا مال لیکر یا اس کے بدلے اپنا مسلمان قیدی چھڑا لے۔ غرض کہ ان پانچ امور میں جو بہتر ہو وہی عمل کے لائق ان امور میں سے امام جو بھی اختیار کرے تو وہی متعین ہو گا کیونکہ ہر قیدی کے احوال کے لحاظ سے مناسب امر کا لحاظ امام رکھے گا اور کسی کو بھی اس کے متعین کردہ امر کو منسوخ کرنے کا حق نہیں

مگرامام پر یہ واجب ہیکہ وہی امر اختیار کرے جو مسلمانوں کے حق میں اصلح ہو۔ مثلاً: بعض وہ ہوتے ہیں جن کیلئے مسلمانوں میں نخوت ہوتی ہے توان کو قتل کرنا اصلح ہے بعض وہ کہ جو کمزوراور صاحبِ مالِ کثیر ہوتے ہیں توان کو مال لے کر چھوڑنا اصلح ہے بعض وہ جو مسلمانوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں اورانکے مسلمان ہونے کی امید ہوتی ہے توان پر احسان کرکے چھوڑنا اصلح ہے بعض وہ کہ جن کی خدمت سے فائدہ لیا جاتا ہے اوران سے شر کی امید نہیں ہوتی ہے توان کو بردہ بنانا اصلح ہے۔ **خلاف مصلحت خواہش کے موافق کرنا جائز نہیں** مثلاً کسی قیدی کو قتل کرنے میں واضح مصلحت ہو اور اپنی خواہش سے اسے آزاد کر دینا جائز نہیں ہے۔ **جس کو غلام بنالیا ہو پھر اسے کافر کے ہاتھ نہ بیچے اگرچہ وہ مسلمان نہ ہوا ہو** کیونکہ مسلمانوں کے پاس رہنے سے اس کے اسلام قبول کرنے کی جو امید ہوتی ہے وہ کفار کے ہاتھ اسکو بیچنے سے ختم ہو جاتی ہے اوراگر غلام نے اسلام قبول کر لیا تو اسکو بطریق اولیٰ کافر کے ہاتھ نہ بیچے۔

مسئلہ (کفار کی نابالغ اولاد کب مسلمان شمار ہو گی)

اولاد کفار میں جو نابالغ ہو وہ تین صورتوں میں مسلمان گنا جاتا ہے۔ایک یہ کہ اس کا باپ یاماں دو میں سے کوئی مسلمان ہو کیونکہ وہ اس وقت مسلمان کا تابع ہو کر مسلمان کہا جائے گا۔ **دوسری صورت یہ اس کے ماں یا باپ دو میں سے کوئی دار السلام میں مر جائے یا موجود ہی نہ ہو** یا اسکے والدین میں کسی ایک کی موت بھی نہ ہوئی ہو مگر وہ موجود بھی نہ ہو مثلاً اگر کسی ذمیہ سے کوئی زنا کرے اور وہ بچہ جنے تو وہ مسلمان ہے کیونکہ اسمیں تابع کا انقطاع ہو گیا ۔ **تیسری صورت یہ** کہ اسکے والدین میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو اور **فقط بچہ ہی مسلمان کے ہاتھ لگ جائے۔ اس کے ساتھ ماں اور باپ کوئی نہ ہو** کیونکہ دین تابع ہونے سے بھی ثابت ہوتا ہے اور یہاں کوئی اور تابع نہیں ہے اور جب تابع نہیں تو **ماں باپ کی طبیعت** تو جاتی رہی لہٰذا اب وہ دین فطرت پر یعنی اسلام پر شمار کیا جائے گا۔ **دار الحرب**

سے جب نکل گیا تو ایسے شخص کا تابع ہو گیا، جس نے اس کو اسیر کر لیا ہے۔ اگر وہ مسلمان ہے تو لڑکا بھی مسلمان ہے اور جو وہ ذمی ہے تو لڑکے کا بھی انھیں میں شمار ہے۔ اگر ماں باپ دونوں کے ساتھ مل کر اسیر ہوا ہے تو انھیں کے دین پر ہے۔ اس دلیل سے کہ اگر مسلمان کے دونوں کافر باندی غلام سے بچہ پیدا ہو تو وہ کافر ہی سمجھا جائے گا۔ اگر کافر کا بچہ مسلمان کی بچی سے مل جائے اور تمیز نہ ہو کہ کافر کا بچہ کون ہے اور مسلمان کا کونسا ہے تو دونوں کو مسلمان سمجھیں کیونکہ اسلام اعلیٰ ہے اور کافر کو دینے کے لئے قرعہ نہ ڈالیں، اس ڈر سے کہ شاید مسلمان کا بچہ کافر کو مل جائے۔ جو کافر کا بچہ بلوغ کے وقت سے دیوانہ ہو جائے، اس کا بھی لڑکے کا حکم ہے تینوں صورتوں میں جو بیان ہوئے جسطرح نابالغ کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو یا کوئی ایک دار الاسلام میں مر جائے یا کوئی ایک موجود نہ ہو تو وہ مسلمان شمار ہوتا ہے اسی طرح بلوغت کے وقت مجنون ہونے والے کا حکم ہے۔

مسئلہ (مال غنیمت)

غنیمت وہ مال ہے جو کافر یعنی حربی سے جبر اقتال کے ذریعہ لیا جائے یا غنیمت وہ مال بھی ہے جو قتال سے ماخوذ ہو مثلاً: وہ بھاگنے والا جس کو گرفتار کیا جائے یا حربیوں کا امیر کو ہدیہ یا قیدیوں کی رہائی کا فدیہ۔ جب یہ کہا کہ جبر ایا قتال سے لیا جائے تو اس تعریف سے وہ مال نکل گیا جو کفار بغیر قتال جلاء وطن ہو کر یا خوف کے مارے چھوڑ جائیں یا وہ مال جو بطور عشر کے لیا جاتا ہے جب وہ مسلمانوں کے ہاں تجارت کرتے ہیں۔ جب حربیوں کے مال پر مسلمان غالب ہو جائیں تو ان کا قبضہ ثابت ہو گیا اور کافروں کی ملک زایل۔ جب یہ کہا کہ حربی سے لیا جائے تو معلوم ہوا کہ غنیمت میں وہ مال داخل نہیں ہے جو اہل ذمہ سے بطور جزیہ و خراج لیا جائے۔ اب وہ اگر چاہیں تو اس کو دار الحرب میں بھی تقسیم کر

سکتے ہیں اسلئے کہ آقاعلیہ السلام کے دور میں مجاہدین دار الحرب میں غنائم تقسیم کر کے پہنچتے تھے اور خمس غنائم آقاعلیہ السلام کو پیش کرتے تھے لیکن آقاعلیہ السلام منع نہیں فرماتے تھے۔ جو شخص لڑنے کے لائق ہو اور لڑائی میں جہاد کی نیت سے حاضر رہا ہو یعنی جو لڑنے کو تیار ہو اور اسکے پاس اسلحہ بھی موجود ہو تو وہ غنیمت میں شریک ہے خواہ لڑا ہو یا نہ مثلاً لشکر میں جو تجارت کرتے ہوں مگر لڑنے کو تیار ہوں تو وہ بھی سپاہیوں میں محسوب ہیں اسی طرح لشکر میں موجود درزی، لوہار، جانوروں کا معالج، موچی، قلی، تاجروں کا ملازم جو لڑنے کو تیار ہوں سپاہی میں محسوب ہوں گے۔

مسئلہ (سلب کی تقسیم) :

جو مسلمان لڑائی میں کسی کافر کو مارے یعنی قتل کرے یا زخمی کر کے گرادے یعنی کافر کو مقتول کے حکم میں بنادے تو اس کافر کا سلب وہی لے۔ سلب اس مال کو کہتے ہیں جو اس مقتول کے جسم پر ہے لباس ہو یا زیور یا ہتھیار خواہ تلوار ہو یا زرہ یا خود یا اس کے سوا اور اس کا گھوڑا جس پر سوار ہو کے لڑا ہو اور گھوڑے کا سامان سب سلب میں شامل ہے سلب میں خمس بھی نہیں آتا ہے ۔ کوتل یعنی اضافی گھوڑا جو اس کے ساتھ ہو اور اس کا خیمہ اور دور سامان اور روپے یہ سب غنیمت میں داخل ہے یعنی سب مسلمانوں کا حصہ ہے اور قاتل بھی اس میں سب کے برابر کیونکہ سلب میں کافر کے ملبوسات اور وہ چیزیں جس سے وہ قتال میں مدد لیتا ہے یا جو اسکے تحت ید ہیں، داخل ہوتے ہیں۔

مسئلہ (مال غنیمت کی تقسیم) : سلب کے بعد حمال، قلی، خازن وغیرہ کی اجرتیں نکالے۔ پھر غنیمت کے پانچ حصے کرے اور غنیمت میں سے امام یا اس کا نائب خمس یعنی پانچواں حصہ نکال لے اور باقی چار حصے تقسیم کر دے۔

اس کی تقسیم یعنی ان چار اخماس کی تقسیم مجاہدین میں اس طرح ہے کہ پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو تین حصے۔ ایک حصہ اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ جس سوار کا عربی گھوڑا ہو اس کا یہی حکم ہے اور اگر گھوڑا عربی نہ ہو تو اس سوار کو دو حصے دیں۔ ایک اس کا ایک گھوڑے کا۔ عربی گھوڑے کو عتیق کہتے ہیں اور جسکا باپ عربی ہو اس کو یھین یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ ھجین ہے اور ماں عربی ہو تو اس کو متصرف یہ بھی کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ مقرف ہے اور دونوں بھی عربی نہ ہوں تو برذون ۔ یہ تینوں بھی عربی نہیں۔ اگر کسی کے پاس کئی گھوڑے ہوں تو گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا زیادہ نہیں۔ گھوڑے کے سوا اونٹ اور خچر اور ہاتھی اور اس کے سوا کسی کو حصہ نہیں کیونکہ اسی طرح رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے۔

مسئلہ (حصہ کس کو دیا جائے اور ترتیب تقسیم)

حصہ اس کو ملے گا جس میں چار شرطیں ہوں۔(۱)اسلام(۲) عقل (۳)بلوغ(۴)حریت دیوانے اور نابالغ کے جہاد کرنے میں مصلحت نہیں ہے۔ جس غلام کو اس کے آقا نے اجازت نہ دی اس کو اسلئے حصہ نہ دیا جائے کہ اس نے اپنے آقا کی نافرمانی کی۔اس کافر کو بھی نہ دیا جائے جس کو امام نے شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔ خواہ پیدل ہو یا سوار۔ اگر ان میں سے کوئی جہاد میں حاضر ہو چاہے وہ عورت ہو یا خنثی یا لڑکا یا غلام اور امام حسب مصلحت اس کو کسی قدر دے تو جائز ہے یعنی جتنا وہ معرکہ میں مسلمانوں کو فائدہ مند ثابت ہوں ان کو اسی قدر دیا جائے پھر چاہے وہ کافر ہی ہو مگر ان میں سے کسی پیدل کو پورا پیدل کا حصہ اور سوار کو پورا سوار کا حصہ نہ دے۔ حصے کو سہم کہتے ہیں اور جو حسب مصلحت دیں اس کو رضح یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ رضخ ہے۔ سہم رضخ سے اکمل ہے لہٰذا جو بطور رضخ دیا

جائے وہ سہم سے کم ہونا چاہئے جیسا کہ تعزیر اور حد میں بھی ہوتا ہے **اور نفل اور کسی مصلحت کو جعل بھی جائز ہے۔** نفل انعام کو کہا جاتا ہے یعنی کسی کو اس کے سہم سے بڑھکر کچھ مال مصلحت کے تحت دینا نفل کہلاتا ہے۔ اس انعام کو جعل اور انعام حاصل کرنے والے کو مجعول اور انعام دینے والے کو جاعل کہتے ہیں **مثلاً یوں کہنا جو ہمیں راستہ بتائے یا دشمن کی خبر لائے تو ہم اس کو اس قدر دیں گے۔** اس کا بیان باب الجعالہ میں مذکورہ ہو گا۔ یہاں سے حضرت مصنف غنیمت کی تقسیم بتا رہے ہیں: **غرض کہ** یعنی اب تک کا خلاصہ یہ ہیکہ غنیمت میں سے سب سے **پہلے سلب اور جعل** دیا جائے اس کے **بعد** تقسیم شروع کرنے سے بھی **پہلے مال غنیمت اُٹھا لانے اور جمع کرنے اور حفاظت کرنے کی مزدوری نکال کر جو باقی رہے اس کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ جدا رکھے** یہ حصہ خمس ہے اسکی تقسیم حضرت مصنف اگلے مسئلہ میں بتانے والے ہیں۔ **باقی چار حصوں میں سے رضح** یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ رضخ ہے **اور نفل دینے کے بعد جو کچھ ہے اس کو گزشتہ طور پر برابر تقسیم کر دے۔** حدیث شریف میں آتا ہے کہ رضخ وغیرہ خمس نکالنے کے بعد دیا جائے یعنی خمس نکالنے کے بعد چار حصوں میں سے رضخ اور نفل دیا جائے پھر یہ دینے کے بعد جو کچھ مال غنیمت بچ جائے اس کو مجاہدین میں تقسیم کیا جائے جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر گئی۔

مسئلہ (خمس)

خمس جو باقی ہے اس کے بھی پانچ برابر حصے کرے ایک حصہ خدا اور رسول علیہ السلام کا اور ایک ذوی القربیٰ کا یعنے رسول خدا کے قرابت والوں کا وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ **ایک حصہ ان یتیموں کا جو محتاج ہوں۔ ایک حصہ مسکینوں کا۔ ایک حصہ ابن السبیل** یعنے **مسافروں کا۔** اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حصہ

ایک ہی ہے **اللہ تعالیٰ کا نام برکت کے لئے ہے جو کچھ دنیاو آخرت میں ہے سب اس کا ہے** گویا یہ حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے اور آپ علیہ السلام کا حصہ آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی ساقط نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ باقی ہے اور جو خلافت آپ کے بعد ہوگی یہ اسکا حصہ ہے۔اس طرح **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ فئے کے محل پر خرچ کریں یعنے وہ بھی** اسلحہ اور گھوڑوں میں اور **مسلمانوں کی مصلحت کے دیگر کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ فیئے کا بیان آگے آئے گا۔** اگلا خمس الخمس جو ذوی القربیٰ کا حصہ ہے وہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال کے بعد ساقط نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا کوئی ناسخ وارد نہیں ہوا ہے **ہاشم اور مطلب دونوں عبد مناف کے بیٹے ہیں۔ انھیں دونوں کے اولاد کو دینا چاہیئے ۔** رسول اکرم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی ہیں ۔بنو مطلب نے بنو ہاشم کی موافقت اور نصرت کی اسلیئے ان کو بنو ہاشم کیساتھ شامل کیا جاتا ہے **ان کے دوسرے بھائیوں کو نہیں۔ اس کا بیان زکات میں بھی ہوا ہے خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر** کیونکہ آپ علیہ السلام نے ان میں فقراء کی تخصیص نہیں فرمائی ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے غنی افراد جیسے عباس رضی اللہ عنہ کو بھی دیا۔ جہاں **ہو ان کو دینا ضروری ہے۔ اگر ہر جگہ میں ہر ایک کو پہنچانا نہ ہو سکے تو جس قدر کو ان میں سے دے سکتا ہو** کیونکہ وہ اس مال کے مستحق ہیں تو ان کو دینا ایسا ہی واجب ہے جیساتر کہ میں ورثاء کو دینا واجب ہوتا ہے **مرد ہوں یا عورتیں۔ مرد کو دو حصے ، عورت کو ایک ، جہاد کریں یانہ کریں** کیونکہ یہ تخصیص آیت میں نہیں ہے۔ **یتیم** وہ لڑکا یالڑکی ہے جو نابالغ ہو **جس کا باپ نہ ہو** یعنی باپ زندہ نہ ہو اگرچہ ماں زندہ ہو۔ **جب بالغ ہو جائے تو یتیم نہیں** یتیم کا لفظ عرف عرب میں رحمت کیلیئے آتا ہے یعنی یتیم میں حاجت مندی کا اعتبار ہوتا ہے اسلیئے اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا **اگر وہ یتیم محتاج** ہی **نہ ہو تو نہ دے اور جو محتاج لڑکے کا باپ زندہ ہو تو اس کو نہیں** یعنی نابالغ کو مالک

بنانے کے بجائے اسکے باپ کو دینا چاہئے کہ اس کا باپ خود یا تو فقیر ہو گا یا مسکین ہو گا۔ **مسکین سے مراد محتاج ہے۔** یہاں مسکین سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اپنی ضروریات کے بقدر مال موجود نہ ہو چاہے وہ فقیر بھی ہو **زکات میں فقیر اور مسکین دو گروہ گئے جاتے ہیں۔ یہاں اور دوسرے احکام میں دونوں ایک نوع ہیں۔ ابن سبیل مسافر ہے۔ ان کی تفصیل زکات میں مذکور ہے** ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور ابناء اسبیل میں سے ہر ایک کا مسلمان ہونا ضروری ہے کیونکہ خمس اللہ کی طرف سے عطیہ ہے۔ کافر کا خمس اور زکات میں کوئی حق نہیں ہے۔ **ذوی القربی کی طرح ان میں سے ہر اک فریق کو حسب امکان۔ ہر ہر شہر میں ان کا حصہ پہنچانا لازم ہے۔** کیونکہ ان میں سے ہر ایک نوع خمس کی مستحق ہے جسطرح وراثت کا مال ورثاء تک پہنچانا واجب ہے اسی طرح یہ بھی واجب ہے لہٰذا امام کو چاہئے کہ مختلف قطعوں میں اپنے عمال کے ذریعہ مستحقین تک خمس پہنچائے۔

مسئلہ (دار الحرب اور دار الاسلام میں سریہ کے غنیمت میں فرق)

سریہ وہ چھوٹا دستہ ہوتا ہے جو دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینا بھیجا جاتا ہے۔ **جب دار الحرب میں لشکر اسلام جمع ہو اور پھر اس لشکر میں کوئی سریہ ایک یا زیادہ، ادھر اُدھر کا کافروں پر روانہ ہو تو وہ دونوں باہم شریک ہیں** یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کے غنیمت میں شریک ہیں ایک لشکر کی کسی بھی جماعت کا لایا ہوا غنیمت فقط اس جماعت کا نہیں ہو گا بلکہ وہ سارے لشکر کے غنیمت میں ملا دیا جائے گا۔ **سریہ چھوٹی جماعت ہے جو لڑائی کو نکلے یعنے ہر ایک جماعت جو لوٹ لائی ہے اس میں تمام لشکر شریک ہے۔ اور لشکر کو جو اس جماعت کی غنیمت میں ملا ہے اس میں ان کا بھی حصہ ہے۔ اگر امام دار السلام سے دو شکر یا دو جماعتیں دو طرف کو روانہ کرے تو وہ دونوں باہم شریک نہ**

ہونگے، جس کو ملے وہ اس کا ہے اسلئے کہ اب ہر جماعت کی ایک انفرادی حیثیت ہے جبکہ سابقہ صورت میں ہر جماعت لشکر اسلامی کا حصہ تھی۔

مسئلہ:(سریہ کے حصوں کی مقدار)

امام جب دار الحرب میں داخل ہو اور وہاں سے کوئی سریہ لوٹنے کو روانہ کرے اور جو کچھ غنیمت یہ جماعت لے کر آئے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد ان کے لئے چوتھائی مال غنیمت کا یا اس سے کم حصے کے سوا مقرر کر دے تو جائز ہے یہ نفل کی ایک قسم ہے۔ یہ چوتھائی اس جماعت کو دینے کے بعد بقیہ مال لشکر کو دیا جائے۔ اور دار الحرب سے پلٹتے وقت اگر کسی سریہ کو بھیجے اور تہائی مال حصے کے سوا انکے لئے انعام ٹھہرا دے تو بھی درست ہے حبیب بن مسلمہ کی روایت کے مطابق رسول اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی داخلہ والی جماعت کو چوتھائی اور پلٹتے وقت بھیجے جانے والی جماعت کو تہائی حصہ دیا تھا اسکو ابو داود نے روایت کیا ہے مگر یہ تہائی اور چوتھائی اس مال کا ہے جو خمس نکالنے بعد باقی رہا ہے۔ امام احمد نے کہا کہ جہاد سے لوٹنے والے اپنی اہل وعیال کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اس جماعت پر واپس دار الحرب جانے میں مشقت زیادہ ہے اسلئے اس جماعت کا نفل داخلہ کے وقت جانے والی جماعت سے زیادہ ہے۔

مسئلہ (غلول اور غال)

غنیمت کا مال یا کوئی چیز اس میں سے چھپا رکھنا غلول کہلاتا ہے یہ بہت بری بات ہے یعنی یہ کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس پر کلام اللہ میں وعید آئی ہے:ومن یغلل یات بما غل یوم القیامۃ،آل عمران 161 جس نے غلول کیا وہ خیانت کی ہوئی چیز قیامت کے دن لے کر آئے گا ۔ ایسے شخص کو کہ جس نے غنیمت کا مال چھپالیا غال کہتے ہیں۔ اس کی سزا

میں اس کا سب سامان جلا دینا واجب ہے کیونکہ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ نبی کریم صل اللہ علیہ و آلہ و سلم اور شیخین کریمین رضی اللہ عنھما نے غال کا سامان جلایا تھا (ابو داود)۔ایک جماعتِ فقہاء نے کہا کہ یہ سزا تعزیری ہے اور حدّ واجب نہیں ہے اسلئے امام اس کی سزا میں حسب مصلحت اجتہاد کر سکتا ہے الفروع میں ہیکہ یہ اظہر ہے۔اگر اس نے وہ مال بیچ دیا یا کسی کو تحفہ دیا تو اس کو جلایا نہ جائے کیونکہ یہ غیر کو سزا دینا ہے۔ **مگر ہتھیار اور مصحف اور جاندار چیز اور علم کی کتاب اسمیں مستثنیٰ ہیں اور جو کپڑے وہ پہنا ہوا ہے اور جس چیز کو آگ نہ کھائے اور اس کا روپیہ چھوڑ دیں۔** ہتھیار کی قتال میں ضرورت ہوتی ہے اور قرآن پاک کا احترام واجب ہے اس لئے ان کو نہ جلایا جائے۔رہے کتب علم تو ان کو جلانے میں دین کا نقصان ہے جبکہ یہاں اسکو دنیاوی نقصان پہنچانا مقصود ہے۔جاندار چیز یعنی جانور اور اسکی لگام،زین کو نہ جالایا جائے کیونکہ ان چیزوں کی اسے حاجت ہوتی ہے رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ان کو جلانے سے منع فرمایاہے۔اسی وجہ سے اسکے کپڑے بھی نہ جلائے۔اسکے روپیہ کو اسلئے چھوڑ دیں کہ یہ عادۃ نہیں جلایا جاتا ہے اسی طرح مال غنیمت سے ملنے والے اسکے سہم کو بھی چھوڑ دیں کیونکہ وقت غلول یہ اسکے سامان میں نہ تھا اور نہ غلول کی ہوئی چیز جلائی جائے کیونکہ وہ دوسرے غانمین کا سہم ہے۔اگر غال زندہ نہ ہو، آزاد نہ ہو،مکلف نہ ہو تو اس کا سامان نہ جلایا جائے اسلئے کہ موت کے بعد عقوبتیں ساقط ہو جاتی ہیں اور غلام کا سامان اسکی ملکیت نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے آقا کی ملکیت ہوتا ہے اور غیر مکلف سزا دئے جانے کا اہل نہیں ہے،الاقناع میں ہیکہ غال کو تعزیرا مارا بھی جائے کیونکہ اس نے فعل محرم کا ارتکاب کیاہے۔

مسئلہ :(اراضئ مغنومہ): اراضئ مفتوحہ وہ زمینین ہیں جو کفار سے قتال وغیرہ سے لی جائیں۔ان کی تین قسمیں ہیں۔پہلی: **کافروں سے جو زمین ہاتھ آئی ہو یعنی مسلمان تلوار کے زور سے ان پر غلبہ حاصل کئے ہوں اور ان کو**

وہاں سے نکال دیئے ہوں تو اس میں امام کو اختیار ہے یعنی امام وہ کرے جس میں مسلمانوں کیلئے بہتری ہے اور اپنی مرضی سے کوئی ایسی چیز اختیار نہ کرے جسمیں مسلمانوں کی بھلائی نہ ہو کیونکہ وہ مسلمانوں کا نائب ہے لہٰذا امام چاہے تو اس کو دوسرے مال کی طرح تقسیم کر دے اور ان کو اس زمین کا مالک بنادے۔اس پر خراج عائد نہیں ہو گا کیونکہ یہ غانمین کی ملک ہے اسی طرح جہاں کے لوگ مسلمان ہو جائیں ان اراضی پر بھی خراج عائد نہیں ہو گا جیسے سرزمین مدینہ طیبہ یا اس زمین کو سب مسلمانوں پر وقف کر دے ایسی اراضی کو بیچنا یا ہدیہ کرنا منع ہے جیسا کہ تمام وقوف کا حکم ہے اور اس کا خراج یعنی کرایہ سالانہ ٹھہرا کر جو اس کا خواہاں ہو اس کے حوالے کرے، مسلمان ہو یا ذمی۔ اور وہ کرایہ جو حاصل ہو اس کو مسلمانوں میں بانٹ دے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نصف خیبر غانمین میں تقسیم فرمایا تھا اور نصف وقف کیا تھا۔امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام، مصر، عراق اور اپنی ساری اراضی مغنومہ کو وقف کیا تھا اور تمام صحابہ کرام علیھم الرضوان نے اس پر اقرار کیا تھا۔امام جو بھی کرے اسکے بعد اس کے حکم کو ساقط کرنے یا تبدیل کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ ایسی ہی دوسری قسم وہ زمین جو کافر ہمارے ڈر سے چھوڑ کر چلے گئے ہوں یہ اپنے نفس ظہور کی وجہ سے تمام مسلمانوں پر وقف ہے اور یہ مال غنیمت نہیں ہے اس کا حکم مالِ فئے کا ہے یہی موقف الاقناع اور شرح منتھیٰ میں ہے۔اگر خراج ادا کرنے والے کافر مسلمان بھی ہو جائیں یا کسی مسلمان کے قبضہ میں یہ زمین آجائے تب بھی خراج ساقط نہیں ہو گا یا تیسری قسم کے دو انواع ہیں پہلی یہ کہ کفار سے اس بات پر صلح ہو جائے کہ زمین مسلمانوں کی ملک ہو گی اور کفار اس پر خراج ادا کریں گے اس کا ذکر حضرت مصنف نے یوں کیا ہے: اس بات پر صلح ہوئی ہو کہ اس زمین کے مسلمان مالک رہیں اور اس کو کرایہ سے کافروں کے ہاتھ میں رہنے دیں۔ دوسری نوع یہ کہ کفار سے اس پر صلح ہو جائے کہ زمین ان کے ملک میں رہے اور وہ اسلامی مملکت کو خراج ادا کریں ان کا

خراج دینا جزیہ کی طرح ہے یعنی اگر وہ مسلمان ہو جائیں یا یہ اراضی مسلمانوں کو منتقل ہو جائے تو خراج ساقط ہو جائے گا جیسا کہ جزیہ مسلمان ہونے پر ساقط ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ ذمی یا غیر اہل صلح کی طرف منتقل ہو جائے تو خراج ساقط نہیں ہو گا اور اس کو دار عہد کہا جائے گا اور یہ انہی کی ملک ہو گی لہذا اسمیں کلیسا بنانے یا اسکو بیچنے کی انہیں اجازت ہو گی۔ اور ان پر جزیہ بھی عائد نہیں ہو گا کیونکہ یہ دار الاسلام نہیں ہے جبکہ سابقہ نوع دار الاسلام ہے۔ اب ان اراضی پر مقرر ہونے والے خراج کے بارے میں بیان ہو گا۔ دراصل خراج کی مقدار کی تعیین میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ **خراج اور جزیہ کی مقدار مقرر کرنا امام کے اختیار میں ہے کیونکہ یہ اجرت ہے اور ہر زمانے میں اس کا طور مختلف ہے تو جو مناسب سمجھے کرے** یعنی اسکی تعیین امام کے اجتہاد اور زمین کے حساب سے ہو گی دوسری روایت یہ ہیکہ **جو خراج کی مقدار بزرگ اول والے** یعنی امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ **ٹھہرا گئے ہی اس کو بدلنا جائز نہیں، مگر جب سب بدل جائے تو مضائقہ نہیں۔** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خراج جو المحرر میں بطور اشہر قول پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہیکہ ہر جریب زراعت پر ایک درہم اور ایک قفیز اس کا دانہ لیا جائے الاقناع: والاشھرعنه انه جعل علی جریب الزرع درھما و قفیزا من طعامه۔ کھجور کے درخت کے جریب پر آٹھ درہم، انگور پر دس درہم اور رطب کر جریب پر چھ درہم لیا جائے۔ رعایتین میں ہیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خراج جو کے جریب پر ایک درہم، گندم کے جریب پر چار درہم رطب پر چھ، نخل پر آٹھ، انگور پر دس اور زیتون پر بارہ ہے۔ زحیلی کی کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ میں جریب کی مقدار 48 صاع یا 192 مد بتلائی گئی ہے۔ **خراج اسی زمین کا ہوتا ہے جس میں اس کے لئے پانی ہو، اگرچہ زراعت نہ کی جائے،** یعنی جسمیں زراعت کرنا ممکن ہو تو اس زمین میں خراج آئے گا چاہے اسمیں زراعت کی گئی یا نہ کی گئی اور جس زمین میں اس کیلیئے پانی نہ ہو یعنی زراعت کرنا ممکن نہ ہو تو اس زمین میں پر خراج عائد نہیں ہو گا کیونکہ خراج زمین کا کرایہ ہے تو جس زمین میں کوئی منفعت نہیں اس پر کوئی خراج نہیں ہو گا **مکانوں پر مطلقا خراج نہیں** پھر چاہے مکان ان اراضی پر ہوں

جنکو تلوار کے زور سے حاصل کیا گیا یا وہ بطور صلح کے ہاتھ آئے ہوں۔ البتہ امام احمد بغداد میں واقع اپنے مکان کا خراج نکالکر اس کو صدقہ کیا کرتے تھے۔ دراصل یہ عمل فتویٰ کی بنا پر نہ تھا بلکہ تقویٰ کی بنا پر تھا۔ جس کے پاس خراجی زمین ہو اور وہ اس کو آباد نہ کر سکے تو اس پر جبر کیا جائے کہ اس کو کرائے سے دے یا اپنا قبضہ اُٹھالے کیونکہ زمین مسلمانوں کی ہے اور اس کو بیکار ڈال رکھنے میں نقصان ہے۔ اس میں میراث بھی جاری ہو گی ۔ جس طرح موروث کے قبضے میں وہ زمین ہو گی اسکی موت کے بعد وہ زمین اسی طرح وارث کے پاس رہے گی جسطرح وارث کو دیگر چیزیں وراثت میں اپنے مورث کی ملتی ہیں اسی طرح مورث کے قبضہ میں موجود خراجی زمین بھی وارث کو ملے گی۔

اگر وہ دوسرے شخص کو اس کا قبضہ دیدے تو وہی زیادہ مستحق ہو جائے گا۔ موقوفہ اراضی میں دینے سے مراد بیچنا نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص کے قبضہ میں اسے دینا مراد ہے کیونکہ اراضی موقوفہ کی بیع جائز نہیں ہے مکہ اور حرم کی زراعت گاہ پر خراج نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر خراج مقرر نہیں فرمایا ہے۔ خراج زمین کا جزیہ ہوتا ہے اور مکہ کی زمین کا جزیہ دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ (فئے کا حق)

حضرت مصنف نے پہلے فئے کی اصطلاحی تعریف بیان کیا اور پھر اس کا لغوی معنیٰ بتلایا ہے: جو مال کافروں کا بے لڑنے کے ہاتھ آیا ہو جیسا جزیہ اور خراج اور حربیوں اور ذمیوں کے مال تجارت کا محصول جس کا بیان آتا ہے اور وہ مال جو مسلمانوں سے ڈر کر کافر چھوڑ گئے ہوں اور متروکہ اس میت کا جس کا کوئی وارث کل لینے والا نہ ہو اس کے فئے کہتے ہیں۔ جب فئے کی تعریف میں بے لڑنے کے ہاتھ آیا کہا یعنی حب بغیر قتال کے ہاتھ آیا ہو امال فئے ہو اتو فئے

اور غنیمت کے درمیان فرق واضح کر دیا کہ غنیمت تو قتال کے بعد ہاتھ آنے والا مال ہوتا ہے۔ فئے لغت میں پلٹنے کو کہتے ہیں۔ یہ مال بھی مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف پلٹ آیا ہے۔ خراجی زمین جب کسی مسلمان کے قبضہ میں ہو تو وہ خراج ادا کرتا ہے کیونکہ اس زمین کی حیثیت کافروں سے ماخوذ ہونے کی ہے۔ لہٰذا اس پر خراج ہے چاہے وہ مسلمان کے قبضہ میں ہی ہو۔ جس کا کوئی وارث نہیں اس کا مال فئے اسلئے ہوتا ہے کہ فئے دراصل وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پلٹایا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان ہیکہ انا وارث من لا وارث لہ یعنی میں اس کا وارث ہوں جسکا کوئی وارث نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مال آپ علیہ السلام کی طرف پلٹ آیا ہے۔ اسی طرح مرتد کا مال جب کہ وہ حالتِ ارتداد میں قتل کیا جائے فئے میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا مصرف یعنی فئے کا مصرف اور خمس غنیمت کے خمس کا مصالح مسلمین ہے یعنی وہ کام جن میں مسلمانوں کی مصلحت، فلاح وبہبود ہو۔ یہاں خمس غنیمت کے خمس سے مراد مال غنیمت کے خمس کا وہ خمس ہے جو اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے۔ اسکے بارے میں امام احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: اسمیں ہر مسلمان کا حق ہے چاہے وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ اور یہ اسلئے کہ مصالح کی منفعت عام ہوتی ہے۔ اسمیں فقط سپاہیوں کا حق نہیں ہے یعنی وہاں خرچ کریں جو امور مسلمانوں کے لئے ضرور ہیں وہ یہ ہیں: جہاں دشمن کا ڈر ہو، اس جا اچھے سپاہیوں کو مقرر کرنا اور ان کو بقدر کفایت وظیفہ دینا، ان کو گھوڑے اور ہتھیار درکار ہوں تو مہیا کر دینا کہ مسلمانوں کو دشمنوں سے بچائیں۔ الکافی میں ہیکہ امام کو چاہئے کہ ایک دیوان مقرر کرے جسمیں مجاہدین کے نام اور ان کی تنخواہیں لکھے جائیں پل اور راستے اور مسجدوں کی درستی اور قاضی اور علماء اور امام اور موذن جس کی مسلمانوں کو حاجت ہے ان کے لئے نفقہ کا انتظام کرنا۔ ان میں جس کی زیادہ ضرورت ہو اس کو مقدم کرے اسطرح یہ مال حکومت کی خدمات

تعلیمیہ، اقتصادیہ، سیاسیہ، طبیہ وغیرہ میں خرچ کیا جائے اور ان خدمات پر مامور افراد کی تنخواہوں میں خرچ کیا جائے۔ غرض ان ضرورتوں سے مال بچ جائے تو آزاد مسلمانوں میں تقسیم کردے وہ غنی ہوں یا فقیر ہوں کیونکہ جو مال حاجت سے ان کی بچ جائے وہ انھیں کا ہے اور میراث کی طرح وہ سب آپس میں برابر ہیں۔ بقیہ فئے کو صرف اہل خمس میں تقسیم نہ کرے۔ مسنون یہ ہیکہ تقسیم کرتے وقت پہلے بنوہاشم کو دے پھر بنو مطلب پھر بنو عبدالشمس پھر بنو نوفل پھر بنوعبدالعزیٰ پھر بنوعبدالدار کو دے۔ اگر عربی ہمارے شہر میں آکر تجارت کرے یہ تحریری غلطی ہے صحیح عبارت یوں ہے: اگر حربی اکر ہمارے شہر میں تجارت کرے یعنی دارالحرب کا ساکن امام کی اجازت سے دار السلام میں آکر تجارت کرے تو ان سے عشرہ یعنے دسواں حصہ لیا جائے اور ذمی سے بیسواں حصہ مگر سال میں ایک بار زیادہ نہیں یہ دونوں اقسام بھی مال فئے ہیں۔ اور مسلمان کا جو مال ہو اس میں سے کچھ نہ لیں۔ عمدۃ الفقہ میں ہیکہ دارالحرب سے کوئی شخص راستہ بھٹک کر یا دیگر طریق سے دار الاسلام پہنچ گیا مثلاً ہوائیں اس کے سفینہ کو دار الاسلام لے آئیں تو جو کوئی اسے پکڑلے وہ اسکا مالک ہو گا کیونکہ وہ بغیر جہاد کے ہمارے پاس ظاہر ہوا ہے لہٰذا وہ مباحات کی طرح ہے۔

مسئلہ (بیت المال میں تصرف)

بیت المال مسلمانوں کی ملک ہے کیونکہ وہ ان کی مصلحت کے کاموں پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کو تلف کرنے والا ضامن ہے جسطرح دیگر اشیاء کے تلف کرنے پر ضمان آتا ہے اسطرح یہاں پر بھی تلف کرنے پر ضمان آئے گا اور بے اجازت امام کے اس میں سے لینا حرام ہے کیونکہ اس کے مصارف کا تعین اور ترتیب امام کی رائے پر موقوف ہے تو اس کی اجازت بھی ضرور ہے لہٰذا کسی مسلمان کیلئے بھی بغیر اذنِ امام اسمیں تصرف کرنا حرام ہے۔

مسئلہ (کافر کوامن دینا) :

اگر کوئی مسلمان عاقل اپنے اختیار سے بلاجبر اور سکر کے دس برس یااس سے کم مدت تک کسی کافر کوامن دے اور اس میں مسلمانوں کا کوئی ضرر نہ ہو تو درست ہے معلوم ہوا کہ امن دینے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے۔کافر اگرچہ ذمی ہو اسکا امن دینا معتبر نہیں ہے۔ایسے ہی عاقل ہونا بھی شرط ہے بچے اور مجنون کاامن دینا بھی معتبر نہیں ہے کیونکہ ان کاکلام غیر معتبر ہے۔البتہ ممیز کاامن دینامعتبر ہے کیونکہ وہ عاقل ہے۔ مسکر اور بے ہوش شخص کاامن دینا بھی معتبر نہیں کیونکہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے وہ مصلحت سے ناواقف ہے۔اسی طرح مکرہ کا امن دینا بھی معتبر نہیں ہے کیونکہ مختار ہوناشرط ہے۔دس سال سے زیادہ مدت تک امن دینا جائز نہیں ہے۔۔ **خواہ امن منجز ہو یا معلق۔امن دینے والامرد ہو یاعورت** حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت سیدتناام ہانی رضی اللہ عنھا اور حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنھا کامن دیناجائز قرار دیا تھا **آزاد ہو یا غلام** غلام کا امن دینا اسلئے جائز ہے کہ وہ بھی ایک مسلمان ہے منجز وہ ہے جو ایسے **وقت واقع ہو** منجزامن دینے کی مثال یہ ہیکہ فقط یہ کہا جائے تو آمن ہے **اور معلق وہ جو کسی خاص وقت یاشرط پر ٹھہرایا گیاہو** مثلاً یہ کہا جائے کہ جس نے یہ کام کیاوہ آمن ہے۔جیسا کہ رسول اکرم صل اللہ علیہ وآلہ و سلم نے فتح مکہ کے دن فرمایاتھا کہ جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوا وہ آمن ہے ۔**امام یعنے بادشاہ اگر کل مشرکوں کو امن دے تو ہو سکتا ہے** کیونکہ اس کو ولایت عمومی حاصل ہے **اور امیر جو کسی بستی کے بادشاہ کی طرف سے نائب ہو،وہ اسی جگہ کے کافروں کو امن دے سکتا ہے** کیونکہ اس کی ولایت انہی پر ہے **دوسروں کو نہیں** یعنی اس کا دوسری جگہ کے لوگوں کو امن دینابقیہ مسلمان رعایہ کے امن دینے کی طرح ہے اور امیر کی طرح نہیں ہے۔ **چھوٹے قافلے اور چھوٹے گڑھے کے مشرکوں کو کوئی مسلمان بھی امن دے تو جائز ہے** یعنی کوئی بھی عام مسلمان ایک یادس افراد یا

ایسا قافلہ یا گڑھ جس کو عرف میں چھوٹا کہتے ہیں کو امن دے سکتا ہے۔البتہ اس کا بڑے مجمع کو امن دینا درست نہیں کیونکہ اس سے تعطیل جہاد لاحق ہوتا ہے **امن دیکر مارنا یا پکڑ لینا اور بردہ بنانا حرام ہے** یعنی جس کو امن دے دی گئ اس سے اور اس کے مال سے تعرض کرنا واجب ہے ۔**جو کافر خدا کا کلام سنے اور اسلام کے اُمور سمجھنے کے لئے امن طلب کرے تو اس کی اجابت لازم ہے** یعنی اس کو امن دی جائے اور اس کو قرآنی علوم بتلائے جائیں **اور پھر اس کو ایک جگہ پہنچا دینا چاہیے۔**

مسئلہ (ھدنہ)

امام کو اور نائب امام کو کسی مدت معین تک کافروں سے جنگ نہ کرنے پر صلح کرنا جائز اس کو شرعاً ھدنہ کہتے ہیں۔ نیز اس کو موادعہ یعنی ترک کرنا یا معاہدہ یا مسالمہ یعنی صلح کرنا بھی کہتے ہیں۔اس کا اختیار صرف امام یا اسکے نائب کو ہے کیونکہ اس میں بہت سی گہری معلومات کا ہونا اور اجتہاد ضروری ہے جو صرف امام کو عمومی ولایت کیساتھ حاصل ہے۔**یہ بھی کسی مصلحت کے لئے ہو مثلاً مسلمانوں میں لڑائی کی طاقت نہ ہو۔اگر صلح کرنے کی ضرورت ہو اور بغیر مال دینے کے صلح نہ ہو سکے تو مال دینا بھی جائز ہے** جس طرح اسیر کو مال دے کر اپنی جان بچانا جائز ہے اسی طرح یہاں بھی مال دینا جائز ہے جبکہ مسلمانوں کے جانی نقصان یا انکے اسیر ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ **جس قدر حاجت ہو اتنی مدت تک صلح کر لینا ہو سکتا ہے اگرچہ مدت دراز ہو** یعنی مدت معلومہ تک صلح کرنا جائز ہے جبکہ اسمیں مصلحت ہو لیکن اگر کفار ہدنہ کو کسی مدت سے مقید نہ کرکے مطلق رکھیں تو یہ درست نہیں کیونکہ مطلق ہدنہ سے تابید لازم آتی ہے جس سے جہاد بالکلیہ ترک ہو جاتا ہے ۔**اگر کافر مسلمانوں سے یہ شرط کریں کہ ہم میں سے جو مسلمان ہو کر تمہارے پاس آئے تو اس کو پھیر دینا تو اس وقت اگر صلح کی ضرورت ہو تو ان کی شرط مان لیں** کیونکہ یہ سنت

نبوی صل اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ثابت ہے۔ آقا علیہ السلام نے ایسا صلح حدیبنیہ کے وقت کیا تھا اور اس کو پوشیدہ کہہ دیں کہ ان کافروں کو جس طرح ہو سکے مارنا جائز ہے اور وہاں سے بھاگ کر نکلنا بھی ممکن کیونکہ یہ باطل کی طرف لوٹنا ہے لہٰذا یہ کام کالعدم ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ابو نصیر حضور اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ ان سے رسول اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ہمارے دین میں دھوکہ نہیں ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہم نے کفار سے کیا معاہدہ کیا ہے شاید اللہ آپ کیلئے کشادگی اور مخرج بنائے گا۔ پھر جب ابو نصیر دو آدمیوں کیساتھ واپس گئے تو راستہ میں ان دو میں سے ایک کو قتل کر دیا اور نبیؐ اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس لوٹ آئے اور کہا یا رسول اللہ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم، اللہ نے آپ کا وعدہ پورا کر دیا، آپ نے مجھے ان کی طرف لوٹایا اور اللہ نے مجھے ان سے نجات دلائی اور آپ نے نہ ان کو منع کیا اور نہ ان کے عمل کی مذمت کی۔ اگر کوئی غلام ان کا ہمارے پاس بھاگ کر آئے تو مسلمان ہو جائے تو اس کو نہ پھیر دیں گے کیونکہ وہ صلح میں داخل نہیں ہے اور وہ آزاد ہے کیونکہ وہ اسلام قبول کر کے اپنی جان کا مالک بن گیا۔ صلح کی مدت میں اگر وہ کسی مسلمان کو ستائیں تو اس کا بدلہ لیا جائے گا، خواہ مال میں ہو یا حد یا قصاص میں کیونکہ ہدنہ مسلمانوں کا ان سے اپنی جان، مال اور سامان میں امن پانے کا تقاضہ کرتا ہے۔ البتہ ان سے ضمان لیا جائے گا اور حدود جاری نہیں کئے جائیں گے کیونکہ اسلامی احکام ان پر جاری نہیں ہوتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے رہن رکھے ہوئے مسلمانوں کو مار ڈالیں تو ہم بھی ان کے مرہون کافروں کو مار ڈالیں گے۔ اگر اثنائے مدت میں کسی ایسی علامت یا نشانی کے ذریعہ علم ہو جس سے ان کی عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو ان پر چڑھائی کرنے کے آگے سنادیں کہ تم اور ہم میں جو صلح تھی وہ اب باقی نہیں ہے۔

مسئلہ عقد ذمہ:

ذمہ لغت میں عہد اور امان اور تاوان کو کہتے ہیں ذمہ اذم یذم سے فعلة کے وزن پر ہے۔ کہا جاتا ہے اذم فلان علی فلان یعنی اس نے فلاں کیلئے فلاں سے عہد لیا۔ ہیں۔ کافروں کو جزیہ دینے اور دین کے احکام ماننے کی شرط پر ان کے حال پر چھوڑ دینا اور ان کی حفاظت مسلمانوں کی طرح کرنا جائز ہے۔ اس کو عقد ذمہ کہتے ہیں اس کی اصل یہ آیت ہے قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتي یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون (التوبة 29) یعنی جو لوگ اہل کتاب میں سے خدا پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو خدا اور اس کے رسول صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور یہ حدیث بھی اسکی اصل ہے جو بخاری میں مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے: ہمیں رسول اللہ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تم سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو یا جزیہ دو۔ اہل کتاب یعنی جو تورات اور انجیل اور ان کے نبی اور ان کے دین کی اصل کو ماننے والے ہیں ان سے یہ عقد ممکن ہے جو اہل کتاب یا شبہ کتاب نہیں ان سے یہ عقد جائز نہیں ہے یعنی بت پرستوں سے نہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاری ہیں اگرچہ ان کے فرقے مختلف ہیں۔ اور وہ کافر جو ان کا دین قبول کئے ہوں یعنی تورات اور انجیل کو مانتے ہوں جیسا سامرا صحیح لفظ سامرہ ہے غالباً یہ تحریری غلطی ہے سامرہ نبی اسرائیل کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو سامری سے منسوب ہے یہ یہود کا وہ گروہ ہے جو بہت متشدد ہوتا ہے اور بقیہ یہود سے ان کے فروع میں اختلاف ہے اور صائبین مجوس سے بھی جائز ہے کیونکہ حضرت نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا ہے۔ کہتے ہیں ان کے پاس بھی کتاب تھی مگر اُٹھائی گئی۔ غرض ان کو بھی شبہ کتاب ہے حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے ان سے عقد ذمہ نہ کیا تھا حتیٰ کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی کہ رسول کریم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجوس ہجر سے یہ عقد کیا تھا۔اسی طرح صائبین سے بھی یہ عقد جائز ہے۔الاقناع مین ہیکہ یہ نصاریٰ کی ہی جنس سے ہیں۔اسی طرح فرنجیوں سے بھی جائز ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے میں نصاریٰ کے موافق ہیں۔ **یہ عقد امام یا اسکا نائب کر سکتا ہے دوسرا نہیں کیونکہ** اسمیں مسلمانوں کی بھلائی کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نیز یہ عقد مؤبد ہے یعنی عمر بھر اس عقد کی پابندی کی جاتی ہے لہٰذا امام کی رائے پر ہی یہ منحصر ہے کہ وہ کس سے عقد ذمہ کرے گا۔ **جب اس کی شرطیں پوری ہوں اور** دارالاسلام میں ان کی اقامت اختیار کرنے **پر ان کے فریب سے بے فکری تو واجب ہے** معلوم ہوا کہ جب انکے اقامت پذیر ہونے میں ہمارے لئے ضرر ہو تو عقد ذمہ جائز نہ ہو گا۔

مسئلہ (شرائط اور احکام عقد ذمہ، جزیہ کس پر واجب ہے)

اس عقد کی چار شرطیں ہیں الاقناع، شرح منتھیٰ اور المغنی میں دو ہی شروب کا ذکر ملتا ہے۔الاقناع میں ہے:ولا يجوز عقد الذمة الموبدة الا بشرطين احدهما التزام اعطاء الجزية كل حول والثانى التزام احكام الاسلام **یعنی** عقد ذمہ دو شرائط کیساتھ ہی جائز ہوتا ہے پہلی: ہر سال جزیہ بالالتزام دینا دوسری احکام اسلام لازم کرنا۔ان کتب میں جن شروط کا ذکر ملتا ہے ان کو حضرت مصنف نے پہلے اور چوتھے نمبر پر بیان کیا ہے۔الھدایہ میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ یہ دو شروط دراصل شروط صحت ہیں اور اس کی مسئلۂ سابقہ سے تائید ہوتی ہے اور اسی کی تائید کشف القناع سے بھی ہوتی ہے۔الھدایۃ میں ہیکہ: ومن شرط صحة عقدها عقد الجزية والتزام احكام الملة-**الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ** میں ہیکہ اضافی شرائط حنابلہ میں سے ابو یعلیٰ نے ذکر کی ہیں دوسرے حضرات نے اسلئے اس کو نظر انداز کیا ہے کہ یہ چیزیں اسلامی

احکام کی پابندی کی شرط میں داخل ہیں۔ (۱) ہر سال ذلت کے ساتھ جزیہ دیں اور (۲) دین اسلام کا ذکر بھلائی سے کریں اور (۳) کوئی بات ایسی اور کام ایسا نہ کریں جس میں مسلمانوں کو ضرر ہوا اور (۴) ان کے مال اور جان اور آبرو میں اسلام کا حکم جاری رہے ان احکام کا جاری کرنا امام پر لازم ہے یعنے جس طرح مسلمانوں کی قضیے حکم شرع کے موافق فیصل ہوتے ہیں اسی طرح ان کے بھی ہوں مثلاً اگر کوئی شخص کسی ذمی کو قتل کرے یا اسکا ہاتھ کاٹ دے تو اسمیں قاضی ویسا ہی فیصلہ کرے گا جیسا کہ مسلمانوں کا قتل کرنے یا اسکا ہاتھ کاٹنے پر کرتا ہے۔ اگر ذمی کسی کو قتل کرے تو اس کو مسلمان کے جیسی سزا دی جائے گی۔ صحیحین کی روایت میں ہیکہ ایک یہودی نے اپنی باندھی کو قتل کیا تھا تو رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس یہودی کو بھی قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اسی طرح ذمی اگر کسی کا مال تلف کر دے یا کوئی ذمی کا مال تلف کر دے تو مسلمانوں جیسا ضمان لیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی ذمی پر تہمت لگائے یا اسے گالی دے یا ذمی کسی پر تہمت لگائے یا تو اسمیں مسلمانوں کے جیسا حکم جاری ہو گا۔ ایسا ہی جس چیز کو وہ اپنے پاس حرام سمجھتے ہوں اس پر حد قائم ہو۔ جس کو حلال سمجھتے ہوں اس پر نہیں۔ زنا ان کے پاس بھی حرام ہے تو زانی ذمی حد کے لائق رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس یہودی مرد اور عورت کو پیش کی گیا تھا جنھوں نے زنا کیا تھا تو آپ علیہ السلام نے ان کو رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا کیونکہ وہ ان کے دین میں حرام ہے اور ان پر اس چیز میں حد جاری نہیں کی جائے گی جس کے حلال ہونے پر وہ عقیدہ رکھتے ہوں مثلاً اگر وہ شراب پینے اور خنزیر کھانے اور محرم سے نکاح کو حلال جانتے ہیں تو اس پر حد نہیں کیونکہ وہ کفر پر قائم ہیں جو ان سب جرائم سے بڑا جرم ہے مگر ان چیزوں کے اظہار کرنے سے ان کو روکا جائے تاکہ مسلمانوں کو تکلیف نہ ہو۔ عورت اور لڑکے اور دیوانے اور شیخ فانی اور اندھے اور ذمی یہ تحریری غلطی ہے جو سیاق کلام سے بھی ظاہر ہو رہی ہے صحیح لفظ "زمِن" یعنی اپاہج ہے اور راہب گوشہ

نشین پر جزیہ نہیں جو راہب گوشہ نشین نہ ہو اور لوگوں سے میل جھول رکھتا ہو اس کا حکم عام نصاریٰ کی طرح کا ہے اس پر جزیہ عائد ہو گا کیونکہ جزیہ قتل کا بچاؤ ہے ان لوگوں کو مارنا جائز نہیں جبکہ وہ قیدی بنائے جائیں تو جزیہ بھی ان پر واجب نہیں غلام اور فقیہ پر بھی نہیں فقیہ بھی تحریری غلطی ہے صحیح لفظ فقیر ہے۔ شرح منتھیٰ میں ہیکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ تین طبقات پر عائد کیا تھا ان میں سے سب سے ادنیٰ طبقہ میں ایسا فقیر شامل تھا جو کسب پر قدرت رکھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ جو فقیر کسب سے عاجز ہو اس پر جزیہ نہیں عائد کیا جائے گا۔ غلام پر اسلئے جزیہ عائد نہیں ہو تا ہیکہ جزیہ مال ہے جسکی ادائیگی اس پر واجب نہیں ہے جیسا کہ جزیہ جانوروں پر بھی عائد نہیں ہو تا ہے۔ فرمان نبوی صل اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے:لا جزية علي عبد یعنی غلام پر کوئی جزیہ نہیں۔ ہاں البتہ جو غلام آزاد ہو اس پر واجب ہے اگر چہ مسلمان کا آزاد کیا ہوا ہو جو آزاد ہو گیا وہ اہل قتال میں سے ہے اور کسب پر بھی قادر ہے لہٰذا دار الاسلام میں بغیر جزیہ کے اس کا رہنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ (جزیہ لینے کا وقت)

جزیہ وہ مال ہے جو کافروں سے ذلت کے ساتھ ہر ہلالی سال کے آخر میں لیا جاتا ہے کیونکہ یہ ہر سال کی تکرار کیساتھ واجب ہو تا ہے اور سال سے پہلے نہیں لیا جاتا ہے۔ نیز عقد ذمہ کرنے کے فورا بعد اسکا مطالبہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کی جلد ادائیگی کی شرط لگانا درست نہیں ہے۔ یہ ان کے قتل کا اور دار السلام ہی رکھنے کا عوض ہے یعنی اگر وہ جزیہ نہ دیں تو ان کے خلاف کاروائی سے باز نہیں رہا جائے گا۔ اثنائے سال میں جو ان میں سے جزیہ دینے کے لائق ہو جائے تو ان سے حساب آخر سال میں لیا جائے گا یعنی سال کے جتنے عرصہ میں وہ ادائیگی کے لائق رہا اسی کے بقدر جزیہ سال کے آخر میں لیا جائے گا مثلاً اگر کوئی ذمی نصف سال تک ہی ادائیگی کے لائق رہا تو اس سے نصف جزیہ لیا جائے گا۔ مقصد

کلام یہ ہیکہ ایک شخص کا اسکی ادائیگی کی لیاقت کے لحاظ سے الگ سال مقرر نہیں کیا جائے گا بلکہ جن کو اثناء سال ادائیگی کی لیاقت حاصل ہوئی ان کا سال باقی ذمیوں کے سال کیساتھ ہی شمار کیا جائے گا اور جو سال گزرنے کے بعد وہ مسلمان ہو جائے تو سال گزشتہ کا جزیہ ساقط ہو گیا کیونکہ جزیہ کا سبب کفر ہے جو اسلام کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے اور اگر وہ سال پورا ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو بطریق اولیٰ اس پر سے جزیہ ساقط ہو گا۔

مسئلہ (جزیہ وصول کرنے کا طریقہ)

کافروں کو لازم ہے کہ اپنا جزیہ آپ لیکر حاکم کے پاس حاضر ہوں۔ اگر دوسرے کے ہاتھ بھیجیں تو قبول نہ کرے کیونکہ جزیہ کسی اور کے ہاتھ سے ارسال کرنے سے ان کی ذلت ختم ہو جاتی ہے اور ذلت کیساتھ جزیہ دینا ان پر واجب ہے۔ جزیہ لینے کے وقت ان کو ذلیل کریں دیر تک کھڑے ہوئے رکھیں حتیٰ کہ وہ تھک جائیں اور تکلیف ہو۔ جزیہ دینے والے کو بٹھانا مناسب نہیں ہے اور ہاتھ پکڑ کر کھینچیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهُمْ صَاغِرُونَ المبدع میں ہیکہ اس آیت کریمہ کا ظاہر یہ ہیکہ اسطرح ان سے جزیہ لیا جائے جیسا کہ بیان کیا گیا جب وہ اپنا حق ادا کر چکیں تو قبول کرنا لازم ہے اسلئے کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ ان کو جزیہ دینے کی طرف بلاؤ اگر وہ تمہیں ادا کر دیں تو ان سے قبول کر لو اور ان سے باز رہو۔

مسئلہ (ذمیوں کے حقوق)

ذمی ہونے کے بعد ان کو مارنا یا ان کا مال چھینا حرام ہے اور امام پر ان کی حفاظت واجب مولیٰ علی علیہ السلام نے فرمایا: ذمیوں نے جزیہ دیا تا کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح ہو اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح ہوں۔ اگر

کوئی ان کو ستائے تو منع کرے، اگرچہ وہ ستانے والا **مسلمان** ہویاذمی یاحربی ہو کیونکہ ان کے عہد کر لینے سے ان کی حفاظت کرنالازم ہو تاہے۔ **اور ان کے اُمور میں موافق اسلام کے حکم کرے۔**

مسئلہ (ذمی کی شناخت کیلئے علامتوں کا ٹھہرانا)

امام کو چاہئے مسلمانوں میں ان میں تمیز کر دے الکافی میں ہیکہ ذمیوں پر یہ عائد کیا جائے کہ وہ چار امور میں مسلمانوں سے تمیز کریں گے۔ پہلا: لباس، دوسرا: بال، تیسرا سواری، چوتھا کنیت۔ اہل جزیرہ نے عبد الرحمٰن بن غنم کو لکھا تھا کہ ہم نے خود پر یہ لازم کیا ہیکہ ہم ٹوپی میں، عمامہ میں، نعلین میں، بال میں، سواریوں میں مسلمانوں سے مشابہت نہیں اختیار کریں گے اور نہ ان کے کلام کی طرح گفتگو کریں گے اور نہ ان کی کنیتوں کی طرح کنیت رکھیں گے اور پیشانی کے سامنے کے بال مونڈیں گے اور اپنی درمیانی حصوں میں زنانیر باندھیں گے اور اپنی خواتیم کو عربی میں کندہ نہیں کروائیں گے ،زین پر سوار نہیں ہوں گے، ہتھیار ساتھ نہیں رکھیں گے۔ اس پر عبد الرحمٰن بن غنم نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ امور نافذ کر دو جسکا وہ سوال کر رہے ہیں۔ ابن القیم نے "احکام اھل الذمہ" میں لکھا ہیکہ یہ روایت غیار کی اصل ہے۔ غیار وہ کپڑا ہے جس کا رنگ بقیہ کپڑوں سے مختلف ہو جو بطور تمیز کے پہنا جائے اور اسی پر ہر زمانے اور ہر ملک کے ائمہ نے عمل کیا ہے۔ یہی فقہاء متقدمین و متاخرین کا مذہب ہے۔ اہل ذمہ پر اس کے وجوب کی دلیل مسند احمد کی حدیث ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم۔ لہٰذا وضع قطع میں مسلمانوں کو مسلمانوں کی اور ذمیوں کو ذمیوں کی مشابہت اختیار کرنی چاہئے لباس اور بالوں میں فرق کا بیان ہو گیا رہا سواری کا بیان تو ذمیوں کو بغیر زین کے گھوڑے پر سوار ہونا چاہئے کیونکہ زین عزت و شرف کی علامت ہے اور ذمیوں کیلئے شرف نہیں ہے۔ مسلمانوں کی کنیت مثلاً ابو بکر، ابو عبد الرحمٰن، ابو عبد اللہ وغیرہ استعمال کرنے کی بھی ذمیوں کو اجازت نہ ہو گی ۔ **اور ان کے لئے کوئی علامتیں**

ٹھہرادے جیسازنار باندھنایاگلے میں کوئی چیز لٹکانااورچاندی کے بال مونڈھنا یعنی چندیا کے بال مونڈھنا کیونکہ اس مقام کے بال لمبے کرنااور ان کو دو حصوں میں تقسیم کرنااشراف کی علامت تھی اور حمام میں گھنٹی بجانااور کسی خاص رنگ یاوضع کے سوادوسرالباس پہننااور اس کے مانند جو مناسب سمجھے ۔

مسئلہ (کافروں کی مشابہت)

مسلمانوں کو لباس اور وضع میں کافروں کی مشابہت مکروہ ہے یہ ابن عقیل حنبلی کا قول ہےیکرہ ما یشبه زي الکفار دون العرب۔اس کو شرح منتھیٰ، تصحیح الفروع مین بیان کیا گیا ہے۔لیکن شدتِ مشابہت ہو تو یہ حرام بھی ہو جاتا ہے لہٰذا جو اس طرح کرے وہ معصیت کا مرتکب ہے اور تعزیر کے لائق ہے چونکہ یہ ایسی معصیت ہے جسمیں نہ حد ہے اور نہ کفارہ لہٰذا امام یا قاضی تعزیر دے سکتا ہے۔ظاہر ہیکہ اس چیز کی مشابہت کی بات ہو رہی ہے جو کفار کی خاس علامت ہو ورنہ تو جو چیز کفار کی خاص علامت ہی نہیں اسکو اختیار کرنا بلا کراہت جائز ہے۔اقناع میں کہاجب کوئی لباس اور رنگ ان کی علامت ٹھہر جائے تو مسلمان کو اس کا پہننا حرام ہے الاقناع میں ہیکہ:وان تزیابھا مسلم او علق صلیبا بصدره حرم اگر مسلمان کفار کی ہیئت اختیار کریں یا صلیب سینہ میں لٹکائیں تو یہ حرام ہے۔بھوتی نے اس کی شرح میں لکھاہیکہ اس میں فقہاء کا قول گزراہیکہ کفار کی وضع اختیار کرنا مکروہ ہے البتہ فرق اسمیں شدتِ مشابہت کا ہے۔ ہر زمانے میں کفار کی خاص علامتوں میں تبدیلیاں آتی ہیں لہٰذا جس زمانے میں مشابہت اختیار کی گئی اس زمانے کے اطوار کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ (ذمیوں پر پابندیاں):

یہ بھی امام کو چاہئے کہ ان کو ان اُمور سے منع کرے یعنے گھوڑے پر سوار نہ ہوں اس کی وجہ پچھلے صفحہ میں گزر گئی۔ گھوڑے کے سوا دوسرا جانور ہو تو مضائقہ نہیں مگر زمین پر نہ بیٹھیں یہ تحریری غلطی ہے۔ صحیح عبارت یوں ہونی چاہئے: "زین پر نہ بیٹھیں" اور ہتھیار نہ اٹھائے پھریں کیونکہ وہ جنگ میں مددگار ہوتے ہیں اور اپنا نیا کنیسہ اور بیعہ نہ بنائیں کنیسہ نصاریٰ کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں اور بیعہ یہودیوں کی عبادت گاہ کا نام ہے۔ ارض الاسلام میں ذمیوں کو اپنے لئے نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت نہ ہوگی یہاں ارض المسلمین سے مراد وہ شہر ہیں جنکو مسلمانوں نے تعمیر کیا جیسے بغداد، بصرہ وغیرہ اور وہ بھی جن کو مسلمانوں نے تلوار کے زور سے فتح کیا جیسے مصر، شام وغیرہ۔ اگر پرانا گر جائے تو پھر نہ اُٹھائیں کیونکہ حدیث ابن عباس میں ہیکہ جس شہر کو عرب نے تعمیر کیا عجم کیلئے مناسب نہیں ہیکہ اسمیں بیعہ بنائیں۔ الاقناع میں ہیکہ جس شہر کو صلح کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو کہ زمین کے مالک کفار ہوں گے اور وہ ہمیں خراج ادا کریں گے تو اس زمین میں کفار کو ان کے حسب مرضی عبادت گاہ تعمیر کرنے کی اجازت ہوگی اور اگر اس پر صلح ہوئی کہ زمین مسلمانوں کی ہوگی تو ان کو شرط کیساتھ عبادت گاہ تعمیر کرنے کی اجازت ہوگی اور مسلمانوں پر فتح کے وقت ان کی عبادت گاہیں منہدم کرنا لازم نہیں ہے اگرچہ وہ تلوار کے زور سے فتح ہوئی۔ اپنے دین کے رسوم ظاہر نہ کریں۔ اپنی کتاب پکار کر نہ پڑھیں کیونکہ یہ ابن غنم کے شروط میں سے ہیں جن کو حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نافذ کیا تھا، شراب اور خنزیر کو پوشیدہ رکھیں۔ اگر ظاہر کریں تو اس کو تلف کرنا جائز ہے۔ رمضان میں کھانا پینا دن کو علانیہ جائز نہ رکھیں کیونکہ یہ مفاسد میں سے ہے۔ کہیں ناقوس نہ بجائیں۔ مسلمان پڑوسی کے گھر سے اونچا گھر نہ بنائیں کیونکہ اس میں مسلمانوں سے اظہاربرتری ہے جو منع ہے جیسا کہ ذمیوں کو محافل میں صدر بنانا منع ہے، خواہ اس سے متصل ہو یا

جدا یعنی مکان بالکل متصل تو نہ ہو لیکن اس پر پڑوس میں ذمی کا اونچا مکان ہو اگر چہ وہ راضی ہو کیونکہ یہ اس مسلمان کا حق نہیں ہے بلکہ اللہ کا حق ہیکہ اس کے برگزیدہ نبی علیہ السلام پر ایمان لانے والے برتر ہوں۔ نیز اسلام بلند و برتر ہے اس پر کسی کو برتری نہیں ہے۔ اگر بنا چکے تو اس کو ڈھانا چاہیئے اگر صرف اس کو منہدم کرنا ممکن ہو اور اطراف کی عمارتوں کو نقصان نہ ہو۔ لیکن انہدامی کاروائی سے پہلے ہی اس عالی مکان کا ضمان دینا چاہیئے اسلئے کہ یہ اس بلند مکان پر تعدی ہے اور اسلئے کہ اسمیں عدمِ اذنِ شارع علیہ السلام ہے۔ اگر اونچا مکان خرید کیا ہو تو اس سے تعرض نہیں مگر جب گر جائے تو پھر ویسا ہی مکان نہ بنائیں زندگی کے اطوار کے علاوہ بعد موت بھی ذمیوں اور مسلمانوں میں تمیز کی جائے اور وہ اس طرح کہ کسی بھی ذمی کو مسلمان کے مقبرہ میں دفن نہ کرے۔ ذمی مسجد میں نہ جائیں اسلئے کہ جب حدث، حیض و جنابت دخول مسجد سے مانع ہیں تو حدث کفر بطریق اولیٰ مانع ہے۔ ابو موسیٰ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا کام کا حساب لے کر آیا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اسے بلاؤ جس نے یہ لکھا ہے تاکہ وہ پڑھے اور فرمایا کہ وہ مسجد میں داخل نہ ہو کیونکہ وہ نصرانی ہے۔ شرح منتہیٰ میں ہیکہ رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرانا کسی حاجت کے تحت تھا اور قرآن نہ پڑھیں امام سے پوچھا گیا کہ مسلمان کیلئے مکروہ ہے کہ وہ کسی مجوسی بچہ کو قرآن میں سے کچھ سکھائے تو آپ نے فرمایا اگر وہ اسلام لائے تو ٹھیک ورنہ مجھے پسند نہیں کہ میں قرآن کو غیر مناسب جگہ رکھوں۔ مصحف اور حدیث و فقہ کے کتاب مول نہ لیں کیونکہ ان کتب کو کفار کے ہاتھ میں دینا ان کتب کی توہین ہے۔

مسئلہ (کفار کے قضیہ میں فیصلہ کرنا)

اگر وہ اپنی جگہ پر یعنی دار الحرب میں رہ کر جزیہ یا خراج پر ہم سے صلح کرلیں تو ہمیں گزشتہ باتوں سے منع کرنا لازم نہیں اسکی تشریح مندرجہ بالا سطور میں بیان کر دی گئی کہ ایسی صلح میں کفار کا ملک دار الحرب ہی رہتا ہے لہٰذا ہمیں

ان پر اسلامی احکام اسطرح نافذ کرنا لازم نہیں ہے جس طرح ذمیوں پر دار الاسلام میں لازم ہے۔ ہمارے امام پر واجب ہے کہ وہ مسلمان اور ذمی کے درمیان پیش آنے والے معاملوں میں فیصلہ سنائے تاکہ مسلمان کو انصاف ملے یا اسکو ظلم سے بچایا جائے۔ **اگر مستامنین یا ذمیوں کے مابین کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس میں فیصلہ کرنے کی ضرورت ہو اور وہ ہمارے پاس اپنا قبضہ پیش کریں** یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح عبارت اس طرح ہونی چاہئے: "اپنا قضیہ پیش کریں" یہاں قضیہ سے مراد مقدمہ یا معاملہ ہے **تو ہمیں اختیار ہے چاہیں موافق شرع حکم کریں یا ان سے منہ پھیر لیں** قرآن کریم میں ارشاد ہوا: فان جاءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم (المائدة42) اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان اسی وقت فیصلہ سنانا چاہئے جبکہ وہ اسے قبول کرنے پر متفق ہوں اگر فریقین میں سے کوئی ایک بھی انکار کرے تو فیصلہ نہ سنایا جائے۔

مسئلہ (ذمیوں کا دوسرا دین اختیار کرنا)

اگر یہودی نصرانی ہو جائے یا نصرانی یہودی تو اس کو ویسا ہی نہ چھوڑ دیں بلکہ جبر کریں کہ اسلام قبول کرے کیونکہ اسلام دین حق ہے **یا وہ اپنا پہلا دین پر قائم رہے کیونکہ اس نے دین باطل اختیار کیا ہے جس کا پہلے اقرار بھی کر چکا ہے تو یہ مشابہ مرتد ہے** یوں تو ذمیوں کے سارے ادیان باطلہ ہیں لیکن جب ذمی نے دار الاسلام میں عقد ذمہ کیا تو اہل اسلام نے ایک مرتبہ اس کے اس دین پر قائم ہونے کا قرار کیا تھا اور اسی اقرار میں دوسرے ادیان کا باطل ماننے کا اقرار بھی تھا لہذا اب یا تو اس کو دینِ حق کو قبول کرنا چاہئے جو کہ بہترین دین ہے یا اپنے پہلے دین پر آجانا چاہئے کیونکہ اسکا عقد ذمہ کے وقت اقرار کیا تھا بہر صورت اس کو نو اختیار شدہ دین پر قائم رہنے کی اجازت نہیں ہو گی کیونکہ اس کے باطل ہونے کا اقرار کیا تھا۔ اب اہل اسلام اس کو قبول نہیں کریں گے کہ وہ اسفل کی طرف جائے۔ **اگر نہ مانے تو مارے قید**

رکھے قتل نہ کریں اسلئے کہ وہ اہل کتاب کے ادیان سے نہیں نکلا ہے۔ الاقناع میں ہیکہ اگر وہ اہل کتاب کے ادیان سے ہٹ کر کوئی اور دین اختیار کرے تو اسے اسلام قبول کرنے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ قبول نہ کرے تو اسے قتل کیا جائے۔ انتقلا الی غیر دین اهل الکتاب لم یقر منه الا الاسلام او السیف فیقتل ان ابی الاسلام بعد(الاقناع)

مسئلہ (ذمی کی توقیر)

مسلمان کو ذمی کی توقیر کرنا حرام ہے اسلئے کہ توقیر و تعظیم ذمی کیلئے نہیں بلکہ نص قرآنی سے اس کی تذلیل ثابت ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا۔ تعظیم و توقیر کے چند طریقے یہاں بیان ہو رہے ہیں: **مجلس میں ان کے لئے اُٹھنا اور بہتر جگہ بٹھانا** اس کا ذکر عبد الرحمٰن بن غنم کے خط میں ملتا ہے: ان نوقر المسلمین فی مجالسهم نرشد الطریق ونقوم لهم عن مجالس اذا ارادوا المجالس یعنی ہم مسلموں کی تعظیم ان کی مجالس میں کریں گے اور راستہ بتلائیں گے اور مسلمانوں کیلئے اٹھیں گے جب وہ مجالس میں آئیں گے۔ الاقناع میں ہیکہ ایسے مبتدع کی بھی تعظیم نہ کی جائے جس کو ترک کرنا واجب ہے مثلاً: رافضی، خارجی وغیرہ **اور ابتداسلام کرنا حرام** ہے اسلئے کہ حضرت سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہیکہ اذا لقیتم الیهود فی الطریق فاضطرهم الی اضیقها ولا تبدووهم بالسلام یعنی جب تم یہود سے راستہ پر ملو تو اسے راستہ کے تنگ ترین حصہ میں جانے پر مجبور کر دو اور اس پر سلام میں پہل مت کرو **اور کسی مسلمان کیلئے اہل ذمہ میں سے کسی سے کیف حالک کہنا جائز نہیں** اسی طرح کیف اصبحت اور کیف امسیت کہنا بھی جائز نہیں۔ ابو داؤد کی روایت میں ہیکہ امام نے فرمایا یہ کہنا میرے نزدیک سلام کرنے سے بڑا ہے۔ الاقناع میں ہیکہ البتہ یہ کہنا جائز ہے: اللہ تجھے عزت دے اور ہدایت دے یعنی اس کو قبول اسلام کی توفیق ملنے کی دعا دینا جائز ہے اور اگر کسی کافر کو خط لکھنے کا ارادہ ہو اور سلام لکھنا چاہے تو اسطرح لکھے: سلام علی من اتبع الھدیٰ یعنی اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی

کی **اور تہنیت اور تعزیت اور علامت** یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ عیادت ہے ۔ تہنیت، تعزیت اور عیادت کرنے میں ان کی تعظیم ہے یہ گویا سلام کرنے کی طرح ہے لہٰذا یہ حرام ہیں البتہ الاقناع میں ہیکہ ذمی کی عیادت کرنا اس وقت جائزہے جبکہ اس کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو پھر عیادت میں ہی اسے قبول دعوت اسلام پیش کی جائے کیونکہ رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک یہودی کی عیادت فرمائی تھی اور اسے اسلام پیش کیا تھا پھر اس نے اسلام قبول کیا تھا پھر جب آپ علیہ السلام باہر نکلے تو فرمایا تھا الحمد للہ الذی انقذہ بی من النار یعنی تمام تعریف اللہ کیلیئے ہے جس نے میرے وسیلہ سے اسکو نار جہنم سے بچایا **اور ان کی عید میں حضور اور شرکت سب منع ہے** کیونکہ اسمیں انکی تعظیم ہے گویا یہ بھی ان پر سلام میں پہل کرنے کی طرح ہے۔ **اگر کسی ذمی کو مسلمان سمجھ کر سلام کرے پھر معلوم ہو تو اس کو کہے : میر اسلام پھیر دے** کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنھما کا ایک آدمی پر گزر ہوا تو آپ نے اس کو سلام کیا آپ سے کہا گیا کہ وہ کافر ہے تو آپ نے فرمایا مجھ پر میر اسلام پھیر دے تو اس نے پھیر دیا تو آپ نے فرمایا اللہ تیر امال اور تیری اولاد میں اضافہ کرے پھر آپ اپنے اصحاب کی طرف چلے گئے۔ **اگر ذمی مسلمان کو سلام کرے تو اس کے جواب لازم ہے مگر فقط وعلیکم کہے** اور آگے کے کلمات السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نہ کہے۔ جواب میں وعلیکم اور علیکم دونوں جائز ہیں االبتہ وعلیکم کی روایتیں زیادہ ہیں اسلیئے وعلیکم کہنا اولیٰ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اہل ذمہ پر وعلیکم سے زیادہ نہ کہیں۔ ذمی اگر چھینکے تو اس پر یرحمک اللہ کہنا مکروہ ہے۔ یہی امام کا ظاہر کلام ہے۔ حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہیکہ یہود نبی اکرم صل اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں چھینکتے تھے اس امید میں کہ آپ علیہ السلام یرحمک اللہ کہیں لیکن آپ علیہ السلام یھدیکم اللہ و یصلح بالکم فرماتے تھے۔ **اگر مسلمان کے چھینکنے پر ذمی یرحمک اللہ کہے تو اس کے جواب میں یھدیک اللہ کہنا جائز ہے** کیونکہ ان کی ہدایت کی دعا کرنا جائز ہے جیسا کہ خبر سابق میں گزرا ہے اور امام کے نزدیک **ذمی سے مصافحہ کرنا مکروہ**۔

مسئلہ (ذمی کا عقدِ ذمہ توڑنا)

جو ذمی ان امور کی مخالفت کرے جن پر صلح کی گئی تھی یعنی وہ **جزیہ دینے یا ذلت اٹھانے یا ہمارے احکام یعنی ملتِ اسلامیہ کے احکام ماننے سے انکار کرے** اسطرح کہ وہ ہمارے احکام جاری کرنے سے مطلقا منع کرے اگرچہ اس پر ہمارے حاکم نے کوئی فیصلہ سنایا تھا یا نہیں سنایا تھا۔ اسی طرح الاقناع میں ہے البتہ المغنی میں ہیکہ جب ہمارا حاکم کوئی فیصلہ سنائے اور وہ مخالفت کرے **تو اس کا عہد ٹوٹ گیا** یعنی جہاں کہیں بھی ذمی نے درج بالا یا درج ذیل افعال میں سے کوئی فعل انجام دیا تو اسکا عہد ٹوٹ گیا اور اس کیلیئے امام کا عہد ٹوٹنے پر حکم صادر کرنا ضروری نہیں۔ **خواہ الزام احکام عقد کے وقت شرط ہو یا نہ ہو** اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ وہ ذلت کیساتھ جزیہ ادا کریں اور احکامِ ملت اسلامیہ مانیں اور عہد کا یہی تقاضہ تھا۔ **ایسا ہی اگر مسلمان عورت سے زنا کرے** اس زنا کی وجہ سے عہد ٹوٹنے کیلیئے ویسی شہادت پیش کرنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اہل اسلام کے زنا کرنے میں ہوتا ہے بلکہ اس کا زنا کرنا اور اسکا اشتہار کرنا ہی عہد توڑنے کیلیئے کافی ہے۔ زنا کا قیاس کسی مسلمان سے لواطت کرنے پر بھی کیا جاتا ہے **یا بطور نکاح اس سے صحبت کرے یا اللہ تعالیٰ کا اور رسول خدا کا** یا اللہ کی کتاب یا اسکے دین کا **برائی سے نام لے** حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ذمی کو لایا گیا جو ایک عورت کو زنا کرنے پر مجبور کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا ہم نے تم سے اسلیئے صلح نہیں کی تھی پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو مصلوب کیا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ایک راہب نے رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخانہ کلمات کہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس کو سنتا تو ضرور اس کو قتل کر دیتا ہم نے اس کو امان اسلیئے نہیں دی یا کوئی ذمی اذان سن کر یہ کہے کہ تم نے جھوٹ کہا **یا کسی مسلمان کو** تعدی کرتے ہوئے **مار ڈالے** اس قتل کیساتھ الاقناع میں قتلِ عمد کی قید ہے اور کشف الاقناع میں ہیکہ ابو

خطاب نے اپنی کتاب خلاف الصغیر میں یہاں قتل عمد کی قید لگائی ہے یا اس کو دین سے پھیرے یا رہزنی کرے یا کفار کیلئے جاسوسی کرے یا کسی جاسوس کو پناہ دے تو ان سب صورتوں میں ہمارے ذمے سے نکل گیا کیونکہ یہ مسلمانوں کیلئے عام ضرر ہے اور مسلمانوں سے فی بن کے مشابہ یعنی مسلمانوں سے قتال کرنے کے مشابہہ ہے۔جب ذمہ داری نہ رہی اب نہ کوئی عقد رہا اور نہ عہد اب وہ ایسا کافر ہے جو بغیر امان ہمارے ملک میں ہے وہ حربی چور کی طرح ہے تو امام کو اختیار ہے انھیں پانچ اُمور کا جو حربے اسیر کے حال میں بیان ہوا یعنی امام حسب مصلحت ان پانچ امور میں سے کوئی ایک اختیار کرے: قتل کرنا، غلام بنانا، احسان کرکے چھوڑ دینا یا مال لے کر چھوڑ دینا یا اسکے بدلے اپنا مسلمان قیدی چھڑانا اور اس کا مال فی ہے یعنے مسلمانوں کی ملک ہے۔ کیونکہ مال کی اس کی ذات میں کچھ عزت نہیں۔مالک کی حرمت سے اس کی حرمت ہے۔ جب اس کی جان کی کچھ قدر نہ رہی تو مال کی کہاں ؟اگرچہ وہ اس قصور سے توبہ کرتا ہو پھر وہ مسلمان ہو جائے تو عہد توڑنے کی وجہ سے اس کو قتل نہ کریں گے کیونکہ کلام اللہ میں ارشاد ہے: قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف (الانفال 38) آپ فرمادیجئے کہ اے کفار اگر تم باز آجاؤ تو تمہارے گزشتہ گناہ بخش دئے جائیں گے اور اسلام لانے کے بعد اس کو غلام بنانا بھی حرام ہو گا۔ البتہ اگر اس نے کسی کو ناحق قتل کیا تھا تو اس سے قصاص یا دیت لی جائے گی کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے جو اسلام قبول کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ حضور اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخانہ الفاظ کہنے والا ذمی ہر حال میں قتل کیا جائے گا چاہے وہ اسلام قبول بھی کرلے۔الاقناع میں کہا گیا کہ یہ صحیح مذہب ہے اور المبدع میں ہیکہ یہ امام سے منصوص ہے۔اسکو ابن ابی موسیٰ، ابن البناء اور سامری نے اختیار کیا ہے۔البتہ شرح المنتھیٰ میں گستاخانہ الفاظ کہنے اور قذف کرنے کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔جو گستاخانہ الفاظ کہے اور بعد میں اسلام قبول کرلے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور

اگر وہ آپ علیہ السلام پر قذف کرے تو اسے ہر حال میں قتل کیا جائے گا کیونکہ وفات کے بعد کا قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتا ہے

مسئلہ (وہ صورتیں جن میں عہد نہیں ٹوٹتا)

اگر کوئی فی یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ "ذمی" ہے **منکر بات ظاہر کیا یا پکار کر اپنی کتاب پڑھا یا کوئی امر اس کو سوا ، جس کا ممنوعات میں بیان ہوا** مثلاً گھوڑے پر سوار ہوا یا **کسی مسلمان پر تہمت یا جادو کیا** جس کی وجہ سے **مسلمان کے** بعض اعضاء باطل ہو گئے **تو عہد نہ ٹوٹے گا** کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کیلیئے عام ضرر نہیں ہے بر خلاف اس کے کہ جسمیں اللہ تعالیٰ یا رسول اکرم صل اللہ علیہ و آلہ وسلم یا دین اسلام کو برا کہا جاتا ہے تو ان صورتوں میں تمام مسلمانوں کو ایذا و تکلیف ہوتی ہے۔ رہے منکر افعال یا بلند آواز سے اپنی کتاب پڑھنا تو عقد ذمہ کا مقتضی یہ نہیں ہیکہ ان امور کے صدور سے عقد ٹوٹ جائے البتہ ان افعال محرمہ کرنے پر اس کے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے گی۔

مسئلہ (عہد توڑنے والے کی عورتیں اور اولاد کا حکم)

ذمی کا عہد ٹوٹ جانے سے اس کی عورتوں کا اور اولاد کا عہد تو ٹوٹتا نہیں کیونکہ عہد شکنی فقط اسی سے ہوتی ہے، دوسروں کا اس میں قصور نہیں۔

حصہ دوم تمام شد